منہج سلف کا تحقیقی جائزہ

مؤلف

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سلیمان الرحیلی حفظہ اللہ

تقریظ

فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ

مترجم

ڈاکٹر محمد اجمل منظور مدنی حفظہ اللہ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

منہج سلف کا تحقیقی جائزہ

مؤلف

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سلیمان الرُحیلی

تقریظ

فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی

مترجم

ڈاکٹر محمد اجمل منظور مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

حقوق طبع محفوظ ہیں

نام کتاب : منہج سلف کا تحقیقی جائزہ

مؤلف : فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سلیمان الرُحیلی

مترجم : ڈاکٹر محمد اجمل منظور مدنی

اشاعت : رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق اپریل ۲۰۲۲ء

صفحات : ۳۱۲

ایڈیشن : اول

تعداد : دو ہزار

ناشر : صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

ملنے کے پتے:

- **دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی:**

14–15، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل کرلا بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی–400070۔

- **مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ:**

بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ کھیڈ، ضلع: رتنا گری–415709، فون:02356-264455

- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، 549/غوری پاڑہ پہلا منزلہ نزد رئیس ہائی اسکول، بھیونڈی–421302۔فون نمبر:

(02522) 225071 / 226526

فہرست

پیش لفظ

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على خير خلقه خاتم النبيين وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين ، أما بعد:

یہ مؤقر مجموعۂ دروس جو"منہج سلف کا تحقیقی جائزہ" کے عنوان سے آپ کے ہاتھوں میں ہے اسے عالم اسلام کی مشہور ومعتبر عظیم علمی ومنہجی شخصیت ڈاکٹر سلیمان الرحیلی حفظہ اللہ تعالیٰ نے طلبہ ودعاۃ کے سامنے کئی مجالس میں پیش فرمایا ہے، ڈاکٹر موصوف اپنی انتھک اصولی وتربیتی کوششوں کے ساتھ باطل اور اہل باطل کے رد میں اہل علم کے یہاں معروف ہیں، آپ سے کثیر تعداد میں شائقین علم وعمل استفادہ بھی کرتے ہیں۔

بدعات وانحرافات کے رد میں آپ کے ان دورۂ علمیہ سے اہل عرب کے ساتھ اردو داں طبقہ بالخصوص اہل علم اور مبلغین فائدہ اٹھا سکیں، اس کے لئے فاضل جماعت دکتور محمد اجمل منظور مدنی حفظہ اللہ جملہ اہل علم وانصاف کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے کچھ احباب جماعت کے اصرار پر اس کارواں ترجمہ کرکے برائے اشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے حوالہ کیا ساتھ ہی ساتھ علمبردار سلفیت نازش جماعت فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ وتولاہ کے علم وعمل اور جہود میں اللہ برکت دے کہ انھوں نے کتاب کے شایان شان اس پر ایک جامع منہجی تقریظ لکھ کر دیا۔ فجزاھم اللہ خیراً

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنی ٹوٹی پھوٹی کوششوں میں اولیت عقیدہ ومنہج کی ترویج اور خالص تربیت کو دیتی ہے، کیونکہ اصل دعوتی مشن یہی ہے، چونکہ یہ مجموعہ دروس، سلفیت اور اس کے اصول کے تعارف کے ساتھ سلفیت مخالف افکار وتحریکات کی تردید اور اسلام کی شبیہ اور اصول کو جن شخصیات سے زبردست نقصان پہنچا ہے ان کے علمی تعاقب پر مشتمل ہے، اس لئے صوبائی جمعیت اپنے شعبۂ نشر واشاعت سے اس کی اشاعت کو سعادت اور عین ذمہ داری مان کر شائع کررہی ہے۔

البتہ اس کتاب کی اہمیت وافادیت اوراس سے استفادہ کتنا کارگر ہوسکتا ہے اس کے لئے صرف ایک بات کافی ہے کہ اس پر عالم اسلام کی مشہور ومعتبر سلفی شخصیات ڈاکٹر سلیمان الرحیلی، شیخ ظفرالحسن مدنی اورڈاکٹر محمد اجمل منظور مدنی حفظہم اللہ کے نام جڑے ہیں۔

اللہ ہمارے ان مشائخ عظام کے علم، عمر اور جہود میں برکت دے اوراس کی اشاعت میں جن کا جو بھی تعاون ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور جمعیت کو مزید اس طرح کے منہجی کوششوں کی توفیق دے۔ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ﴾

وصلى الله على نبينا محمد وبارك وسلم

أخوكم: عبدالسلام سلفی

(صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

۱۰/رمضان ۱۴۴۳ھ

۱۲/اپریل ۲۰۲۲م

تقریظ

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾

الحمدلله الذي بعث رسوله بالحق، وكمل به الشرع، وجعله داعيا بالحق، والصلاة والسلام على محمد صلى الله عليه وسلم وعلى أصحابه الذين حملوا راية الدين ومن اقتفى أثرهم ومشى على نهج السلف وبعد.

قال تعالیٰ: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ [المائدہ:۴۸] ترجمہ: ”تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شرع اور منہاج مقرر کیا ہے۔“ (یعنی مذہبی زندگی کا طور طریقہ ٹھہرایا ہے۔)[1]

تقریباً سارے اہل علم کا خیال یہی ہے کہ اس آیت میں شریعت سے مراد احکام شریعت ہیں اور منہاج سے مراد احکام شریعت پر عمل کرنے اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ اور اس کی تفصیل و توضیح اور بیان ہے۔

ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر کرتے ہیں کہ ﴿شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ کا مطلب: (**سبيلا وسنة**) ہے۔

مجاہد، عکرمہ، حسن البصری، قتادہ، الضحاک، السدّی، ابی اسحاق السبیعی رحمہم اللہ وغیرہم نے یہی کہا کہ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا کی تفسیر: (**سبيلا وسنة**) ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ کی سب سے اچھی تفسیر یہی ہے۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ: ﴿شِرْعَةً﴾ سے مراد تو شریعت ہے اور ﴿وَمِنْهَاجًا﴾ سے مراد (**طريقا واضحا في الدين يمشون عليه**) ہے۔

***شریعت کی طرح منہج کی بھی اِتباع ضروری ہے۔**

جب شریعت اور منہج دونوں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ ہی کی طرف سے مقرر و متعین ہیں تو مسلمانوں پر لازم ہے

---

① ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد۔

کہ احکام شریعت کی پابندی کرنے میں منہج (کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقہ) کی بھی پابندی کریں، کسی بھی کلمہ گو کے لئے جائز نہیں کہ وہ منہج سے اعراض کرے، عقائد واعمال میں اس منہج سے آزاد ہوکر جیسے چاہے اپنا راہ عمل مقرر کرلے اور جس کا طریقہ بھی چاہے اختیار کرلے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[الجاثیۃ:۱۸]

ترجمہ: ”پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک روشن اور واضح راہ پر چلایا بس آپ اسی پر قائم اور ڈٹے رہیں اور ان نادانوں کے خواہشات نفس (شرک و بدعات اور مقرر کردہ منہج کے خلاف) طور طریقوں کی اتباع اور پیروی مت کریں۔“

أهل الأهواء : سے مراد اہل بدعات ومحدثات، اہل باطل، اور ضلالت وگمراہی میں مبتلا لوگ ہیں جن کی اتباع کرنے سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔

*** منہج کے خلاف دعوت دینے والوں سے اجتناب اور دوری اختیار کرنا ضروری ہے:**

آیت کے آخری حصہ ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ سے خوب واضح ہے کہ منہج کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں اور عمل کرنے والوں کا ساتھ دینا منع ہے اور ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

*** منہج کی پابندی ضروری ہے:**

کوئی بھی عمل چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، دعوت وارشاد سے ہو یا اصلاح وتبلیغ سے ہو یا امر بالمعروف والنہی عن المنکر یا تعلیم وتدریس اور تربیت وتزکیہ سے ہو، اسی وقت عند اللہ قابل قبول ہوگا جب کہ وہ شریعت ومنہج دونوں کے مطابق ہو اور اگر وہ شریعت ومنہج کے خلاف ہے تو غیر مقبول اور مردود ہے۔

(۱) عقائد وایمان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے بتادیا ہے کہ:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ﴾[البقرۃ:۱۳۷-۱۳۸] ترجمہ: ”اگر یہ لوگ ایسا ہی ایمان لائیں جیسے کہ تم لوگ ایمان لائے ہو تو ہی یہ ہدایت پائیں گے اور اگر یہ لوگ تمہارے جیسے ایمان لانے سے انکار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے شر سے بچانے کے لئے کافی ہے، تم لوگ اللہ کا (دین) اختیار کرو اور اپناؤ اللہ تعالیٰ کے رنگ (دین) سے اچھا رنگ کس کا ہوسکتا ہے

اور ہم لوگ تو اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالی کی عبادت کرنے والے ہیں۔“

(۲) اسلام: (تمسك بالكتاب والسنة) اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت پر ڈٹے رہنے اور استقامت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿فَٱسۡتَقِمۡ كَمَآ أُمِرۡتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطۡغَوۡاْۚ إِنَّهُۥ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٞ﴾ [ھود:۱۱۲] ترجمہ: ”اے ہمارے نبی آپ اور آپ کے ساتھی جو کفر وشرک چھوڑ کر اسلام اور صراط مستقیم پر ہیں اسی پر قائم و دائم رہیں اور صبر واستقامت اختیار کریں مگر ویسے ہی جیسے کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور اس سے (مقرر کردہ شریعت ومنہج کو ترک کرکے) حدود سے تجاوز نہیں کرنا۔“

﴿وَٱسۡتَقِمۡ كَمَآ أُمِرۡتَۖ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَهُمۡۖ﴾ [الشوریٰ:۱۵] ترجمہ: ”اور آپ شریعت ومنہج پر استقامت اختیار کریں اور آخری دم تک اسی پر قائم رہیں مگر ویسے جیسے کہ اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اور ان لوگوں کے خواہشات وبدعات ومحدثات کی پیروی مت کریں۔“

(۳) ذکر الٰہی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَٱذۡكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمۡ﴾ [البقرة:۱۹۸] رجمہ: ”مؤمنوں تم اللہ کو یاد کرو جیسے کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے۔“

﴿فَإِذَآ أَمِنتُمۡ فَٱذۡكُرُواْ ٱللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمۡ تَكُونُواْ تَعۡلَمُونَ﴾ [البقرة:۲۳۹] ترجمہ: ”اور جب تم لوگ امن وامان میں ہو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ اس نے تمکو سکھایا ہے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے۔“

(۴) وضوء کی فضیلت بیان کرتے ہوئے واضح کردیا کہ وضوء بھی وہی قابل قبول ہوگا جو شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہوگا:

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من أتم الوضوء كما أمره الله فالصلوات المكتوبات كفارات لما بينهن“ ترجمہ: ”جس نے مکمل وضوء کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے تو اس کی پانچوں نمازیں درمیان کے سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔“[1]

[1] مسلم، النسائی، ابن ماجہ، صحیح الترغیب 1/197۔

(۵) **نماز کی فضیلت** اسی شرط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**من توضأ كما أمر وصلى كما أمر غفرله ما تقدم من عمل**'' ترجمہ: ''جس نے وضو کیا ویسے جیسے کہ اس کو حکم دیا گیا ہے اور نماز پڑھی جیسے کہ اس کو حکم دیا گیا ہے تو اس کے پچھلے سارے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔''①

ان تمام عقائد و اعمال میں (كَمَا) سے منہج کی تاکید کی گئی ہے۔

*** منہج کا ترک ہلاکت کا سبب:**

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إنَّ لكلِّ عملٍ شِرَّةٌ، ولكلِّ شرَّةٌ فَتْرَةٌ، فمنْ كانْ فترتُه إلى سنتِي فقدِ اهتدى، ومنْ كانتْ إلى غيرِ ذلكَ فقدْ هلكَ**'' ترجمہ: ''جب بھی مؤمن کوئی عمل کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس کے دل میں اس کے کرنے کا شوق وجذبہ پیدا ہوتا ہے پھر ہر جذبہ کی ایک انتہا ہوتی ہے (یعنی وہ شوق وجذبہ اسی وقت پورا ہوتا ہے جب کہ آدمی وہ کرنے میں کامیاب ہو جائے) پھر جو شخص عملی جامہ پہنانے اور ادا کرنے میں میرے طریقہ اور میری سنت کی روشنی میں ادا کرے تو ہدایت پا جاتا ہے ورنہ ہلاک ہو جاتا ہے۔''

اور جس شخص نے عمل کرنے اور اس کی ادائیگی میں میرے طریقہ اور سنت کو چھوڑ دیا تو وہ شخص عمل کرنے کے باوجود بھی ہلاک ہو گیا (کیونکہ اس شخص نے نیک عمل تو کیا مگر اس نے عمل کرنے میں سنت اور منہج کو چھوڑ دیا)۔②

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**لكلِّ عملٍ شِرَّةٌ، ولكلَّ شِرَّةٍ فترةٌ، فإنْ كان صاحبِها سَدَّدَ أو قارَبَ فارْجُوه، وإن أُشِيرَ إليه بالأصابعِ فلا تَعُدُّوهُ**'' ترجمہ: ''ہر عمل کے لئے ایک ذوق وشوق ہوتا ہے اور ذوق وجذبہ کی انتہا اور تکمیل ہوتی ہے جو عمل کے بعد حاصل ہوتی ہے، پھر جو شخص عمل کرتے وقت بالکل درست میری سنت اور طریقہ کے مطابق یا اس کے بالکل قریب قریب ادا کیا تو اس کی نجات وفلاح، جنت ومغفرت اور صالح ہونے کی امید رکھو اور اگر دیکھو کہ لوگ اس کی طرف اپنی انگلیوں سے اشارہ کر رہے ہیں تو (**فلا تعدوه**) اس کو اچھے اور نجات وفلاح پانے والوں میں شمار نہ کرو۔''③

---

① أحمد، الدارمي، النسائي، ابن ماجہ، ابن حبان، صحیح الترغیب: 1/197۔ ② صحیح ابن حبان: 2/371، ابن أبي عاصم۔

③ سنن الترمذي: حدیث 2453، ابن حبان: رقم 2851 صحیح موارد الظمآن۔

*منہج السلف الصالح بالکل روشن اور أظہر من الشمس ہے

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہماری مجلس میں تشریف لائے اور ہم لوگ اس وقت مسلمانوں کے فقر وفاقہ، ان کی غربت ومحتاجگی کا ذکر کررہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ہماری گفتگو سن کر فرمایا: ''آلفَقْرَ تَخافونَ؟ والذي نفْسي بيدِهِ لَتُصبَّنَّ عليكُمُ الدُّنيا صبًّا، حتّى لا يُزِيغَ قلْبَ أحدِكم -إنْ أَزاغَهُ- إلّا هي، وايْمُ اللهِ، لقد ترَكْتُكم على مِثْلِ البيضاءِ، ليلُها ونهارُها سواءٌ''. ترجمہ: ''میں تم لوگوں کو بالکل روشن اور چمکتے ہوئے صاف راستے پر چھوڑ کر جارہا ہوں جس کے دن رات سب برابر ہیں (میں نے حلال وحرام کھول کھول کر بتادیا ہے، خیر وشر کی خوب وضاحت کردی ہے، ہر وہ چیز جو تم کو اللہ کے قریب کرنے والی ہے اس کا ہم نے تم کو حکم دے دیا ہے اور جو چیز تم کو جہنم کے قریب کرنے والی ہے ہم نے اس سے تم کو منع کردیا ہے، کسی بھی شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے والی کوئی بات ہم نے نہیں چھوڑی''۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو یہ حدیث بیان کرتے تو فرماتے: ''صدَقَ اللهُ ورسولُه، تركَنا واللهِ على مِثلِ البَيضاءِ ليلُها ونَهارُها سواءٌ'' ترجمہ: ''اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا، اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو نہایت روشن صاف اور چمکتے ہوئے ایسے راستے پر چھوڑ کر گئے جس کے رات دن سب برابر ہیں۔''

پوری امت اسی روشن اور صاف چمکتی ہوئی شریعت کی راہ پر چل رہی تھی ہر قسم کے شرک وبدعات سے محفوظ تھی، ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بری تھے، سارے اختلاف وشقاق سے بچی ہوئی تھی، مگر جب لوگ نفس پرستی اور اپنی خواہشات نفسانی، فلسفہ اور دیگر علوم عقلیہ کے پیچھے پڑ گئے خصوصا خلیفہ مامون رشید کے دور میں جب علوم عقلیہ اور عجمی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا گیا تو بہت سے لوگ علوم شرعیہ اور کتاب وسنت چھوڑ کر انہیں کے پیچھے پڑ گئے، جس کی وجہ سے لوگ قسم قسم کے شکوک وشبہات اور اختلاف وافتراق کے شکار ہو گئے اور سابقہ امتوں کی طرح: ﴿فَتَقَطَّعُوٓاْ أَمۡرَهُم بَيۡنَهُمۡ زُبُرٗاۖ كُلُّ حِزۡبِۭ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُونَ﴾ [المومنون: ۵۳] کے مصداق ہو گئے۔

اِمام ابوالحسن السندھی الکبیر کہتے ہیں کہ:

حدیث میں مثل البيضاء: (روشن صاف اور واضح چمک دار راستے) سے مراد ملت وشریعت نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل ایمان کے دل ہیں جن کی تشبیہ صاف ستھری زمین سے دی گئی ہے، جن کی تعلیم وتربیت اور جن کے نفوس کا تزکیہ اسلامی اخلاق وآداب اور زہد وتقوی پر ہوا تھا اور جن کے قلوب اللہ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت ومحبت اور توحید وسنت کی عظمت سے بھرے ہوئے تھے۔''[1]

*** منہج سلف کے سب سے پہلے داعی اور علمبردار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں**

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ﴾ [توبہ:۱۰۰]

﴿وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ﴾ میں منہج کی اِتباع کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ علماء صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ: ''**يا مَعْشَرَ الْقُرّاءِ اسْتَقِيمُوا فقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا، فإنْ أخَذْتُمْ يَمِينًا وشِمالًا، لقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلالًا بَعِيدًا**''. ترجمہ: ''اے قراء (علماء) کی جماعت! تم کتاب وسنت پر استقامت اختیار کرو اور شریعت ومنہج پر قائم اور ڈٹے رہو، کیونکہ تم لوگ ایمان لانے اور کتاب وسنت اور شریعت ومنہج کے وارث بننے میں بعد میں آنے والے لوگوں پر سبقت کر گئے ہو جس کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ اجروثواب کے بھی مستحق ہو چکے ہو، اس لئے تم بالکل سیدھے راستے پر چلتے رہو، اگر تم صراط مستقیم اور شریعت ومنہج کو چھوڑ کر دائیں اور بائیں طرف چلنے لگے تو تم بہت دور گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔''[2]

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے علماء کو مخاطب کر کے منہج اور صراط مستقیم پر قائم رہنے کی تاکید کی اور استقامت کے فضائل وفوائد بیان کئے اور اس سے اعراض وانحراف کے نقصان اور وعید سنائی کہ تم لوگوں کو سیدھے راستے اور صراط مستقیم پر قائم ودائم رہنا چاہئے تاکہ بعد میں آنے والے تمھاری پیروی کریں تو تم بڑے اجروثواب کے مستحق بنو گے، اور تم اس کو چھوڑ کر ادھر ادھر چلو گے تو تم گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے پھر جو لوگ تمھاری اتباع کریں گے تو تم بھی ان کے گناہوں کے ذمہ دار بنو گے۔[3]

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو تاکید کرتے تھے کہ: ''**اتَّبِعوا ولا تبتدِعوا، فقد كُفِيتُم**''۔[4]

عثمان بن حاضر الأزدی کہتے ہیں کہ: میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ (أوصني) آپ مجھے کچھ وصیت کیجئے، تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''**نَعَمْ، عَلَيْكَ بِتَقْوى اللَّهِ والاسْتِقامَةِ،**

---

[1] شرح سنن ابن ماجہ 1/143۔

[2] البخاری فی ال إعتصام باب ال إقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 13/250۔

[3] الفتح، المرعاۃ۔

[4] الدرامی 1/69۔

اتَّبِعْ ولا تَبْتَدِعْ''۔ [1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو تاکید کرتے تھے کہ:''تعلموا تَعَلَّمُوا العِلْمَ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ، وقَبْضُهُ أَنْ يَذْهَبَ أَهْلُهُ، ألا وإيّاكُمْ والتَّنَطُّعَ، والتَّعَمُّقَ، والبِدَعَ، وعَلَيْكُمْ بِالعَتِيقِ'' ترجمہ:''علم اٹھالئے جانے کے پہلے پہلے سیکھ لو اور اٹھالئے جانیکا مطلب علماء کا اٹھالیا جانا ہے (علماء کی زندگی میں لوگ ان سے علم حاصل کرنے میں لا پرواہی سے کام لیں گے علماء وفات پا کر دنیا سے چلے جائیں گے صرف جہلاء باقی رہ جائیں گے کوئی دینی رہنمائی کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔'' [2]

*** منہج کا سیکھنا سکھانا اور اس کے اصول وضوابط کا علم ہونا ضروری ہے:**

ہر قسم کی ضلالت وگمراہی اور منہجی انحراف سے محفوظ رہنے کا سب سے بڑا ذریعہ کتاب وسنت کا علم اور منہج کی اہمیت وضرورت کی فکر واحساس ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُۥ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِٱللَّهِ فَقَدْ هُدِىَ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾[آل عمران:١٠١] ترجمہ:''مؤمنوں تم صراط مستقیم کو چھوڑ کر کفر وشرک، بدعات وضلالت اور گمراہی میں کیسے مبتلا ہو سکتے ہو جب کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تمھارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود ہیں (یعنی تمہیں کتاب وسنت کی تعلیم مل رہی ہے) اور جو شخص اللہ کو (اللہ کے دین جو کہ کتاب وسنت اور منہج کی شکل میں تمھارے پاس موجود ہے) خوب مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے تو اللہ اس کو صراط مستقیم اور راہ راست پر قائم رکھتا ہے۔''

اور فرمایا:﴿هُوَ ٱلَّذِى يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِۦٓ ءَايَٰتٍۭ بَيِّنَٰتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾[حدید:٩] ترجمہ:''اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم سے اپنے بندہ (رسول اللہ ﷺ) پر خوب واضح آیات (أحکام وہدایات نازل کرتے ہیں تاکہ وہ تم کو ہر قسم کی ضلالت وگمراہی سے بچا کر ہدایت اور صراط مستقیم پر قائم کردے۔''

اسی لئے ہمیشہ سے ہمارے سلف سابقین ولاحقین، اولین وآخرین منہج کی تعلیم اور دعوت اپنی تصنیفات وتالیفات، دروس وتعلیمات اور مجالس وعظ ونصیحت کے ذریعے دیتے رہے ہیں گرچہ اہل بدعات اور منہج سے منحرفین کی طرف سے ہدف ملامت اور لعن وطعن کا شکار ہوتے رہے مگر ہمیشہ اسلاف نے﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾[مائدہ:٥٤] کا

[1] الدارمی 1/53۔ [2] الدارمی 1/54۔

مظاہرہ کیا۔

﴿أَفَنَضۡرِبُ عَنكُمُ ٱلذِّكۡرَ صَفۡحًا أَن كُنتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِينَ﴾ [زخرف:۵] پر عمل کا اور مشن جاری رکھا۔ جزاھم اللہ خیرا

ابھی دورحاضر میں اسی منہج سلف کی توضیح وتفصیل اور منہج کے متعلق پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالے کی غرض سے عالم اسلام کی محبوب ومقبول اور مشہور شخصیت عالم دین فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سلیمان الرُحیلی حفظہ اللہ کے دو مقالات ومباحث ہیں جوانہوں نے علماء وطلباء کے سامنے متعدد مجالس میں پیش کئے، اہل علم نے ان مقالات وبحوث کو بہت پسند کیا اور عوام وخواص نے اس سے فائدہ اٹھایا، کیونکہ یہ مقالات عربی میں تھے عربی زبان سے ناواقف لوگ اس علمی مواد سے مستفید نہیں ہوسکتے تھے اس لئے بعض احباب نے فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد اجمل منظور صاحب سلمہ اللہ سے اس کے اردو ترجمہ کی اپیل کی، ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ نے اس کا عام فہم انداز سے ترجمہ کردیا ہے، اللہ اس ترجمہ کو ڈاکٹر صاحب کے میزان حسنات میں اضافہ کا سبب اوران کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

ڈاکٹر صاحب سے بالمشافہ ملاقات تو غالباً نہیں ہے، مگر غائبانہ تعارف چند سالوں سے ضرور ہے، خصوصاً حق اور اہل حق کی حمایت اور دفاع، باطل اور اہل زیغ وضلال، اہل بدعات ومحدثات اور صراط مستقیم اور منحرفین منہج کے رد میں ان کی تحریروں کی وجہ سے قلبی لگاؤ ضرور ہے اور ہمیشہ ان کے حق میں دعائیں ہوتی ہیں اور اہل حق اور منہج سلف پر کسی طرف سے بھی کوئی الزام وبہتان، یا تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو اس کے جواب ودفاع اور اس کی تردید میں جو جنود اللہ میدان میں اترتے ہیں ان میں ڈاکٹر صاحب صف اول میں نظر آتے ہیں بس ہم تو یہی دعا کرتے ہیں کہ **کثر اللہ امثالھم**۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مؤلف، مترجم، اور ناشر سب کو اجر وثواب میں شامل کرے، روش صاحب اور ان کے احباب کی اس خدمت دین کو قبول کرے اور سب کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

أخوکم فی اللہ: ظفر الحسن مدنی

26شوال1442

تمہید

إِنَّ الْحَمْد لله، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضْلُلُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ﷺ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران:١٠٢]

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [النساء:١]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ [احزاب:٧٠-٧١]

أَمَّا بَعْدُ!

فَإِنَّ خَيْرَ الحديث كتاب اللهُ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَة، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ.

فضلاء کرام!

اس ملاقات پر میں رب العالمین کا بے پناہ شکر گزار ہوں، اور دعاء گو ہوں کہ پروردگار ان ایام کو ہمارے لئے دنیا وآخرت ہر جگہ نفع بخش بنائے، اور جب ہماری ملاقات رب العالمین سے ہوتو ہم مسرور وشاداں ہوں۔

فضلاء کرام!

یقیناً اللہ عزوجل نے محمد ﷺ کو تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے، ان پر کتاب مبین اتارا، اور اسی کتاب ہی کے مثل سنت بھی عطا کیا، تاکہ کتاب وسنت دونوں قیامت تک کے لئے امت محمدیہ کے لئے راستہ دکھانے والا روشن چراغ بن جائے، اور اللہ عزوجل نے اس امت کو تمام امتوں میں سب سے بہتر بنایا، اس کی بہتری کی دلیلوں میں ایک یہ بھی ہے کہ یہ امت وسط ہے، چنانچہ سب سے بہتر امت ہے، جسے لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے، جسے اللہ نے معتدل اور امت وسط بنایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً

وَسَطًا﴾[البقرۃ:۱۴۳] ترجمہ:''اور اسی طرح ہم نے تمہیں سب سے معتدل امت بنایا۔'' یہ اعتدال کتاب وسنت ہی ہے، انہیں کے اندر سارا حق ہے، سارا خیر ہے، ساری نیکی اور سارا اعتدال ہے۔

اسی اعتدال کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا تھا، اس پر عمل کیا، اور انہیں کے واسطے یہ خیر پوری روئے زمین پر پھیلا ہے، اور اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہوئے ہیں، اس طرح لوگ خیر پر اکٹھا ہوئے اور اللہ کے صحیح راستے پر گامزن ہوئے۔

پھر جب وقت گزرتا گیا تو فرقے پیدا ہوئے اور آپسی اختلاف ہوا، لوگ صراط مستقیم اور اس اعتدال والے راستے سے بھٹکنے لگے، فتنے رونما ہوئے، شر وفساد کا دور آیا، لیکن اگر چہ شر وفساد کا سلسلہ طویل ہو جائے، تاریکی کا دور دورہ ہو، اس وقت ایک روشن چراغ کی ضرورت ہوتی ہے، جو کبھی بجھنے والا نہ ہو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے، سن لو! وہ روشن چراغ فرقہ ناجیہ اور وہ طائفہ منصورہ ہے، جو اس سر زمین پر حق کا محافظ ہے، کیونکہ سر زمین سے حق کبھی ختم نہیں ہوگا، چنانچہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اسی وقت سے حق موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

اس فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ سے مراد سلف صالح کے وہ پیروکار ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے حق کو حاصل کرتے ہیں، چنانچہ اس وقت جو بھی خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور منہج سلف صالح کی مخالفت کرتے ہیں، ان کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی بلکہ منقطع ہوتی ہے، وہ سب کے سب بدعتی ہوں گے، سوائے اس کے جو منہج سلف پر ہوگا، کیونکہ اس کی سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔

بایں طور روئے زمین کے اندر سلفیت کا وجود امر حتمی ہے، اور اللہ کو اس سے اپنے دین کی حفاظت مقصود ہے، جس کا وجود اہل زمین کے لئے ایک نعمت ہے، جسے اللہ نے اپنے کروڑوں بندوں میں سے چنا ہے، تاکہ اس منہج والے اس عظیم نعمت کو پہچان لیں، کیونکہ گمراہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، پس اللہ نے جسے اس منہج کی معرفت کے لئے چن رکھا ہے اس پر بہت بڑا انعام واحسان کیا ہے۔

اس منہج پر چلنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے واجب کو دو جہت سے جان لے:

* **پہلی جہت:** سلفیت کی محافظت اور اس کے لئے کوشش کرنا۔

* **دوسری جہت:** لوگوں کو ضلالت و بدعت سے نکالنے کے لئے منہج سلف اور اسی سیدھی راہ کے مطابق دعوت کے

میدان میں کام کرنا۔

- یا تو غیر مسلموں میں دعوت کا کام کر کے انہیں کفر سے بچانا۔

- یا مسلمانوں میں دعوت کر کے انہیں شرک سے بچانا، جن میں سے اکثر کو پتہ نہیں ہوتا، وہ یہی سمجھتے ہیں کہ اس سے اللہ راضی ہوگا، جبکہ وہ سب سے بڑا ظلم یعنی اللہ کے ساتھ شرک اکبر کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں۔

۞ **شرک اصغر کا ضابطہ** یہ ہے کہ قرآن وسنت کے اندر جسے بھی شرک کہا گیا اور دلائل کی روشنی میں وہ اپنے مرتکب کو دین اسلام سے باہر نہ کرے وہ شرک اصغر ہے، یہ پہلا ضابطہ ہے۔

۞ دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ جو عمل شرک اکبر کا سبب بنے' وہ شرک اصغر ہے۔

پہلے کی مثال: غیر اللہ کی قسم کھانا، اور یہ کفر اکبر اور شرک اصغر دونوں ہے:

۞ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اسے کفر اور شرک دونوں کہا ہے، لیکن دوسری دلیلوں کی روشنی میں یہ دین اسلام سے خارج نہیں کرتا، یہ پہلا ضابطہ ہے۔

۞ **دوسرا ضابطہ جیسا کہ بیان کیا گیا:** یہ کہ شرک اکبر کا سبب ہو، جیسے اللہ کے لئے ذبح کرنا ایسی جگہ جہاں غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جاتا ہو، یہ شرک اکبر میں واقع ہونے کا ذریعہ اور سبب ہے، اس لئے اسے شرک اصغر کہیں گے۔

۞ **تیسرا ضابطہ:** کسی چیز کو سبب کے طور پر استعمال کرنا جبکہ اس کے سبب ہونے کے لئے دلیل نہ ہو، جیسے کہ تعویذ لٹکانا نظر بد کے دور ہونے کے لئے سبب مان کر، تو یہ شرک اصغر ہے، کیونکہ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ تعویذ کا لٹکانا کسی شر اور نظر بد کے دور ہونے کے لئے سبب ہے۔

***شرک اصغر کے لئے یہی تین ضابطے ہیں۔**

شرک اصغر بہت ہی خطرناک ہے، قباحت وشناعت میں یہ شرک اکبر کے بعد ہے، یہاں تک کہ بعض سلف کا خیال ہے کہ اگر کوئی اسی پر وفات پا جاتا ہے تو اللہ اس کی مغفرت نہیں کرے گا، بلکہ اس کی وجہ سے قیامت کے دن وہ عذاب سے دوچار ہوگا، اس لئے داعیوں پر واجب ہے کہ وہ منہج سلف کا اہتمام کریں اور لوگوں کو شرک کے ساتھ ساتھ بدعتوں سے بھی نکالنے کی کوشش کریں جو کہ عام گناہوں میں سب سے برا ہے، پھر لوگوں کو عام معاصی سے نکالنے کی کوشش کریں اور انہیں نیکیوں کی طرف دعوت دیں۔

***اللہ نے جنہیں سلفیت کی نعمت سے سرفراز کیا ہے:** ان پر واجب ہے کہ وہ ان دونوں پہلو سے کام کریں، اور ہم

دیکھ رہے ہیں کہ سلفی دعوت اس وقت اللہ کے فضل و کرم سے نتیجہ خیز ثابت ہو رہی ہے، علم پھیل رہا ہے، توحید کا دور دورہ ہے، سنت بھی عام ہے، سلفیت پر گامزن ہونے والوں کے علاوہ بھی ایسے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں جو سلفیت سے محبت کرتے ہیں۔

پیارے بھائیو! آج ہم محسوس کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ سلفی منہج اور سلفیوں سے محبت کرتے ہیں اور وہ سلفیت کو اختیار کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوتے ہیں، بس اللہ کی توفیق کے بعد انہیں عمدہ دعوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

۞ **ہم کہتے ہیں:** اللہ کے فضل و کرم سے سلفی دعوت پوری قوت سے موجود ہے، البتہ بعض سلفی بھائیوں کی طرف سے کچھ کاہلی اور سستی دیکھنے کو مل رہی ہے، اور کچھ لوگ تو ایسی تاویلیں کرنے لگے ہیں کہ ہم اہل بدعت کے ساتھ مصالحت عامہ میں کرم کریں گے اور اسی طرح جن امور میں خیر کا پہلو دیکھیں گے، جبکہ ان کے علاوہ دوسرے امور میں ان سے دور رہیں گے۔

جہاں یہ ایک طرف سلفی اصولوں کے مخالف ہے جیسا کہ ان شاء اللہ اس کی وضاحت آئے گی، دوسری طرف یہ دو ایسے نقصانات کو جنم دیتا ہے جن کا جاننا ضروری ہے:

۞ **پہلا نقصان:** دوسرے سلفی بھائیوں سے دور ہو جانا، چنانچہ جو بھی ایسا طریقہ اپنائے گا وہ اپنے ساتھیوں سے دور ہو جائے گا۔

۞ **دوسرا نقصان اس کے برعکس ہے:** اہل بدعت اور بدعت سے محبت کرنا، یہ کہہ کر کہ اس سے مصلحت عامہ پوری ہوتی ہے، اس میں کبھی کبھی خیر بھی پایا جاتا ہے، اور امت کے لئے اس میں بھلائی بھی ہوتی ہے۔

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ہمارے جو سلفی بھائی اس طرح کی تاویلات کرتے ہیں وہ بھی سلفی منہج پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن ان کا منہج متزلزل ہو چکا ہوتا ہے، تاویلات کرنے لگتے ہیں، اور یہی چیزیں سلفیت کے لئے خطرہ ہیں، اسی لئے ہم نے ضرورت محسوس کی کہ منہج سلف سے لوگوں کو واقف کرایا جائے، اس کی تعلیم عام کی جائے، چنانچہ یہ علمی دورہ اسی منہج پر چلنے والے ان سلفی بھائیوں کے لئے ہے جو اس کے اندر متخصص ہیں، چونکہ یہ پہلا دورہ ہے، اس لئے ہم نے سوچا ہے کہ اس کے اندر اس منہج سے متعلق کچھ اہم باتیں بیان کی جائیں۔

۞ **اسی لئے ان شاء اللہ اس دورے کے دروس چار کلّی امور پر مشتمل ہوں گے:**

۞ **پہلا امر:** منہج سلف اور یہ بھی تقریباً چار مجلسوں پر مشتمل ہو گا ان شاء اللہ۔

۞ **دوسرا امر:** سلفی منہج کے مخالف پائے جانے والے فرقوں کا ذکر اور ان کی خطرناکی کا بیان، اور یہ بھی تقریباً چار مجلسوں پر مشتمل ہوگا ان شاء اللہ۔

۞ **تیسرا امر:** سلف صالح کے اصول پر، یہ پہلے امر کا تکملہ ہوگا، اس کا جاننا اور ضبط کرنا ضروری ہوگا۔

۞ **چوتھا امر:** چند شخصیات پر کہ جنہوں نے اسلام کے مفہوم و منہج کو بدل ڈالا اور اسے نقصان پہنچایا ہے، اسے ہم ان شاء اللہ تفصیل سے دلائل اور خود انہیں کے اقوال کی روشنی میں بیان کریں گے، اور یہ بھی تقریباً چار مجلسوں پر مشتمل ہوگا ان شاء اللہ۔

اور یہ سلفی منہج ان شاء اللہ تدریس کے اندر بھی ہوگا:

ایک مجلس کی مدت ڈیڑھ گھنٹے ہوگی، ان شاء اللہ ایک گھنٹہ دس منٹ تک ہم درس دیں گے پھر بیس منٹ اسی موضوع پر سوال جواب کے لئے ہوں گے، چنانچہ اس وقت سوال، تبصرہ، تعلیق اور اعتراض سب ہوگا، اسی طرح ان شاء اللہ تمام مجالس میں ہوگا، کیونکہ یہ صورت نفع بخش ہے، اسی طرح ان شاء اللہ ایسے سوالوں کا جواب دیا جائے گا جن کی ہمیں ضرورت ہے، اسی طرح کچھ اضافی باتیں بھی ہوں گی جو فوائد سے خالی نہیں ہوں گی ان شاء اللہ۔

پیارے بھائیو! جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ بہت ہی اہم علوم اور دینی امور سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم اسے سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں، اسے یاد رکھیں اور دوسروں کو بھی یاد دلائیں، دعا کرتے ہیں کہ اللہ عزّ وجل ہماری مدد فرمائے اور ہمیں صبر کی توفیق عطا کرے۔

✷ ان مجلسوں میں کامیابی کے چاروں اسباب ہوں گے، چنانچہ کامیابی کے چار کلی اسباب ہیں:

۱- ایمان۔

۲- عمل صالح۔

۳- حق کی تلقین کرنا۔

۴- صبر کی تلقین کرنا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَٱلْعَصْرِ ۝١ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَفِى خُسْرٍ ۝٢ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ﴾ [عصر:۱-۳] ترجمہ: ’’زمانے کی قسم! کہ بے شک ہر انسان یقیناً گھاٹے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور ایک دوسرے کو حق

کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔"

* **ان علمی مجلسوں میں ایمان کا دو پہلو ہے:**

پہلا پہلو: یہ ایمان سے ہے، کیونکہ علم ایمان کا حصہ ہے۔

دوسرا پہلو: اس سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ ایمان میں نیکیوں سے اضافہ ہوتا ہے، اور علم ایک اشرف واکمل نیکی ہے۔

اور ان مجلسوں کا تعلق عمل صالح سے بھی ہے، اور جیسا کہ معلوم ہے کہ بہت سے محققین علماء کا خیال ہے کہ نوافل میں سب سے اہم علم کا حصول ہے، کیونکہ علم:

-کبھی فرض ہوتا، ایسی صورت میں وہ فرائض کا حصہ ہو جائے گا۔

-کبھی نفل ہوتا ہے، ایسی صورت میں بہت سے محققین علماء کے نزدیک یہ نوافل میں سب سے اہم ہوگا۔

✷ **ان مجلسوں میں حق کی تلقین بھی ہوتی ہے:** چنانچہ ہم منہج سلف کی تلقین کرتے ہیں جو کہ حق ہے جس کی اتباع واجب اور لازم ہے، اس سے تجاوز کرنا اور دائیں بائیں بھاگنا بالکل جائز نہیں ہے۔

✷ **اور اس کے اندر صبر کی بھی تلقین ہے:** ہمیں ضرورت ہے کہ ہم صبر سے کام لیں، بطور خاص ایسے وقت میں کہ سلفی منہج کی طرف سارے تیر وتفنگ پھینکے جا رہے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو صبر اور ثابت قدمی کی تلقین کریں، اسی طرح ہمیں درس وتدریس میں بھی صبر کی ضرورت ہے، کیونکہ علم ثقیل ہے، علم سے زیادہ ثقیل کوئی چیز نہیں، اجر میں بھی ثقیل ہے، اس کا طلب وجستجو بھی ثقیل ہے، میزان میں بھی ثقیل ہوگا، اور اس کا اجر عظیم ہے، لہذا ہمیں صبر عظیم کی ضرورت ہے۔

✷ **پیارے بھائیو! میری طرف سے آخری وصیت ہے:**

عزیز طلباء! تم اللہ کے داعی ہو، تمہیں بھی انہیں وصیتوں کی ضرورت ہے جن وصیتوں کے ذریعے رسول اکرم ﷺ اپنے داعیوں کو وصیت کیا کرتے تھے جب انہیں دعوت کے لئے بھیجتے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے جب ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تھا لوگوں کو قرآن اور دین سکھانے کے لئے، تو انہیں وہی وصیت کی تھی جو آپ ہر شخص کو کیا کرتے تھے جب اسے کہیں بھیجتے تھے، آپ نے فرمایا: "**يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا**" ترجمہ: "(لوگوں کے لئے) آسانی پیدا کرنا، انہیں سختیوں میں مبتلا

نہ کرنا، ان کو خوش کرنا نفرت نہ دلانا، اور تم دونوں آپس میں اتفاق رکھنا، اختلاف نہ پیدا کرنا۔“

*** پس میں خود کو بھی اور بھائیوں کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ آسانی پیدا کریں، سختی نہ کریں اور آسانی پیدا کرنے کی کئی صورتیں یا کلیات ہیں:**

* **پہلا کلیہ:** کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنا، اللہ کی قسم! کتاب وسنت کو جو مضبوطی سے تھام لے گا وہی آسانی پر ہوگا اور تمام امور اس کے لئے آسان کر دئے جائیں گے، کیونکہ کتاب وسنت کے اندر آسانی ہی ہے، اور یہ کیسے نہ ہو جبکہ اللہ عزّوجل فرماتا ہے: ﴿يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ﴾ [البقرة:١٨٥] ترجمہ: ”اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔“ یعنی یہ آسانی شرعی طور پر چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا، ایسی صورت میں یہ کیسے کوئی تصور کرسکتا ہے کہ ایک طرف اللہ عزّوجل ہم سے کہہ رہا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، اور ہم کہیں کہ کتاب وسنت کے اندر تنگی اور دشواری ہے؟ اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ تو یہ پہلا کلیہ ہے تھا کہ ہم کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام لیں۔

* **دوسرا کلیہ:** جس چیز کے اندر شرعی طور پر گنجائش ہو اس کے اندر ہم آسانی کی طرف مائل ہوں گے، چنانچہ اگر ہم پر وہ چیز لازم نہ ہو تو ہمارا میلان آسانی کی طرف ہوگا، بالخصوص دوسروں کے ساتھ سلوک و برتاؤ کرنے میں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے مگر دوسروں کے ساتھ برتاؤ کی وجہ سے آسانی والا راستہ اپنا لیتا ہے، جس طرح نبی اکرم ﷺ کو جب بھی دو چیزوں میں اختیار ملتا تھا تو آپ ان میں آسان چیز کو اختیار کرتے تھے اگر کسی گناہ کا خوف نہیں ہوتا۔

* **آسانی سے متعلق تیسرا کلیہ:** پیش آمدہ احوال کا خیال رکھنا، چنانچہ آپ جہاں بھی جس بھی شہر میں ہوں، اپنی کمزوری اور طاقت کے اعتبار سے حالات وظروف کی رعایت کریں گے، کیونکہ شریعت کے اندر بھی حالات وظروف کی رعایت کی گئی ہے، چنانچہ ایک شخص اگر مسافر ہو تو عبادت کے بارے میں اس پر تخفیف کر دی گئی ہے، اگر بیمار ہو تو بھی تخفیف ہے، اسی طرح دیگر حالات وظروف میں بھی رعایت کی گئی ہے۔

(**آسانی پیدا کرنا، انہیں سختیوں میں مبتلا نہ کرنا، ان کو خوش رکھنا**): یہاں بشارت اور خوش رکھنے کا مفہوم خیر و بھلائی کی خبر دینا ہے، جس کی تفسیر خود نبی اکرم ﷺ کے اگلے قول سے ہورہی ہے: (**نفرت نہ دلانا**) چنانچہ اس چیز کو لوگوں کے لئے مقدم کر دیا گیا جس میں انہیں رغبت ہوتی ہے نہ کہ نفرت والی چیز۔

بھائیو! یہاں پر ہمیں سلفی اور غیر سلفی میں فرق نظر آتا ہے، ایک سلفی کے نزدیک اس باب میں معیار شریعت ہوتی ہے، جبکہ دوسروں کے نزدیک معیار اس کی اور لوگوں کی خواہشات و چاہت ہوتی ہیں، چنانچہ وہ لوگوں کو ایسی ہی چیز کی خوشخبری دے گا جس کی انہیں چاہت ہوگی، چنانچہ کچھ ایسی جماعتیں پائی جاتی ہیں جنہوں نے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ لوگوں کو جو بات پسند نہ ہو وہ بات ان کے سامنے نہ کہی جائے، کیونکہ وہ خواہشات کی طرف دیکھتے ہیں۔

جہاں تک سلفی کا تعلق ہے تو وہ ایسی چیزوں کی خوشخبری دے گا جن میں شریعت کی مخالفت نہ ہو، انہیں اسی چیز کی خوشخبری دے گا جو کتاب وسنت سے ثابت ہو، انہیں خیر کے باتوں کی خوشخبری دے گا، نفرت نہیں دلائے گا، یہ چیز کبھی نفس مضمون ہوسکتا ہے اور کبھی اس کا تعلق اسلوب سے ہوسکتا ہے، چنانچہ لوگوں سے اسی اسلوب میں مخاطب ہوگا جس سے وہ خوش ہوں، حتیٰ کہ توحید کے مسئلے میں بھی کہ جب لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دینا ہو تو انہیں خوش اسلوبی سے مخاطب کیا جائے، تاکہ ان کے قلوب واذہان توحید کی اپیل کریں۔

(تم دونوں آپس میں اتفاق رکھنا، اختلاف نہ پیدا کرنا): اختلاف برائی ہے، اس لئے مناسب ہے کہ اس سے دور رہا جائے، اختلاف سے دور رہنے کے اسباب میں سے آپسی مشورہ اور تابعداری ہے، چنانچہ جب بھی کوئی معاملہ پیش آئے اس تعلق سے آپس میں مشورہ کریں اور اسے مان کر اس پر عمل کریں۔

***تابعداری تین امور کی طرف ہوگی:**

✷ **پہلا امر:** حق کی طرف، چنانچہ جب مسئلہ حق کو پکڑنے یا اس سے دور ہونے کا ہو تو ایسی صورت میں ہم حق کی طرف ہی رجوع کریں گے اور اسے مضبوطی سے تھام لیں گے۔

✷ **دوسرا امر:** اصلح کی طرف رجوع، مسئلہ اگر حق و باطل کا نہیں ہے، بلکہ دو راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا ہے تو ایسی صورت میں ہم اصلح اور بہتر راستے کو اختیار کریں گے۔

✷ **تیسرا امر:** اقدم، اکثر اور زیادہ لائق قدر، قدیم اور اکثریت والا ہوگا اسی کو اختیار کریں گے، کیونکہ ایسی صورت میں جو زیادہ لائق قدر، قدیم اور اکثریت والا ہوگا اسی کو اختیار کریں گے، کیونکہ ایسی صورت میں ایک بڑی جماعت کا حق کے قریب ہونا زیادہ لائق ہے، جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ مل جائے۔

***اس کی دلیل:** تاکہ ہماری صف منتشر نہ ہو اس کے لئے تابعداری ضروری ہے اور رسول اللہ ﷺ دعوت کے لئے، کسی علاقے کی گورنری کے لئے اور مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے جب کہیں بھیجتے تو

یہی فرماتے: **''تم آپس میں اتفاق رکھنا، اختلاف نہ پیدا کرنا''** اور یہ ہماری نہیں رسول اللہ ﷺ کی وصیت ہے۔

✷ **ہم یہ بار بار کہتے ہیں جس کی طرف فاضل محترم حکم نے ابھی اشارہ بھی کیا:** کہ ایک داعی کے لئے جائز ہے کہ وہ لوگوں کو مانوس کرنے کے لئے اپنے حقوق سے تنازل اختیار کرلے نہ کہ اللہ کے دین سے، چنانچہ وہ ایسا نہیں کہے گا کہ توحید کے مسئلے میں گفتگو نہ کرو جب تک کہ لوگوں کے دل مل نہ جائیں، یہ اللہ کا دین ہے تم اس کے مالک نہیں ہو، بلکہ وہ اپنے ذاتی حق سے تنازل اختیار کرے گا، مثلاً اپنے کچھ مال سے، اپنے بعض اوقات سے، لوگوں کی خاطر اپنی حیثیت اور سورس کا استعمال کرے گا، لوگوں کو مانوس کرنے کی خاطر، صدر اسلام کے سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا کہ لوگوں کے دلوں کو نرم کرنے کے لئے اپنے حقوق اور اپنے جہود کو صرف کرتے تھے نہ کہ اللہ کے دین سے تنازل اختیار کرتے تھے۔

ہمارے سلفی بھائی کہیں بھی رہتے ہیں، ان پر جب کوئی معاملہ درپیش آتا ہے تو وہ یہی طریقہ اپناتے ہیں، جس کا لوگوں کے دلوں پر الحمدللہ بہت گہرا اثر پڑتا ہے، بلکہ ذمہ داروں کے دلوں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، اور اس سے سلفیوں کے صدق نیت اور سچے دین پر ان کے عمل کا پتہ بھی چلتا ہے، اور یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ ہیں، ان کے لئے جو بہتر ہے وہ کوشش کرتے ہیں، اسی میں بھلائی بھی ہے جسے ہمیں غنیمت سمجھنا چاہیے، اور دعوت کے میدان میں کوشش کرنی چاہیے، لوگوں کو توحید وسنت کی تعلیم دینا چاہیے، ممکن ہے اللہ عزوجل ہمیں لوگوں کے صراط مستقیم پر آنے کا سبب بنادے۔

دروس شروع ہونے سے پہلے ضروری تھا کہ میں چند باتیں پیش کروں، اور دعا گو ہوں کہ اللہ عزوجل اسے نفع بخش بنائے، اور ہمیں ان لوگوں میں بنائے جو حق وہدایت پر ڈٹے رہتے ہیں، اور لوگوں کو بھی اسی کی دعوت دیتے ہیں، اور اللہ ہی سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا وسلم

❁ ❁ ❁

منہج سلف کا تحقیقی جائزہ: تمہید

الحمدُ للهِ ربِّ العالمَين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

میرے بھائیو اور دوستو! آپ سب کا استقبال ہے، اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے اس قیمتی وقت کو مبارک بنائے، اور اسے دنیا وآخرت میں ہمارے لئے مفید بنائے۔

"**منہج سلف کا تحقیقی جائزہ**" کے زیر عنوان جاری اس دورے کا یہ پہلا درس ہے، اور اس پہلے دورے میں سلفی منہج سے متعلق بنیادی اصولوں پر گفتگو کی جائے گی، اور اگر اللہ عزّوجل نے موقع دیا تو اس کے بعد بھی اسی طرح تفصیلی دورات منعقد کئے جائیں گے اور ہر دورے میں ان شاء اللہ اپنے مشائخ کرام کی کتابوں میں سے کسی کتاب کے ذریعے منہجی گفتگو کی جائے گی، جس سے ہمیں بیک وقت دو فائدے ہوں گے:

* **پہلا فائدہ:** شیخ کا تعارف، ان کے مقام ومرتبے اور علمی کاوشوں کا بیان۔

* **دوسرا فائدہ:** کتاب کا پڑھنا اور اس سے استفادہ کرنا۔

اللہ عزّوجل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے مقصد کو آسان بنائے اور اسے ہم سب کے لئے مفید بنائے۔

آج بروز پیر یہ جو پہلا درس شروع ہو رہا ہے، ان شاء اللہ تمام دروس کے لئے مقدمہ ثابت ہوگا، چنانچہ میں بطور تمہید کے عرض کرتا ہوں:

یقیناً اللہ عزّوجل نے انسان کی تخلیق کی، اور اس کی یہ فطرت بنادی کہ وہ دوسروں کا محتاج رہے، دوسروں کے ساتھ مل بیٹھ کر باتیں کرے، دوسروں کے ساتھ تعلقات بنائے، چنانچہ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ تنہا زندگی نہیں گزار سکتا، بلکہ اس کی فطرت اسے اجتماعیت کی دعوت دیتی ہے، اور یہ رابطہ اور تعلق انسان سے پہلے دو امر کی طرف جاتا ہے:

* **پہلا امر:** قومیت اور قبلیت کی طرف، چنانچہ ایک قوم کے لوگ ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں، اسی طرح ایک قبیلے کے لوگ ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں، اس طرح افراد قبیلہ کے مابین رابطہ قبیلہ اور قوم ہوتا ہے۔

* **دوسرا امر:** مصلحتوں کا تعلق: یعنی مشترکہ مصلحتیں، اسی کو حلیف قوم کہتے ہیں، چنانچہ کچھ لوگ ایک معاہدے کے

تحت حلیف بن جاتے تھے، کیونکہ ان کی مشترکہ مصلحت اسی میں ہوتی تھی، یہاں تک کہ اللہ عزّوجل نے اس سرزمین پر محمد اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا، تمام جنّ وانس کی طرف، ساری کائنات کے لئے رحمت بنا کر، اور یہ معلوم ہے کہ دین اسلام فطرت کی مخالفت نہیں کرتا، بلکہ اسے اس طرح مہذب بنا دیتا ہے جیسا کہ انسان کے مقام و مرتبہ کے لائق و مناسب ہو۔

میرے بھائیو! ہماری شریعت اور ہمارے دین کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو فطرت کے مخالف ہو، بلکہ ہمارا دین فطرتوں کو مہذب بناتا ہے۔

✷ **اس عظیم کلّیے اور اصول پر میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں:** اللہ عزّوجل نے شہوت کو فطرت انسانی کا ایک حصہ بنایا ہے، اسی لئے اسلام نے شہوت سے منع نہیں کیا ہے، بلکہ اسے مہذب بنا دیا ہے اسی حساب سے جیسا انسان کے مقام و مرتبہ کے مناسب و لائق تھا، چنانچہ نکاح کو مشروع قرار دیا اور اسے انسانی شہوت کو پورا کرنے کا ذریعہ بنا دیا، اس طرح اسلام نے فطرت کے تقاضوں سے منع نہیں کیا، اور نہ ہی دین اسلام نے شہوت پوری کرنے کے لئے چوپٹ راستے کھول دئے جس طرح دوسرے لوگ کرتے ہیں کہ اپنی شہوتوں کو حیوانوں کی طرح پوری کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی برے طریقے سے۔ یہی مثال تمام امور میں ہے، اس طرح یہ اسلام ایک عظیم دین ہے جو فطرت کی کبھی مخالفت نہیں کرتا، یہی دین فطرت ہے، یہ فطرت کو مہذب بناتا ہے۔

اسی طرح لوگوں کی فطرت میں اجتماعیت اور جماعت ہے، اور ایک انسان کا دوسرے سے مربوط رہنا ہے، چنانچہ اسلام نے اس سے بھی منع نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی مزید تاکید کی ہے، اور اسے مہذب بنایا ہے ایسے طریقے پر جو انسان کے لئے بہت ہی مناسب اور لائق ہو، چنانچہ مسلمانوں کے درمیان شرعی طور پر جو رابطہ ہے وہ دین اسلام ہے جسے محمد ﷺ لے کر آئے ہیں، اس کے علاوہ دوسرے رابطے اسی سے مربوط ہوں گے، جیسے پڑوسیوں کا ایک دوسرے سے تعلق، ایک قوم کا آپس میں ایک دوسرے سے تعلق، یہ اسی وقت صحیح ہوگا جب اسلام کے دائرے میں ہوگا- اس پر ہماری گفتگو نہیں ہوگی- اور اسلام اس سے منع بھی نہیں کرتا، ہاں جب اسلام کے اصولوں کی مخالفت ہوگی تو شرعی طور پر ممنوع ہوگی۔

ایک انسان آ کر کہے: ہم چاہتے ہیں کہ ہر قوم کے لئے ایک اسلام بنا دیں، ہم عربوں کا ایک اسلام ہو، ایک اسلام جنوب مشرقی ایشیاء کا ہو، ایک اسلام یورپ کا ہو، تو یہ جاہلیت ہوگی، شریعت الٰہیہ کے مخالف ہوگی، اسلام سے قبل

جاہلیت کی طرف دعوت ہوگی، اس وقت صرف ایک ہی رابطہ ہے جس کی طرف سارے روابط کو لوٹانا ہے اور وہ دین اسلام ہے، یہی سب سے عظیم رابطہ ہے، جسے نبی اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں، اسی رابطے سے ایک دوسرا رابطہ نکلتا ہے جسے جماعت کہتے ہیں، اور یہی جماعت لوگوں کو ایک دوسرے سے مربوط رکھتی ہے۔

*** جماعت- جسے سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں، اور اسی سے بہت سارے اشکالات حل ہوجاتے ہیں۔**

بھائیو! اس شرعی جماعت کی دو قسمیں ہیں:

دینی جماعت-

بدنی جماعت-

*** دینی جماعت کا مفہوم:** یہ کہ لوگ ایک ہی دین پر قائم ہوں، ان کے عقائد واصول میں کوئی اختلاف نہ ہو، صرف فروعی مسائل میں اختلاف ہو، یہی ایک جماعت ہوگی، مختلف جماعتیں نہیں ہوں گی، کیونکہ دین کے اندر مختلف جماعتوں کا تصور نہیں ہے، ایک ہی جماعت کا تصور ہے جس کی کوئی حد نہیں، چنانچہ ضروری ہے کہ انڈونیشیا کے لوگ بھی اسی جماعت میں داخل ہوں، سعودی عرب کے لوگ بھی اسی جماعت کا حصہ بنیں، مصر کے لوگ بھی اسی میں رہیں، بلکہ دنیا کے تمام مسلمان اسی جماعت کے ساتھ رہیں، صرف ایک ہی جماعت نہ کہ کئی جماعتیں۔

اور اللہ عزّ وجل نے ہمیں اسی بات کا حکم دیا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْ﴾ [آل عمران: ۱۰۳] ترجمہ: ’’اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑلو اور جدا جدا نہ ہوجاؤ۔‘‘ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جماعت کا تصور دیا ہے، پھر اسے لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے، اور اس سے جدا ہونے نیز اس کے اندر اختلاف کرنے سے منع کیا ہے، سبحان اللہ! ان تھوڑے کلمات کے اندر کس طرح اللہ نے دینی جماعت کی کیفیت بیان کردی ہے، اسے لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے، اس سے جدا ہونے اور اس سے اختلاف کرنے سے منع کیا ہے۔

﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ﴾ [آل عمران: ۱۰۳] ترجمہ: ’’اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑلو۔‘‘ اور یہ معلوم رہے کہ یہ دینی جماعت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ کتاب وسنت پر نہیں ہوگی، چنانچہ ہمیں چاہئے کہ ہم کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام لیں، اور اللہ عزّ وجل نے مزید فرمایا: ﴿وَلَا تَفَرَّقُواْ﴾ [آل عمران: ۱۰۳] ترجمہ: ’’اور جدا

جدا نہ ہو جاؤ۔" ﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْ﴾ اس کے اندر اس جماعت پر قائم رہنے کا حکم ہے، ﴿وَلَا تَفَرَّقُواْ﴾ یعنی کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ آپس میں جدا جدا مت رہو۔

پھر اللہ عزّ وجل نے واضح کیا کہ یہ جماعت ایک عظیم نعمت ہے، اس کے ماسوا اختلاف ہے، اور جو بھی کتاب و سنت اور شرعی، دینی جماعت کے خلاف ہو وہ اختلاف و انتشار ہی ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ وَٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنتُمۡ أَعۡدَآءٗ فَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِكُمۡ فَأَصۡبَحۡتُم بِنِعۡمَتِهِۦٓ إِخۡوَٰنٗا وَكُنتُمۡ عَلَىٰ شَفَا حُفۡرَةٖ مِّنَ ٱلنَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنۡهَاۗ﴾ [آل عمران: ۱۰۳] ترجمہ: "اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔"

اللہ عزّ وجل انہیں یاد دلا رہا ہے کہ کس طرح وہ مختلف جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے، ان کے پاس کوئی شرعی جماعت نہیں تھی، اور یہ واضح کیا کہ شرعی جماعت کو چھوڑنا ایک طرف دنیا کے اندر اختلاف و انتشار کا سبب ہے تو دوسری طرف آخرت میں گھاٹے کا سبب ہے: ﴿كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمۡ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُونَ﴾ [آل عمران: ۱۰۳] ترجمہ: "اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تا کہ تم ہدایت پاؤ۔" اور وہ یہ ہے کہ شرعی دینی جماعت کو ترک کرنا دنیا میں اختلاف کا سبب ہے اور آخرت میں گھاٹے کا سبب ہے۔

پھر اللہ عزّ وجل فرماتا ہے: ﴿وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ﴾ [آل عمران: ۱۰۴] ترجمہ: "اور لازم ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دے اور اچھے کام کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

سبحان اللہ! کس طرح جب اللہ عزّ وجل نے یہ حکم دیا کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو، اور جماعت سے جڑنے کو واضح کیا تو یہ بھی بیان کر دیا کہ جماعت کیسی ہوگی، چنانچہ جماعت سچی دعوت سے ہی متحقق ہوگی بایں طور کہ جماعت کے چند افراد اس دعوت کے فریضے کو انجام دیں۔

✶ **ایک وقفہ:** ارشاد باری ہے: ﴿وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ﴾ کیا یہ تاکید کے طور پر تکرار ہے: ﴿يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ﴾ کیونکہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امر

بالمعروف بھی خیر وبھلائی کی طرف دعوت دینے ہی کو کہتے ہیں؟

جواب: نہیں، ایسا نہیں ہے جیسا کہ علماء محققین نے صراحت کی ہے، کیونکہ خیر وبھلائی کی طرف دعوت دینے کا مقصد خیر وبھلائی کی طرف ابتدائی طور پر دعوت دینا ہے، اور معروف ونیکی کا حکم اس وقت دیا جاتا ہے جب اسے ترک کر دیا جاتا ہے، یعنی آپ خیر وبھلائی کی طرف دعوت دیں گے گرچہ لوگ اسے نہ چھوڑے ہوں، گویا اس طرف آپ ابتدائی طور پر دعوت دیں گے کہ جس کا انہیں پتہ بھی نہیں ہوگا، اور معرفت کے بعد بھی اس کی دعوت دیں گے، اس طرح خیر وبھلائی کی طرف دعوت دینا ارشاد ورہنمائی اور بچاؤ کا ذریعہ ہے، خیر کی طرف رہنمائی اور ترک خیر سے بچنے کا ذریعہ ہے، اور آپ جب لوگوں کو توحید کی تعلیم دیتے ہیں اس وقت آپ:

* **اولاً:** انہیں ابتدائی طور پر توحید کی رہنمائی کر رہے ہوتے ہیں۔

* **ثانیاً:** جس وقت آپ توحید کی تعلیم کا تکرار کرتے ہیں اس وقت آپ توحید پر ثابت قدم رہنے کی طرف دعوت دے رہے ہوتے ہیں، اور ترک توحید اور اس کے اندر کمی کرنے سے بچا رہے ہوتے ہیں۔

جبکہ معروف اور نیکی کا حکم دینا ایک علاج ہے، یعنی جب معروف ونیکی کو ترک کیا جائے گا اس وقت آپ ترک کرنے والے کو نیکی کرنے کا حکم دیں گے، اسی لئے احتساب کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ معروف اور نیکی کا حکم دینے اور منکر سے روکنے کا نام ہے جب معاشرے میں معروف کو ترک کیا جا رہا ہو اور منکر کا ارتکاب ہو رہا ہو، اس لئے خیر وبھلائی کی طرف دعوت دینے کو ارشاد ورہنمائی اور بچاؤ کا نام ہے، اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر بیماری کے واقع ہونے کے بعد اس کے علاج کا نام ہے، چنانچہ جب معروف ونیکی کو ترک کیا جائے' تو اس وقت اس کا حکم دیا جائے گا، اور جب منکر کا ارتکاب کیا جائے' تو اس وقت اس سے روکا جائے گا، اور مسلمانوں کی جماعت کے تعلقات اسی سے مضبوط ہوں گے، خیر کی طرف دعوت اور معروف کا حکم نیز انکارِ منکر سے، اور جب تک امت کے اندر ایک جماعت ایسی موجود ہوگی جو شرعی طریقے سے اس فریضے کو انجام دے گی تو یہ امت ہمیشہ کامیاب رہے گی، نہ تو کبھی وہ رسوا ہوگی اور نہ ہی خسارہ اٹھائے گی۔

اسی طرح اللہ عزّوجل کا ارشاد ہے: ﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ [شوریٰ: ۱۳] ترجمہ: ''اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا تاکیدی حکم اس نے نوح کو دیا اور جس کی وحی ہم نے تیری طرف کی

اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا، یہ کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں جدا جدا نہ ہو جاؤ۔"

یہی تمام انبیاء کا پیغام ہے، اور نبی خاتم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی پیغام لے کر آئے ہیں: ﴿أَنْ أَقِيمُواْ ٱلدِّينَ﴾ کہ دین کو قائم کرو، اور کوئی شرعی دینی جماعت بغیر اقامت دین کے ہو ہی نہیں سکتی، ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُواْ فِيهِ﴾ ہاں اللہ عزّ وجل نے ہمیں اسی جماعت کا حکم دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بھائیو! کتنی جماعتیں ہیں، وہ صرف دو جماعتیں ہیں:

* شرعی دینی جماعت۔

* بدنی شرعی جماعت۔

* **بدنی شرعی جماعت کا مفہوم:** یہ کہ لوگوں کا ایک حاکم ہو جو اُن کی دیکھ ریکھ کرے اور ان کی قیادت کرے، اس جماعت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایک ہو، لیکن اگر لوگ دور دور ہوں اور کسی دشواری اور مجبوری کی وجہ سے ایک جماعت کا ہونا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں جائز ہے کہ ہر قوم کا ایک حاکم ہو، اور اس پر علماء کا اجماع ہے جیسا کہ بہت سے اہل علم نے بیان کیا ہے، انہیں میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، علامہ شوکانی بھی ہیں، اور جیسا کہ شیخ ابن عثیمین -رحمہ اللہ- نے اپنے دروس میں بارہا اس کا تذکرہ کر کے ثابت کیا ہے۔

اس طرح ہر ملک کی اپنی ایک جماعت ہوگی، انڈونیشیا والوں کی ایک جماعت ہوگی، سعودیہ والوں کی ایک جماعت ہوگی، مصر والوں کی ایک جماعت ہوگی، یہاں پر کسی سے یہ مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری سے مل جائے، جیسے کہ آپ اگر انڈونیشیا میں ہیں تو آپ سے یہ مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ سعودیہ کی جماعت کے ساتھ ہو جائیں، یا مصر کی جماعت کے ساتھ ہو جائیں، یعنی اقتدار و حکومت والی جماعت کے ساتھ۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر دے دی ہے کہ اختلاف اس امت کے اندر ہو کر رہے گا، اور میرے بھائیو! یہ اختلاف دونوں جماعتوں میں ہوگا:

* دینی جماعت کے اندر بھی اختلاف ہوگا۔

* بدنی جماعت کے اندر بھی اختلاف ہوگا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس اختلاف سے آگاہ کر دیا ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ ہم اس اختلاف کے ساتھ کیسے تعامل کریں، اور یہ کہ:

* جب دینی جماعت کے اندر اختلاف واقع ہوگا اس وقت ہم پر جماعت کو لازم پکڑنا اور اختلاف و انتشار کو ترک کرنا واجب ہو جائے گا، اور یہ اسی صورت ہوگا کہ جب ہم دینی جماعت کے اصول وقواعد پر عمل کریں گے۔

* اور جب بدنی جماعت کے اندر اختلاف پیدا ہوگا تو اس کا علاج ہم بایں طور کریں گے کہ اسے لازم پکڑ لیں گے، اور اس کی طرف دوسروں کو بھی دعوت دیں گے، اس سے اختلاف کرنے سے آگاہ کریں گے، اور جو بھی انتشار ڈالنے کی کوشش کرے اس سے جہاد کریں گے، ہر شخص اپنی بساط وحیثیت کے اعتبار سے۔

جہاں تک اہل اقتدار اور حکام کا تعلق ہے تو اُن پر واجب ہے وہ بھی جہاد کریں گے، ہر اس شخص کے خلاف جو اختلاف ڈالنے کی کوشش کرے گا، جو اسلحہ کے ذریعے اختلاف کی کوشش کرے گا اس سے ہم اسلحہ سے لڑائی کریں گے، کیونکہ یہ خروج ہے، اور اس طرح جو خروج کرے گا اس سے لڑائی کی جائے گی، اور اگر آپ جیسے طلبہ ہوں گے تو وہ قلم وزبان سے جہاد کریں گے، ملک کے اندر اجتماعیت کی طرف دعوت دیں گے، اور ان پر رد کریں گے جو اختلاف و انتشار کی دعوت دیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي'' ترجمہ: ''بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے۔'' (سنن ترمذی، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے)

نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں بٹ گئے، یہاں بنو اسرائیل سے مراد نصاریٰ ہیں، کیونکہ جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے، یہود اکہتّر فرقوں میں بٹ گئے ہیں، اس لئے یہاں صرف نصاریٰ مقصود ہیں، اور آپ ﷺ نے یہ بھی خبر دی کہ اس اختلاف و افتراق سے آپ کی امت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی، سبحان اللہ! محفوظ نہیں رہ سکتی، یعنی اختلاف مقدر ہے جو ہو کر رہے گا، گرچہ شرعی طور پر اجتماعیت کا حکم ہے، لیکن یہ خبر دی کہ اختلاف ہوگا، بلکہ پہلی امتوں کے مقابلے میں زیادہ ہی ہوگا، یہ امت تہتّر فرقوں میں بٹے گی، سب کے سب جہنمی ہوں گے، اس جملے سے مقصود یہ ہے کہ سب کے سب شریعت کے مخالف ہوں گے، جس کی وجہ سے مستحق نار ہوں گے، یہ مقصود

نہیں ہے کہ یقینی طور پر یہ کفار ہوں گے۔

اسی لئے جب ہم اس حدیث کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو بعض مدلسین اور دھوکے باز کہتے ہیں کہ آپ لوگ اپنے مخالفین پر کفر کا حکم لگاتے ہیں، کیونکہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ سب کے سب جہنمی ہیں ہم کہتے ہیں کہ ہم نے یہ نہیں کہا ہے بلکہ یہ بات نبی اکرم ﷺ نے کہی ہے، ہم تو اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ جو تکفیر کا مستحق نہیں ہے اسے تکفیر سے کیسے بچایا جائے، اور ہم کہتے ہیں کہ (**كُلُّهُمْ فِي النَّارِ**) یعنی سب کے سب جہنمی ہیں، اس کا مقصود یہ ہے کہ یہ سب شریعت کی مخالفت کرتے ہیں، اور شریعت کی مخالفت دخول نار کا متقاضی ہے، کیونکہ یہ معصیت ہے، اب اگر یہ شرک سے چھوٹا ہوگا تو تحت المشیئہ ہوگا، اگر اللہ چاہے گا تو عذاب دے گا، اور اگر چاہے گا تو معاف کر دے گا۔

البتہ ہمیں یہاں جو مقصود ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ تمام اختلافی فرقے شریعت کے مخالف ہیں سوائے ایک کے، جو کہ شریعت کے مخالف نہیں ہے، اور وہی کامیاب ہے، اور جب نبی اکرم ﷺ سے اس کے اوصاف کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ”**مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي**“ یعنی یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے۔

* **ایک وقفہ:** کیا نبی اکرم ﷺ کا یہ قول کافی نہیں ہے: ”**مَا أَنَا عَلَيْهِ**“ یعنی یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے نقش قدم پر ہوں گے، کیونکہ جس منہج پر صحابہ تھے اسی منہج پر رسول اکرم ﷺ بھی تھے، اور ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے تھے کہ آپ ﷺ کا کلام بہت ہی مختصر ہوتا تھا، چنانچہ آپ کسی بڑے فائدے ہی کی وجہ سے اپنے کلام میں اضافہ کرتے تھے، کیونکہ ہر مسلمان کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ سنت پر ہے، شاذ و نادر ہی کوئی مسلمان یہ دعویٰ کرے گا کہ میں سنت کے مخالف ہوں پھر بھی میں حق پر ہوں اور سنت باطل پر ہے، بلکہ ہر کوئی یہی کہتا ہے: میں سنت پر ہوں، لیکن معیار کیا ہے؟ سچائی کیسے ظاہر ہوگی؟ جی ہاں، سارے لوگوں کو صحابہ کے منہج سے موازنہ کیا جائے گا:

- چنانچہ جو اس منہج پر ہوگا جس پر صحابہ کرام تھے چاہے وفات نبوی سے پہلے رہے ہوں یا بعد میں، تو وہی اس جماعت سے ہوگا جو کامیاب ہے اور جس کے اندر ساری خیر و بھلائی پائی جاتی ہے۔

- لیکن جو صحابہ کے منہج کے مخالف ہوگا، اسی کا شمار ان تمام فرقوں میں سے ہوگا جو اس تعریف سے خارج ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس فرقہ ناجیہ اور جماعت ناجیہ کے بارے میں اس عظیم وصف کے ساتھ بیان کر دیا ہے: ”**مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي**“ اب ایسی صورت میں ہمیں یہ شرعی حق ہے کہ ہم کہیں: جو بھی نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کے منہج کی

مخالفت کرے گا وہ ان فرقوں کے دائرے میں داخل ہوگا جو مستحق نار ہیں۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''افْتَرَقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَافْتَرَقَتِ النَّصَارَى عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، فَإِحْدَى وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ هُمْ؟ قَالَ: الْجَمَاعَةُ'' ترجمہ: ''حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہودی اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے۔ (ان میں سے) ایک فرقہ جنتی تھا اور ستر جہنمی۔ عیسائی بہتر (72) فرقوں میں تقسیم ہوئے۔ (ان میں سے) اکہتر جہنمی تھے اور ایک جنتی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میری امت ضرور تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ (ان میں سے) ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور بہتر جہنم میں۔ عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: الجماعۃ''۔ (سنن ابن ماجہ، علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے)

یہاں نبی اکرم ﷺ نے واضح کر دیا کہ تمام انبیاء کی امتوں میں صرف ایک ہی فرقہ ہے جسے نجات حاصل ہوگی، یہودیوں کے اندر اکہتر فرقے ہوئے، جن میں سے ستر جہنمی ہیں اور ایک جو انبیاء کی سنت پر ہے وہ جنتی، اسی طرح نصاریٰ کے اندر بھی، اور اسی طرح امت محمدیہ کے اندر بھی، البتہ یہاں جب اس فرقہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: یہ جماعت ہوگی، اس کے اندر جماعت کی دونوں قسمیں شامل ہیں:

* دینی جماعت۔
* بدنی جماعت۔

فرقہ ناجیہ وہی ہوگا جو جماعت کو پکڑے گا، جماعت کی طرف بلائے گا، جماعت کے لئے لڑے گا، یہ اس اجتماعیت کی دعوت دے گا جس کے بارے میں ہم نے کہا کہ دین کے اندر صرف ایک جماعت ہے مختلف جماعتیں نہیں ہیں، اس کا تعلق کسی ایک جگہ سے نہیں ہے، اسی کو مضبوطی سے تھام کر رہے گا، اسی طرح وہ بدنی جماعت کی طرف بھی لوگوں کو بلائے گا مگر شرعی اصولوں کی بنیاد پر۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ،

وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ''ترجمہ: ''بلاشبہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، چنانچہ ان حالات میں میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت اپنائے رکھنا، خلفاء جو اصحاب رشد و ہدایت ہیں، سنت کو خوب مضبوطی سے تھامنا، بلکہ ڈاڑھوں سے پکڑے رہنا، نئی نئی بدعات و اختراعات سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا، بلاشبہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (سنن ابو داؤد، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی خبر دی ہے کہ امت کے اندر اختلاف و انتشار کثرت سے ہوگا، جیسا کہ حدیث کا یہ ٹکڑا کہہ رہا ہے: ''فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں کہا کہ بقدر طاقت آپس میں ایک دوسرے کا تعاون کرو، اور جس میں طاقت نہ ہو اس میں ایک دوسرے کو معذور سمجھو۔ یہ بھی نہیں کہا کہ جس چیز میں اتفاق ہو اس میں تعاون کرو اور جس میں اختلاف ہو اس میں معذور سمجھو۔ بلکہ یہ کہا: '' فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي ''، یعنی میری سنت کو لازم پکڑو، یہاں ف تفریع کے لئے ہے، یعنی جب تم بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے تو اس وقت کیا کرو گے؟ ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي ''میری سنت کو لازم پکڑو گے، اس سے لازم آتا ہے کہ تم اہل سنت کے ساتھ ہو گے۔

''تَمَسَّكُوا بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ ''تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا۔ سبحان اللہ! کیا خلفائے راشدین سنت کی مخالفت کر سکتے ہیں؟ جواب: نہیں، بلکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ ہم سنت کو خلفائے راشدین کی فہم کے اعتبار سے سمجھیں گے، سلف صالح کی یہ عمدہ مثال ہیں، کیونکہ ان کے پاس رشد و ہدایت ہے۔

''تَمَسَّكُوا بِهَا ''، یعنی لازم پکڑو، ''وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ''اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کہنا کافی ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں کہا: ''وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ '' تاکہ ہمیں یہ بتلائیں کہ فتنوں کے داعی بہت ہوں گے، اور ان سب کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ ہمیں اس راستے سے اچک لیں، میرے بھائیو! کوئی انسان اپنے دانتوں سے کسی چیز کو اسی وقت پکڑتا ہے جب اسے اس چیز سے دور ہٹایا جاتا ہے، اور دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ اسی وقت پکڑتا ہے جب کسی چیز سے اسے دور کھینچا جاتا ہے۔

چنانچہ یہاں مقصود یہی ہے کہ جب تم سلف صالح کے فہم کے مطابق سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو گے، اس وقت

دیکھو گے کہ تمہیں کچھ لوگ اس سے دور ہٹانے کی کوشش کریں گے، اس وقت تم طاقت سے اسے تھام لینا، اور یہ اسی وقت پورا ہوگا جب تم تمام بدعتوں سے اجتناب کرلو گے، صرف یہ کہہ دینے سے کافی نہ ہوگا کہ میں سنت پر قائم ہوں، گر چہ اہل بدعت کے ساتھ رہوں، ایسا ممکن ہی نہیں ہے، ایسی صورت میں دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے:

*سنت کو مضبوطی سے تھامنا۔

* بدعت سے اجتناب کرنا۔

''**وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**''اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ بدعتوں سے کبھی بھی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی، اور اہل بدعت تو درندہ صفت حیوان جیسے ہوتے ہیں، کہ تم کسی درندے کے چھوٹے بچے کی پرورش کرو، اسے دودھ پلاؤ، کھانا کھلاؤ، پرورش کرتے رہو، ایک دن وہ تمہارے اوپر ہی حملہ کرے گا، اسی طرح یہ اہل بدعت ہیں جو سنت سے دور بدعت میں ڈوبے ہوتے ہیں، جو بدعت ان کے لئے سوائے نقصان کے کچھ نہیں دیتی۔ جبکہ بدعت اور اہل بدعت سے دوری اپنانا ہی سنت اور جماعت ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی لوگ خیر وبھلائی اور جماعت پر قائم رہے، پھر اختلاف پیدا ہوا، ابوبکر بغدادی اپنی کتاب''**الفرق بین الفرق**'' کے اندر لکھتے ہیں:''وفات رسول کے وقت مسلمان دین کے اصول وفروع ہر ایک میں ایک ہی منہج پر قائم تھے۔ چاہے بالاتفاق ہو یا نفاق کے ساتھ۔ یعنی اصول اور اعتقاد ہر ایک کے اندر وہ ایک ہی منہج پر قائم تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کے درمیان بہت سارے مسائل فقہ میں اختلاف وارد ہے، لیکن ان کا منہج ایک تھا، یعنی کتاب وسنت کی طرف ہر اختلاف کو لوٹانا، سوائے اس شخص کے جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ ہوتا اور حقیقت میں منافق ہوتا۔

* **اس کا مطلب یہ ہے کہ:** واجب یہی ہے کہ اس منہج اور طریقے کو مضبوطی سے تھام لیا جائے' جس پر وفات نبوی کے وقت مسلمان تھے، چنانچہ یہی معاملہ صحابہ کے درمیان وفات نبوی تک باقی تھا، یہاں تک کہ اسلام کے اندر کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے علم دین کو اکابرین سے نہیں سیکھا، اور نادانی کرتے ہوئے یہ سمجھ بیٹھے کہ اللہ کے دین کے بارے میں وہ صحابہ سے زیادہ سمجھتے ہیں، اور اللہ کے دین کے بارے میں صحابہ سے زیادہ غیرت مند ہیں، اسی لئے فرقوں کا ظہور ہوا، اور سب سے پہلے قدریہ اور خوارج کا ظہور ہوا۔

بھائیو! میری بات غور سے سنیں: امت کے اندر یہی شر وفساد بنیاد ہے، افتراق وانتشار کی جڑ ہے، اکابرین سے علم دین نہ سیکھنے اور ان کے تعلق سے بدگمانی میں ڈالنے کا سبب ہے، خود پسندی کا ذریعہ ہے، جب یہ تینوں چیزیں پائی جائیں تو سوائے اختلاف کے اور کسی خیر کی امید نہ رکھنا، ان کے نزدیک اکابرین' صحابہ رسول تھے، ان حضرات صحابہ سے انہوں نے علم نہیں لیا، خود مل بیٹھ کر آپس ہی میں مسائل حل کرنے لگے، اسی وجہ سے ان فرقوں کا ظہور رہوا۔

یہی وجہ ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج کے پاس مناظرہ کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے گئے تو فرمایا: میں تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کے عم زاد اور رسول کے صحابہ کی طرف سے آیا ہوں، اور دیکھ رہا ہوں یہاں تمہارے پاس ان میں سے کوئی نہیں ہے۔آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں تمہارے پاس اکابرین امت کی طرف سے آیا ہوں جو علم وعمر ہر ایک میں بڑے ہیں۔جب کہ تم لوگ ہر دو اعتبار سے بہت چھوٹے ہو، تمہارے پاس صحابہ میں سے کوئی نہیں ہے، گویا آپ کہنا چاہتے ہیں کہ تم لوگوں نے اکابرین امت، رسول کے صحابہ سے علم نہیں سیکھا ہے، اسی لئے صحابہ کے تعلق سے تمہیں بدگمانی ہوئی ہے، اور خود پر خوش گمانی میں مبتلا ہو، اسی چیز کا دشمنان دین نے استعمال کیا، اور عبداللہ بن سبا یہودی نے آ کر دین اسلام کا بظاہر اعلان کیا تا کہ مسلمانوں پر ان کے دین کو بگاڑ دے اور اس مسئلے کا استعمال کرے، اس طرح عبداللہ بن سبا یہودی ہی حقیقت میں مذکورہ دونوں فرقوں کے وجود میں آنے کا سبب ہے، دونوں کے اندر آپس میں اختلاف ہے البتہ دونوں کے یہاں بدعت میں اتفاق ہے:

* بدعت ہی خوارج کی بنیاد ہے، بلکہ یہ ان کے اصول میں شامل ہے۔
* روافض کی بھی یہی بنیاد ہے۔

دونوں فرقے کے لوگوں کو شیطان نے بہکایا، اور یہ ہر زمانے میں ہوتا آیا ہے، دشمنان دین اور دشمنان سنت مسلمانوں کے اندر اختلاف پیدا کرنے کے لئے اسی طرح کے واقعات کا استعمال کرتے ہیں، یہ سارے بدعتی فرقے امت مسلمہ کی پشت میں خنجر کی طرح ہیں۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الاعتصام'' کے اندر فرماتے ہیں: ''پھر اسلام میں لوگ کثرت سے آنے لگے، اور اس کا منہج ٹھیک ٹھاک رہا حیات نبوی میں بھی اور وفات نبوی کے بعد بھی، بلکہ صحابہ کے دور میں بھی، یہاں تک کہ بہت بعد میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے سنت سے خروج کیا اور گمراہ کن بدعتوں کو گلے لگا لیا۔ یہاں غور کرو: سنت سے خروج ہی گمراہ کن بدعتوں میں مبتلا ہونے کا سبب بنا، اور یہی شر وفساد کی بنیاد ہے– جیسے قدریہ اور خوارج کی

بدعت- جس سے خود حدیث پاک نے بایں الفاظ آگاہ کر دیا ہے: ''يَقْتُلُونَ أَهْلَ الإِسْلاَم، وَيَدَعُونَ أَهْلَ الأَوْثَان، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لاَ يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ''یعنی''وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔یعنی انہیں دین اسلام کی نہ تو سمجھ ہوگی اور نہ ہی اس پر عمل پیرا ہوں گے اور نہ ہی لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں گے۔''اور جیسا کہ ہم نے کہا یہی جماعت کی قوت اور اس کی بقاء کا سبب ہے: یعنی خیر کی طرف دعوت اور نیکی کا حکم اور منکر سے روکنا۔

پھر آگے کہا: پھر آگے چل کر فرقوں کی کثرت ہوتی گئی جیسا کہ صادق مصدوق -ﷺ- نے خبر دی ہے اپنے پاس اس قول کے ذریعے: ''اِفْتَرَقَتِ الْيَهُوْدُ''، پھر پوری حدیث بیان کی، آگے کہا: ''اور سنت کی مخالفت کرنے والا ہر بدعتی کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہے۔''یعنی جو بھی سنت کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے ہی منہج کی دعوت دیتا ہے، اور اسی کو پھیلاتا ہے، اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ہم ان کے ساتھ مل کر رہیں گے، بلکہ یہ کہیں کہ ہم ان کا علاج کریں گے اور انہیں سنت کی طرف بلائیں گے۔

پھر ایک لمبی گفتگو کے بعد آخر میں کہا: ''یہ سارے فرقے اپنی اکثریت کے باوجود عادت اور سماع کے اعتبار سے سنت کی مخالفت پر متفق نہیں ہیں۔''مقصد یہ ہے کہ حق اور سنت اس روئے زمین سے کبھی بھی چھپ نہیں سکتا، جیسا کہ میں نے افتتاحی کلام میں کہا ہے، ضروری ہے کہ سنت ہمیشہ باقی اور غالب رہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت بدعتوں کی کثرت کی وجہ سے ان کا غلبہ دکھائی دے، البتہ سنت ہمیشہ باقی رہے گی۔

آگے کہتے ہیں: ''بلکہ ضروری ہے کہ اہل سنت کی جماعت قائم رہے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے، گرچہ اس جماعت کی گمراہ فرقے مخالفت کرتے رہیں گے اور اس سے دشمنی اور بغض وحسد رکھیں گے۔''اور یہی حال ہے گمراہ فرقوں کی ہر زمانے میں: وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں مگر اہل سنت والجماعت کے خلاف متفق رہتے ہیں، ان کے دل انتشار کا شکار رہتے ہیں اور ان کے آراء وافکار مختلف ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود یہ اہل سنت والجماعت کے خلاف متفق ہوتے ہیں۔

آگے کہتے ہیں: ''اہل سنت کی جماعت ہمیشہ جہاد اور لڑائی میں رہتی ہے۔''اور اہل سنت والجماعت کی یہی پہچان ہے، یہ جہاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے، یہ قلم وزبان ہر ایک سے جہاد کرتے ہیں، حق کو ثابت کرتے ہیں اور باطل کی تردید کرتے ہیں، بدعتوں اور اہل بدعت پر رد کرتے ہیں، چنانچہ یہ برابر جہاد میں رہتے ہیں،

یعنی اپنے مخالفین کے خلاف، شب و روز محنت کرتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ عزّوجل انہیں اجر عظیم سے نوازتا ہے، اور یہی پہچان ہے اہل سنت والجماعت کی۔

*** اسی لئے میں برابر بھائیوں سے کہتا ہوں:** اگر بدعتی تمہارے بارے میں کلام نہ کریں تو خود کو دیکھو ضرور کوئی تمہارے اندر خلل ہوگا، منہج کی درستگی اور سلامتی کی دلیل یہی ہے کہ اہل بدعت آپ کے بارے میں کلام کریں، بلکہ میں نے یہ بات بھی کہی ہے مسئلے کو الٹ کر کہ اگر اہل بدعت آپ سے راضی ہیں تو اپنے اندر دیکھو، ممکن ہے وہ کسی وجہ سے راضی ہوں، کسی مقصد کی خاطر خوش ہوں، ورنہ تاریخ یہی کہتی ہے کہ اہل بدعت آج تک کبھی بھی علمائے سنت سے راضی نہیں ہوئے ہیں، بایں صورت اہل سنت صبر وثبات قدمی کے ساتھ جہاد کرتے رہتے ہیں۔

*** اہل سنت والجماعت کے بارے میں تفصیلی گفتگو آئے گی البتہ ابھی اختصار سے یہ کہتا چلوں کہ یہ دوسروں کے مقابلے علم اور عدل وعقل سے ممتاز ہوتے ہیں، چنانچہ اہل سنت اہل علم ہوتے ہیں تفصیلی طور پر، جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں:**

* اہل سنت کا کوئی بھی آدمی مثل کتاب کے ہوتا ہے جس کے اندر علم بھرا ہوتا ہے، کیونکہ یہ علم کا حریص ہوتا ہے اسی لئے اس کے پاس ہمیشہ علم پاؤ گے۔

* اور دوسرے بدعتی فرقوں کا کوئی بھی شخص مثل ڈھول کے ہوتا ہے، اسے بھاری بھرکم دیکھو گے مگر اس کے پاس کوئی علم نہیں ہوگا۔

بالکل یہی حال ہے اہل بدعت کا کہ خود کو بڑا بنا کر پیش کرتے ہیں: مفکر اسلامی کبیر، علامہ اور اس طرح کے دوسرے القاب، مگر جب گفتگو پر آتے ہیں تو سوائے زبان کے کچھ نہیں ملتا، چنانچہ وہ مثل ڈھول کے ہوتا ہے، جو دور سے دیکھنے میں بڑا سہانا لگتا ہے، اس سے آواز بھی بھاری بھرکم نکلتی ہے، مگر جب اسے توڑو گے تو اندر سے کھوکھلا نکلے گا، کوئی چیز اندر نہیں ملے گی، چنانچہ اہل سنت والجماعت سب کے مقابلے علم میں ممتاز ہوتے ہیں۔

بھائیو! اسی لئے علم سیکھیں، علم کو لازم پکڑیں، علم نقصان دہ چیزوں سے دور رکھتا ہے، نفع بخش چیزوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے، کیونکہ جو آدمی علم میں مشغول ہوتا ہے علم اسے نفع بخش چیز کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نقصان دہ چیز سے دور رکھتا ہے، اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگ جو مشکلات اور فتنوں میں مبتلا ہوتے ہیں وہ علم نہیں سیکھتے اور نہ ہی اسے طلب کرتے ہیں، اس کے پاس وقت ہوتا ہے، مگر انٹرنیٹ پر اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتا ہے، وہ ویب

سائٹ میں جا کر مختلف وادیوں میں گھومتا ہے یہاں تک کہ فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسی لئے بھائیو! اہل سنت والجماعت دوسروں کے مقابلے علم میں ممتاز ہوتے ہیں جیسا کہ اس پر تفصیلی گفتگو آئے گی ان شاء اللہ، اس لئے علم کو لازم پکڑو۔

*** عدل وانصاف کو بھی لازم پکڑو:** کیونکہ اہل سنت والجماعت اہل عدل ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اپنے مخالفین کے ساتھ بھی، لوگوں پر ظلم نہیں کرتے، بلکہ بسا اوقات آپ دیکھیں گے اہل سنت کا کوئی آدمی اس شخص کا بھی دفاع کرتا ہے جو اس کے خلاف بات کرتا ہے، لیکن جب اس کی طرف باطل کی نسبت کی جاتی ہے تو اپنا دفاع کرتا ہے، یعنی آپ کسی شیخ کو دیکھیں گے کہ وہ کسی شخص کے بارے میں کلام کرتے ہیں اس سے آگاہ کرنے کے لئے، کیونکہ وہ بدعتی ہوتا ہے، لیکن جب ان کی طرف باطل کی نسبت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں: مجھے اس کے بارے میں علم نہیں ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت اہل عدل ہوتے ہیں حتیٰ کہ اپنے مخالفین کے ساتھ بھی، پھر اپنوں کے ساتھ کیسے ہوں گے؟ بلاشبہ وہ اہل عدل اور اہل عقل ہیں۔

*** اہل سنت والجماعت کی صفات میں سے:** حکمت و دانائی اور عقلمندی ہے، نیز انجام پر نظر رکھنا ہے دوسروں کے برخلاف، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئے گی۔

*** یہاں ایک اہم مسئلے پر گفتگو کریں گے جس کی طرف میں نے افتتاحی کلام ہی میں اشارہ کر دیا ہے:** یعنی اہل سنت والجماعت کی سند یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے، چنانچہ یہ اپنا دین سلسلۂ نور کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں، دوسرے فرقوں کے برخلاف، کیونکہ یہ سارے فرقے عہد صحابہ کے بعد یا پھر عہد صحابہ کے آخر میں وجود میں آئے ہیں، جن میں کوئی صحابی نہیں ہے۔

یہ فرقے وجود میں آئے اور رسول اللہ ﷺ سے ان کا سلسلہ منقطع ہو گیا، ان کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچ سکتی سوائے دعویٰ کے، صوفی جھوٹے ہوتے ہیں، مسئلے کو بالکل الٹ کر بات کرتے ہیں، کہ ہمارے پاس اصلی سند ہے تمہارے پاس وہ سند نہیں ہے، ایک صوفی آ کر کہے گا: یہ عمامہ میں نے سند کے ساتھ حاصل کیا ہے، اور اس کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے واسطہ اور کبھی جبرئیل علیہ السلام کے واسطے اللہ عزّوجل تک پہنچا دیں گے، حالانکہ یہ اپنا سلسلۂ سند رسول اللہ تک کبھی نہیں پہنچا سکتے، ان کی سند صحابہ سے پہلے ہی منقطع ہو جاتی ہے بالفرض اگر ان کی سند ہو۔

*** دیگر فرقوں کے ساتھ اہل سنت والجماعت کا یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے:** اہل سنت والجماعت کی سند یقینی طور پر رسول

اکرم ﷺ تک پہنچتی ہے، جبکہ دوسرے فرقوں کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی بلکہ اس میں انقطاع ہوتا ہے۔

*** یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جماعتوں اور فرقوں کی طرف نسبت کرنا درست ہے؟**

اس سوال کا جواب تفصیل کے ساتھ شیخ سعد الحصین نے اپنی کتاب ''**حكم الانتماء للفرق والجماعات الاسلامية**'' میں دیا ہے، اصل کتاب شیخ بکر ابو زید- رحمہ اللہ- کی ہے، جو کہ مملکہ کے اندر کبار علماء کمیٹی کے ممبر ہیں، لیکن شیخ سعد الحصین نے اس کتاب کی تہذیب کی ہے، اور شیخ سعد الحصین کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں، ان شاء اللہ ہم اسی کتاب کی تشریح کریں گے، اور اس کے علاوہ بھی شیخ کی مزید کتابیں ہیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ کوئی دین بغیر جماعت کے قائم نہیں رہ سکتا، اور کوئی جماعت بغیر امام کے قائم نہیں رہ سکتی، اور کوئی امام بغیر سمع وطاعت کے نہیں ہوسکتا، چنانچہ یہ تینوں چیزیں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ بھائیو! یہاں ملاحظہ کریں، شیخ نے دینی اور بدنی دونوں جماعتوں کا بیان کیا ہے، کیونکہ کہا:

* (بلا جماعت کے کوئی دین نہیں)، اور یہی دینی جماعت ہے۔

* (بلا امام کے کوئی جماعت نہیں)، اور یہ دینی اور بدنی جماعت کو شامل ہے، چنانچہ دینی جماعت کے لئے امام اور علماء دونوں کا ہونا ضروری ہے، جبکہ بدنی جماعت کے لئے امام اور حاکم کا ہونا ضروری ہے۔

* (اور کوئی امام نہیں بغیر سمع وطاعت کے) اسی لئے علماء کہتے ہیں: جہاں شریعت نے علماء کو اختیار دیا ہے وہاں ان کی بات سنی جائے گی اور جہاں حاکم کو اختیار دیا ہے وہاں اس کی بات سنی جائے گی۔

شیخ نے آگے کہا: ''امت کے لئے دین اسلام ایک جسم کے مثل ہے، اور امامت اسی جسم کی حفاظت کے لئے ایک وسیلہ ہے دین و دنیا دونوں معاملے میں، اور دین اسلام ایک اکائی ہے جس کا کوئی جزء نہیں، چنانچہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ، اور ان کے آثار پر چلنے والے سب نے پورے اسلام کی طرف دعوت دی ہے نہ کہ اس کے بعض کی طرف بعض کو چھوڑ کر۔''

بھائیو! مقصود یہ ہے کہ اسلامی دعوت کامل اسلام کے لئے ہو، اور اس دعوت کی ابتداء اس اہم امر سے ہو جس کی طرف دعوت دینا سب سے پہلے ضروری ہے اور وہ توحید ہے، چاہے توحید باری تعالیٰ ہو یا اخلاق وفضائل کی دعوت ہو، اور ان شاء اللہ اس پر تفصیلی گفتگو آئے گی کہ دعوت الی اللہ سے متعلق اہل سنت کا کیا منہج ہے۔

آگے کہتے ہیں: ''مسلمانوں کی جماعت نبوی منہج پر ہوتی ہے اسے کوئی مشارکت اور تقسیم برداشت نہیں''، یعنی یہ

ایک جماعت ہے مختلف جماعت نہیں۔" چنانچہ نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت سے وفات تک، پھر صحابہ کرام، پھر تابعین وغیرہ سلف صالحین کی دعوت یہی تھی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہو جو توحید کا علم بلند کرنے والی ہو"، یعنی اہل سنت والجماعت کی دعوت اللہ کی طرف ہوتی ہے، جبکہ دیگر فرقوں کی دعوت خود اسی فرقے کی طرف ہوتی ہے۔

بھائیو! یعنی اہل سنت والجماعت خود اپنی طرف دعوت نہیں دیتے، بلکہ یہ حکمت و بصیرت کی روشنی میں اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، جبکہ دوسرے تمام فرقے خود اپنی اپنی طرف دعوت دیتے ہیں، اسی طرح اخوان المسلمین کی جماعت ہے جس کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کریں گے، اور دلائل کی روشنی میں اس کے خطروں سے آگاہ کریں گے، تاکہ ہمارے بعض ساتھی دھوکے میں نہ رہیں، کیونکہ یہ ایسی جماعت ہے جو اس کا ساتھ دے اسی کو اچھا سمجھتی ہے اور جو اس کی مخالفت کرے اسے اچھا نہیں سمجھتی، گرچہ وہ اللہ کے بندوں میں سب سے نیک اور متقی ہو، جیسا کہ ان کی کتابوں میں موجود ہے، اور اسی طرح تمام فرقوں کا حال ہے، جبکہ اہل سنت والجماعت صرف اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

شیخ آگے کہتے ہیں: "اور نبی اکرم ﷺ نے بیان کیا کہ یہی لوگ مسلمان ہیں، اور یہی لوگ طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ سے تعلق رکھتے ہیں، انہیں سلف صالح کہتے ہیں، یعنی جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کے منہج پر ہیں دین اور دعوت دونوں میدان میں، انہیں کو لازم پکڑنے کا حکم ہے اور ان سے جدائی اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔"

پھر شیخ نے دیگر فرقوں اور ولاء و براء سے متعلق گفتگو کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "مسلمانوں پر ایک ہی جماعت کو لازم پکڑنا ضروری ہے، یعنی دین کے اندر، اور دیگر فرقوں اور اختلاف سے دور رہنا بھی ضروری ہے، اور یہ کہ فرقہ بندی گمراہی ہے ضروری ہے کہ اس سے روکا جائے اور لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔"

جب یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی جماعت کا ہونا ضروری ہے اور باقی فرقے گمراہی میں ہیں، تو ایسی صورت میں واضح ہوا کہ یہ واحد جماعت:

* صحابہ اور ان کے منہج پر چلنے والے لوگ ہیں۔

* یا یہ کہیں کہ یہ صحابہ کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں۔

اگر ہم یہ کہیں گے کہ اس سے مراد غیر صحابہ ہیں، تو اس سے باطل اور منکر عظیم لازم آئے گا، کیونکہ اس سے ثابت ہوگا کہ صحابہ کرام گمراہ تھے نعوذ باللہ، کیونکہ یہ مسئلہ حق اور باطل کا ہے، یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی، منکر عظیم اور باطل ہوگا،

چنانچہ متعین طور پر ہمیں یہ کہنا پڑے گا جس واحد شرعی جماعت کو لازم پکڑنا ضروری ہے اس سے مراد وہی جماعت ہے جس پر صحابہ تھے، یہ ہم اس صورت میں بھی کہہ سکتے تھے جب اس کے لئے کوئی نقلی دلیل نہ بھی ہوتی، مگر جبکہ اس کے لئے نقلی دلیل موجود ہے تو پھر کیا حال ہوگا؟

یہیں سے ہمیں منہج سلف کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، جسے ہمیں سیکھنا ضروری ہے، اور یہ کہ ہم اس کو لازم پکڑیں گے جس پر سلف تھے، اور اسی کی طرف دعوت دیں، کیونکہ یہ اسی جماعت کی دعوت ہے جسے لازم پکڑنا ضروری ہے، اور اسی سے دینی جماعت متحقق ہوتی ہے، اور اسی کے بارے میں آئندہ دروس کے اندر تفصیلی گفتگو ہوگی، جن کے اندر منہج سلف کو ثابت کیا جائے گا، اور مخالف فرقوں اور ان کے اندر موجودہ دور کے موثر شخصیات کا انکشاف کیا جائے گا ان شاءاللہ۔

اور جیسا کہ میں نے افتتاحی کلام کے اندر بیان کیا تھا:

* ہمارے پاس چار مجلسیں ہوں گی اور پہلی نشست کا حصہ ہوں گی، ہر دن چار دنوں کی مدت کے حساب سے ہوگا۔(منہج سلف کے متعلق باتیں ہوں گی)

* پھر چار مجلسیں ہوں گی، اور یہ دوسری نشست ہوگی جس کے اندر موجود مخالف فرقوں کا تذکرہ ہوگا، فی الواقع ہم تین فرقوں کے بارے میں گفتگو کریں گے، اخوان المسلمین، تبلیغی جماعت اور داعش کے بارے میں، اور داعش حقیقت میں اخوان المسلمین ہی کی پیداوار ہے، لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اس پر الگ سے گفتگو کریں گے ان شاءاللہ۔

* پھر چار مجلسیں ہوں گی، اور یہ تیسری نشست ہوگی۔

اور میں نے ساتھیوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ پہلا درس شام کے وقت چار بج کر پینتالیس منٹ پر شروع کیا جائے، ایسا کیوں؟ تاکہ ہم پہلے درس سے چھ بج کر پندرہ منٹ پر فارغ ہوجائیں، پھر مغرب کی تیاری کریں، مغرب سے فارغ ہونے کے بعد سات بجے دوسرا درس شروع ہوجائے، تاکہ بیچ میں طویل فراغت نہ رہے، ایسا میں نے وقت کی مصلحت میں کہا تھا۔

* شام کے وقت جو پہلا درس ان شاءاللہ چار بج کر پینتالیس منٹ پر شروع ہوگا وہ (اصول سلف) کے موضوع پر ہوگا، اس تعلق سے ہم تفصیل کے ساتھ بہت سارے اصول بیان کریں گے، اسی لئے اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے چار مجلسوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

* پھر آخری درس ان شاء اللہ (اسلام کو بدنام کرنے والی شخصیات) کے موضوع پر ہوگا، اس میں اپنی طرف سے کوئی انشائی اور ادبی کلام نہیں ہوگا بلکہ ہر چیز کو شواہد اور دلائل کے ساتھ مع جزء اور صفحہ کے پیش کیا جائے گا تا کہ ہم علم و بصیرت کی روشنی میں محتاط رہیں اور دوسروں کو آگاہ رکھیں۔

* آخری دن دو مجلسیں ہوں گی، ایک صبح کے وقت اور آخری مجلس عصر کے وقت، اور ان تمام مجلسوں میں خیر و بھلائی اور نفع بخش امور پیش کئے جائیں گے ان شاء اللہ۔

اللہ ہمیں توفیق دے کہ یہ علمی دورہ نفع بخش اور ممتاز بنے، اور آنے والے علمی دوروں کی بنیاد ہو جائے، آج کا دن تمہیدی ہے، اگلے دروس میں ہمارا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر مجلس میں ایک گھنٹہ دس منٹ گفتگو کریں گے، پھر بیس منٹ سوال و جواب کے لیئے ہوگا، اور یہ ہر مجلس میں ہوگا یہاں تک کہ ہم دورہ سے فارغ ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔

ان کے علاوہ دو کھلی نشستیں ہوں گی، ان کے اندر بھی سوال و جواب اور علمی مباحثہ ہوں گے، یقینی طور پر آپ لوگ طالب علم اور داعی ہیں، ان شاء اللہ ہم ایک دوسرے سے علمی استفادہ کریں گے۔

فطری طور پر ہم اتنے ہی سوالات کا جواب دے پائیں گے جتنا ہمارے لئے وقت کافی ہوگا، باقی سوالات کے جوابات کھلی مجلسوں میں ہوں گے ان شاء اللہ۔

سوالات

***سوال: دعوت کے میدان میں اکابر یا اصاغر کا کیا ضابطہ ہے؟**

ساتھیو! پہلی والی بات یہ کہ یہاں اکابر کی جو صفت آئی ہے وہ بطور تفضیل کے ہے نہ کہ اصاغر کی تنقیص کے طور پر، چنانچہ جب ہم اصاغر کہتے ہیں تو اس سے مذمت اور تنقیص مراد نہیں ہوتی، بلکہ تفاضل مراد ہوتا ہے، یعنی اکابر افضل ہیں اصاغر سے، اور ہر ایک کے اندر خیر ہے، ہر چھوٹے کو بڑا ہونا ہے، اور ہر بڑا اپنے سے بڑے کے مقابلے میں چھوٹا ہوتا ہے، یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے، کیونکہ بعض لوگ اصاغر کی اصطلاح سے کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، اور کہنے لگتے ہیں: میں کیسے چھوٹا ہوں میں تو طالب علم ہوں؟ جبکہ یہ مذمت نہیں ہے بلکہ تفاضل کی صورت ہے، اور یہ تفاضل بھی نسبی اور اضافی ہے نہ کہ حتمی۔

*** پھر آخر یہ اکابر اور اصاغر کا ضابطہ اور اصول کیا ہے؟**

سلف کے کلام میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کبیر کے اندر حقیقت کے اعتبار سے دو چیزیں جمع ہیں:

* کِبَر سنّی یعنی درازئ عمر۔

* کِبَر علمی یعنی زیادتی علم۔

اس طرح وہ علم میں بڑا ہوتا ہے اور ساتھ ہی علم میں بھی بڑا ہوتا ہے، اس اعتبار سے وہ کبیر ہے، اور چونکہ ان دونوں فضیلتوں کو ایک ساتھ اکٹھا کر لیا ہے اس لئے اکرام واجلال کا مستحق ہے:

* درازئ عمر: چنانچہ اس نے دین اسلام کو تم سے پہلے سیکھا اور رچا نا، اور اللہ کی عبادت بھی تم سے پہلے کی۔

* دوسری چیز علم میں اضافہ ہے۔

اور تم سے دونوں چیزیں اکرام واجلال کا تقاضہ کرتی ہیں، ارشاد نبوی ہے: ’’**اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللهِ اِكْرَامَ ذِی الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ**‘‘ ترجمہ: ’’معمر اور سنّ رسیدہ مسلمان کی اور حافظ قرآن کی جو نہ اس میں غلو کرنے والا ہو، اور نہ اس سے دور پڑ جانے والا ہو، کی عزت وتکریم دراصل اللہ کے اجلال وتکریم ہی کا ایک حصہ ہے۔‘‘

علماء نے کہا ہے: معمر اور سنّ رسیدہ مسلمان کی عزت اور تکریم کی جائے گی، اور اس کی عزت وتکریم دراصل اللہ کے

اجلال وتکریم ہی کا ایک حصہ ہے، کیونکہ اس نے اللہ کی عبادت اپنے سے چھوٹوں کے مقابلے بہت پہلے سے شروع کر دی ہے، اور حامل قرآن یعنی حافظ قرآن سے مقصود عالم ہے، اسی لئے آگے کہا: جو نہ اس میں غلو کرنے والا ہو، اور نہ اس سے دور پڑ جانے والا ہو، اور یہ چیزیں علماء ہی سے ممکن ہیں، اس طرح ایک عالم نے عزت وتکریم کی دونوں خصلتوں کو جمع کرلیا ہے۔

پھر اس فضیلت میں علم کی زیادتی آئے گی گرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہو، پھر بھی وہ اس اعتبار سے اکابر میں شمار ہوگا، چنانچہ جو کتاب وسنت کے علم میں معروف ہو اور لوگ اس کے علم کی گواہی دیں، تو وہ اکابر میں سے ہے گرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، لیکن یہ کون ہوگا؟ جو خود اپنے لئے گواہی دے، کچھ القاب لکھ کر سوشل میڈیا میں ڈال دے، دو چار کتابیں لکھ کر انٹرنیٹ میں ڈال دے؟ بہت پہلے سعودی عرب کے پڑوس ہی میں ایک شخص نے ایسا کیا تھا کہ خود کتاب لکھ کر اس پر شیخ علامہ کے القاب کے ساتھ نشر کیا تھا خود کو بڑا بنا کر پیش کرتے ہوئے، یہ علماء کی روش کے خلاف ہے، ایسا نہیں ہونا چاہئے، جسے علماء جانتے ہوں، اس کے علم کی گواہی دیتے ہوں اور وہ حقیقت میں علم کا دریا ہو، تو وہ گرچہ عمر میں چھوٹا ہے اکابر میں شمار ہوگا۔

اور ہمارا یہ کہنا ہے کہ اصاغر میں سے ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حقیر یا قابل مذمت ہے، کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عمر میں بڑا ہوتا ہے جبکہ حصول علم کے اعتبار سے چھوٹا ہوتا ہے، اس لئے اس کا علم کم ہوتا اور اس کے مقابلے میں دوسرے کا علم زیادہ ہوتا ہے۔

اس طرح عزت واکرام کے تین مراتب ہوئے جب تک کہ وہ سنت پر قائم ہے:

* پہلا مرتبہ: علم وعمر دونوں میں بڑا ہو، اور یہی اصل ہے، اور سلف کے نزدیک اکابر سے عام طور پر یہی مراد ہوتے ہیں۔

* دوسرا مرتبہ: علم میں بڑا ہو گرچہ عمر میں چھوٹا ہو۔

* تیسرا مرتبہ: عمر میں بڑا ہو لیکن علم میں کم ہو۔

مجموعی اعتبار سے تینوں میں خیر ہے۔

مصطلحات کی تعریف

الحمدُ للهِ ربِّ العالَمِين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتَمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين.

حمد وثناء کے بعد!

اس علمی ملاقات پر میں اللہ عزّ وجل کا شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ میرا رب اسے مبارک بنائے، اور اسے دنیا و آخرت ہر جگہ انجام کار کے اعتبار سے خیر و برکت کا ذریعہ ثابت کرے۔

بروز منگل کی مجلسوں میں سے یہ پہلی مجلس ہے جس کا عنوان ہے: ''سلف صالحین کا منہج''، اس مجلس میں ہم منہج سلف اور اس سے متعلق تمام مباحث کی معرفت حاصل کریں گے۔

*سب سے پہلے مصطلحات کی تعریف پیش کریں گے: ہمارے پاس ایک کلمہ منہج ہے، اور دوسرا سلف، چنانچہ منہج کیا ہے؟

سلف کون ہیں، اور سلفیت کیا ہے؟ اور ہم منہج سلف سے کیا مراد لیتے ہیں؟ یہ وہ امور ہیں جن کا جاننا ہمارے لئے ضروری ہے۔

ہم سب سے پہلے منہج سے شروع کرتے ہیں:

***منہج**: اس کا معنیٰ لغت میں بھی ہوتا ہے اور علماء کی اصطلاح میں بھی، شیخ محمد امان جامی رحمہ اللہ جو کہ اس زمانے میں سلفی دعوت کے کبار مشائخ میں شمار ہوتے ہیں، اور ان مشائخ میں شمار ہوتا ہے جنہیں ہم نے پایا کہ وہ اپنے طلبہ کی تربیت سلفی منہج پر بہت عمدہ بابرکت طریقے سے کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

***منہج لغت میں**: واضح راستے کو کہتے ہیں، تم کہتے ہو: ''نَهَجَ يَنْهَجُ نَهْجًا'' باب فَتَحَ سے، اور ''نَهَجَ يَنْهِجُ'' باب ضَرَبَ سے، واضح ہونے کے معنیٰ میں، اور ''نَهَجَ الطَّرِيْقُ'' اس وقت کہتے ہو جب راستہ بالکل واضح ہو، اور کہتے ہو: ''نَهَجَ فُلَانٌ نَهْجَ فُلَانٍ'' یعنی فلاں فلاں کے منہج پر ہے، جب کوئی کسی کے راستے پر چلے۔

اس طرح منہج کا معنیٰ واضح راستے کے ہوا، اور نہج کہتے ہیں اسی راستے پر چلنے کو، یہ هوالغوی معنیٰ۔

***منہج اصطلاح میں**: لغوی معنیٰ کے قریب تر ہے، شیخ محمد امان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''منہج اصطلاح میں کہتے ہیں:

اس واضح راستے کو جس پر شروع کے مسلمان چلے ہیں اپنے دین کے اندر عقیدہ، شریعت، سلوک، اخلاق اور زندگی کے تمام شعبوں میں۔" گویا اصطلاح میں منہج اس سیدھے اور واضح راستے کو کہتے ہیں جس پر صدر اسلام کے مسلمان چلے ہیں، جیسا کہ اللہ عزّ وجل نے بیان کیا ہے: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ﴾ [انعام: ۱۵۳] ترجمہ: "اور یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔"

یہی نعمت کا راستہ ہے، اور انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے جو علم وعمل سے متصف ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝٦ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ [فاتحہ: ۶-۷] ترجمہ: "ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔"

ہم شب وروز اس دعا کو وجوبی طور پر سترہ مرتبہ یا اس سے زیادہ بار پڑھتے ہیں۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ: ہم نماز پڑھتے ہیں، اس طرح ہم سیدھے راستے پر ہیں، پھر دعا کیوں کرتے ہیں: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (سورہ فاتحہ: 6) ترجمہ: "ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ کیونکہ اس منہج میں ہمیں تین چیزوں کی ضرورت ہے:

* پہلی چیز: علم۔

* دوسری چیز: سلوک۔

* تیسری چیز: ثبات قدمی۔

اور منہج سلف جو کہ واضح سیدھا راستہ ہے اس کے اندر بھی ہمیں تین چیزوں کی ضرورت ہے:

1- اس کا علم۔

2- اس پر چلنا اور عمل کرنا۔

3- ثابت قدمی پایا جانا۔

کتنے مسلمان ہوں گے جنہیں اس منہج کے بارے میں پتہ ہی نہیں ہوگا، کیونکہ ممکن ہے انہیں اس کے لئے علم ہی میسر نہ ہو، کوئی سکھانے والا نہ ملا ہو، یا ممکن ہے علم ہو مگر اس کے لئے جس منہج سلف کی ضرورت ہے وہ میسر نہ ہو، مثلاً:

ابن حزم ظاہری ایک بڑے عالم دین ہیں، فقہ میں ظاہری ہیں، غلو کی حد تک نصوص کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں، پھر بھی عقیدہ میں مضطرب ہیں، چنانچہ اسماء وصفات میں کبھی تو ثابت کرتے ہیں اور کبھی انکار کرتے ہیں، اور کبھی تاویل کرتے ہیں، ایسا کیوں؟ کیونکہ اس راستے کے منہج کو سکھانے والے کی انہیں توفیق نہیں ہوئی، اس لئے منہج سلف سے واقفیت بہت ضروری ہے۔

- ہم نے کہا کہ انسان کبھی اس منہج سے ناواقف ہوتا ہے، کبھی تو اس علم کی توفیق نہیں ہوتی، اسے کوئی سکھانے والا نہیں ملتا۔

- یا تو وہ خود سیکھنے سے اعراض کرتا ہے، اس منہج کو سیکھنا نہیں چاہتا۔

اس لئے علم ضروری ہے۔

* دوسری چیز: سلوک اور عمل ہے، کتنے ایسے لوگ آپ کو ملیں گے جو اس منہج کو جانتے ہیں مگر اس پر چلتے نہیں، سلوک وعمل کے لئے تیسری چیز کی ضرورت: یعنی ثبات قدمی کی ہے، کیونکہ انسان جب تک با حیات ہے اس کے تعلق سے فتنے میں مبتلا ہونے سے مامون نہیں رہا جاتا، اس تعلق سے ہمیشہ آگاہ رہو، فتنے سے انسان مامون نہیں رہتا، ابراہیم علیہ السلام کے بعد کون ہے جو مامون ہے؟ جبکہ انہوں نے دعا کرتے ہوئے کہا: ﴿وَٱجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ ٱلْأَصْنَامَ﴾ [ابراہیم: ۳۵] ترجمہ: ''اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔''

اس کے باوجود آپ فتنوں سے محفوظ نہیں رہ سکے، پھر دوسرا کیسے رہ سکتا ہے؟ اسی لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ ثبات قدمی کی دعا کریں اور اس کے لئے تمام وسائل اختیار کریں۔

اس طرح ہم جس منہج کی بات کر رہے ہیں اس کا ضابطہ یہی آیت ہے: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِي مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ﴾ [انعام: ۱۵۳] ترجمہ: ''اور یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو۔''

اور اس کی حد اللہ کا یہ قول ہے: ﴿ٱهْدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ﴾ [فاتحہ: ۶-۷] ترجمہ: ''ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔''

اور ہم نے یہ کہا: کہ اس بارے میں علم ضروری ہے، کیونکہ جسے اس کا علم نہیں وہ اس راستے سے بھٹک جائے گا، اور جسے علم ہے مگر عمل نہیں کیا تو وہ غضب اٹھانے والوں کے راستے پر ہوگا، اسی لئے اس دعا کے آخر میں یہ آیا

ہے:﴿ ٱهۡدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ ۝٦ صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ ٱلۡمَغۡضُوبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ ﴾[فاتحہ:٦-٧] ترجمہ:''ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔''

اس کا تعلق منہج سے ہے، یعنی:

* جس کا معنیٰ ہم نے لغت میں جانا۔

* جس کا معنیٰ ہم نے اصطلاح میں سمجھا۔

* جس کا ضابطہ اور جس کے حدود کو ہم نے نص کے ذریعہ سمجھا۔

اب ہم سلف کے لفظ کی طرف آتے ہیں: سلف کا کیا معنیٰ ہوتا ہے لغت اور اصطلاح میں؟

شیخ محمد امان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''سلف لغت میں سَلَفَ سے ماخوذ ہے، جو قدامت اور گزر جانے پر دلالت کرتا ہے، اسی سے سلف ان لوگوں کو کہتے ہیں جو گزر چکے''۔ یعنی معنیٰ شیخ نے ابن فارس کی کتاب ''مقاييس اللغة'' سے لیا ہے، جو کہ لوگوں کے نزدیک ''معجم مقاييس اللغة'' سے مشہور ہے، اور کتاب کے نام میں معجم کا لفظ زائد ہے، حقیقت میں یہ کتاب کا نام نہیں، لیکن مطبوع اسی نام سے ہے، ورنہ کتاب کا اصل نام ''مقاييس اللغة'' ہے۔

چنانچہ سلف کا معنیٰ ہوا: وہ لوگ جو گزر چکے اور سبقت لے گئے، کیونکہ سلف کا لفظ سبقت اور تقدم پر دلالت کرتا ہے، اور قوم سلف کہتے ہیں متقدمین کو، جس کی جمع اسلاف اور سُلاف آتی ہے۔

ساتھیو! کتابوں میں آپ سلف سین کے زبر کے ساتھ اور سین کے زیر کے ساتھ دونوں دیکھتے ہوں گے:

سَلف سین کے زبر کے ساتھ وہی ہے جس کا معنیٰ گزر چکا ہے۔

اور سِلف سین کے زیر کے ساتھ یا سِلْف سین کے زیر اور لام کے سکون کے ساتھ ایک جگہ ہے، جس کی طرف بعض علماء منسوب ہیں، چنانچہ ایسے شخص کو سِلفی کہتے ہیں۔

مثلاً عبدالرحمٰن بن عبداللہ السَلَفی، جو کہ ایک معروف محدث ہیں، اسماعیل بن عباد السِلفی، دونوں میں فرق ہے، یہ ہم نے اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ طلبہ آگاہ رہیں۔

دلیل یہ ہے کہ سلف کے سارے معانی تقدم اور گزر جانے پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ سالف اس شخص کو کہتے ہیں جو آپ سے سبقت لے جائے اور آپ سے پہلے گزر چکا ہو، اس طرح جو آپ سے سبقت لے جائے اور آپ سے پہلے گزر

چکا ہو اسے سالف کہتے ہیں، اور ہر وہ شخص جو گزر گیا ہے وہ سلف ہے جیسا کہ اللہ عزّوجل کے اس قول میں ہے:
﴿وَأَن تَجۡمَعُواْ بَيۡنَ ٱلۡأُخۡتَيۡنِ إِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ﴾ [نساء: ۲۳] ترجمہ: ''اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو گزر چکا''۔ یعنی اس حکم میں جو پہلے گزر چکا ہے۔

*سلف اصطلاح میں: اس لفظ کے کئی اطلاق ہیں:

* ایک عام اطلاق۔

* اور ایک خاص اطلاق۔

* اطلاق عام: اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو علمائے اہل سنت میں پہلے گزر چکا ہو، ایسے شخص کو سلف کہیں گے، اور یہ معنیٰ عام ہے، چنانچہ اس معنیٰ میں شیخ البانی رحمہ اللہ سلف ہیں، شیخ ابن باز رحمہ اللہ سلف ہیں، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ ہمارے لئے سلف ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ سلف ہیں، امام احمد رحمہ اللہ سلف ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہمارے سلف ہیں، شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ ہمارے سلف ہیں، شیخ الاسلام ابن قیم رحمہ اللہ ہمارے سلف ہیں، یہ سب اسی عام معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔

* اطلاق خاص: اسی سے ہماری یہ مراد ہے: منہج سلف صالح، کیونکہ یہ خاص معنیٰ کے اعتبار سے ہے، یہ ایک زمانے کے ساتھ خاص ہے، بعض علماء نے اسے صرف صحابہ کے زمانے تک خاص کر دیا ہے، اور کہا: سلف صرف صحابہ ہیں، دوسرے لوگ جو ان کے راستے پر چلتے ہیں انہیں اَتباع السلف کہتے ہیں۔

اس طرح اصطلاحی اعتبار سے اس معنیٰ میں لوگ تین طرح کے ہیں:

1-سلف۔

2-اَتباع السلف۔

3-خلف۔

*سلف: یہ صحابہ کرام ہیں۔

* اَتباع السلف: یہ وہ لوگ جو صحابہ کے راستے پر اچھے طریقے سے اب تک چلے آرہے ہیں۔

*خلف: یہ وہ لوگ ہیں جو صحابہ کے راستے کی مخالفت کرتے ہیں، ہر اعتبار سے یا کچھ اعتبار سے، یعنی یا تو صحابہ کی مخالفت اکثر کلی اعتبار سے کرتا ہو یا جزئی اعتبار سے، انہیں کو خلف کہتے ہیں۔

اور بعض علماء نے کہا: اس سے قرن اول کے لوگ مراد ہیں، یعنی صحابہ اور جن کی ملاقات ایمان کی حالت میں صحابہ سے ہوئی ہو، اس طرح وہ صحابہ اور تابعین ہوئے، چنانچہ سلف وہ لوگ ہیں جن کی ملاقات نبی اکرم ﷺ سے ہوئی ہے ایمان کی حالت میں اور اسی حالت میں وفات بھی ہوئی ہے، اور اسی طرح صحابہ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کیا ہو اور اسی پر وفات ہوئی ہو۔

اور بعض اہل علم نے کہا: اس سے مراد پہلے کی تین صدیوں کے لوگ ہیں، کیونکہ ان تین صدیوں کی فضیلت نبی اکرم ﷺ نے بیان کی ہے: ''خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ'' ترجمہ: ''بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر وہ جو اُن سے نزدیک ہیں، پھر وہ جو اُن سے نزدیک ہیں۔''

اس طرح سلف سے مراد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سب ہوں گے، لیکن بعد کے لوگوں کو صحابہ کی موافقت کی شرط لگائی جائے گی، یعنی تابعین میں سے جو صحابہ کے منہج پر ہوگا، اور فرقوں کا ظہور بھی ہو چکا تھا، تو کیا وہ خوارج جو صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے اور صحابہ سے ملاقات بھی کی ان کا شمار سلف میں ہوگا؟ بالکل نہیں، وہ سلف نہیں ہیں، کیونکہ وہ صحابہ کے منہج پر نہیں چلے، بلکہ صحابہ سے انہوں نے قتال کیا، اسی طرح قدریہ بھی ہیں۔

اس طرح جو صحابہ کے بعد ہیں ان کے لئے یہ شرط لگائی جائے گی کہ وہ صحابہ کے موافق ہوں، اور صحابہ سب کے سب سلف ہیں، مطلق طور پر بغیر کسی قید کے، جبکہ تابعین اور تبع تابعین سلف ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کا منہج صحابہ کے منہج کے مطابق ہو۔

اور بعض علماء نے اس کی تحدید میں مزید قید لگاتے ہوئے کہا کہ جو لوگ پانچویں صدی ہجری سے پہلے کے ہیں وہ سب سلف ہیں لیکن یہ غلو ہے۔

میرے نزدیک واللہ اعلم: سلف سے مراد صحابہ ہیں، اور تابعین اور تبع تابعین اتباع سلف میں سب سے بہتر ہیں، یعنی وہ لوگ جنہوں نے صحابہ کی موافقت کی ہوگی، اور یہ بھی ہمارے لئے نمونہ ہیں، ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ منہج سلف کے بارے میں گفتگو آئے گی۔

***متقدمین اور متاخرین ائمۂ سلف کے کلام سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:**

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک سنت کے اصول یہ ہیں کہ اس منہج کو مضبوطی سے تھام لیا جائے جس پر صحابہ رسول اللہ ﷺ قائم تھے، اور اس کی پیروی کی جائے۔

علامہ سفارینی کہتے ہیں: مذہب سلف سے مراد وہ منہج ہے جس پر صحابہ کرام تھے، اور جن کی اقتداء کی بعد کے نمایاں تابعین اور تبع تابعین نے بھلے طریقے سے، اور وہ ائمہ دین بھی جن کے منہج پر قائم تھے جنہوں نے دین کے اندر بہت نام کمایا اور جن کا نمایاں کارنامہ ہے، اور لوگوں نے جن کے کلام کو لیتے آئے ہیں۔

اس طرح ہم نے جانا کہ اصطلاح میں سلف:

* کبھی عام معنیٰ کے لئے آتا ہے۔

* اور کبھی خاص معنیٰ کے لئے آتا ہے۔

***سلف عام معنیٰ میں:** ہم سے پہلے علماء اہل سنت میں سے جو بھی گزرے ہیں صحابہ تک، وہ سب سلف ہیں، اس بنیاد پر آپ کہہ سکتے ہیں: سلف نے اس طرح کہا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس طرح کہا، اور یہ دو طرح سے صحیح ہے:

* **پہلی وجہ:** عام معنیٰ کے اعتبار سے وہ سلف میں سے ہیں، اور یہی اس کا اصطلاحی صحیح معنیٰ ہے۔

* **دوسری وجہ:** شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سلفیوں کی طرح اپنے سے پہلوں سے نقل کرتے ہیں، اور جو اُن سے پہلے کے علماء ہیں وہ اپنے سے پہلے کے صحابہ سے نقل کرتے ہیں۔

میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں، کیونکہ کچھ لوگ اس وقت بہت ہی خطرناک قسم کے ہیں، کتابیں لکھ کر دوسروں سے موافقت لیتے ہیں، جس سے ان کا مقصد ان اصولوں میں شک پیدا کرنا ہوتا ہے' جنہیں ہم نے سیکھا اور منہج سلف صالح سے حاصل کیا ہے، بظاہر وہ منہج سلف کی مخالفت نہیں کرتے، لیکن وہ جدید طریقے سے چاہتے ہیں کہ منہج سلف سے متعلق ہمارا رویہ بدل جائے، اس وقت مارکیٹ میں ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، انہیں میں سے کوئی فہم سلف کے التزام کے وجوب پر لکھے گا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ فہم سلف صالح کے مطابق فہم نصوص کے قاعدے کو منہدم کر دینا چاہتا ہے۔

ان کے شک پیدا کرنے والے اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے: معاصر سلفی حضرات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ سے اقوال نقل کرتے ہیں جبکہ وہ سلف میں سے نہیں ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی سلف میں سے ہیں، اور یہ دو وجوہ سے ہے:

* **پہلی وجہ:** عام معنیٰ کے اعتبار سے۔

* اس معنیٰ میں کہ سلفیوں کے بارے میں جو معروف ہے کہ یہ بدعتی نہیں ہوتے، یہ متقدمین کے صرف اقوال نقل کرتے ہیں، اور جب کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو انہیں متقدمین سلف صالح کے اصولوں کی روشنی میں اس مسئلے

کے اندر اجتہاد کرتے ہیں۔

جب ہم نے یہ سمجھ لیا تو اب منہج سلف کی طرف منتقل ہوتے ہیں کہ اس سے کیا مقصود ہے، اور یہ کہ فہم سلف صالح کے مطابق فہم نصوص واجب ہے:

* **منہج سلف سے مقصود اور فہم نصوص کے لئے اسے وجوبی طور پر لازم پکڑنا:** وہ منہج جس پر تمام متقدمین سلف تھے نہ کہ چند لوگ، یا جس پر ان کا اجماع رہا ہو نہ کہ جس سے اختلاف کیا ہو، اور جس پر ان کا اجماع ہوا ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

* **پہلی صورت:** یہ کہ سب کی طرف سے اس کی صراحت آئی ہو، اس کی مثال: عقیدہ ہے، کہ تمام سلف نے معروف سلفی عقیدے کی صراحت کی ہے، اور تمام سلف اسی عقیدے پر تھے، کیونکہ سلف کے معلوم اقوال یہی صراحت کرتے ہیں کہ قرآن کلام اللہ ہے مخلوق نہیں ہے، اور جو اسے مخلوق کہے وہ کافر ہے۔

* **دوسری صورت:** یہ کہ کسی ایک کی طرف سے یا بعض کی طرف سے اس کی صراحت آئی ہو، لیکن کوئی اس کی مخالفت نہ کرے، مطلب کسی چیز کا علم ہمیں سلف کے ذریعے ان میں سے کسی ایک کی طرف حاصل ہو جیسے صحابہ، یا کچھ لوگوں کی طرف سے جیسے تین چار لوگوں کی طرف سے، لیکن ان کا کوئی مخالف نہ ہو۔ یہی وہ سلفی منہج ہے جس کی اتباع ضروری ہے، اور یہی اجماع سکوتی ہے، اور یہ بلاشبہ صحابہ کے زمانے میں حجت تھا، دو وجہ سے:

* **پہلی وجہ:** بے شک تمام صحابہ متحد تھے، دینی معاملات میں ان کا آپسی کوئی اختلاف نہیں تھا، برخلاف بعد کے لوگوں کے کہ ملکوں اور شہروں کی کثرت سے لوگ جگہ جگہ پھیل گئے اور آپس میں بٹ گئے۔

* **دوسری وجہ:** صحابہ حق بات کہنے والے تھے، وہ جب کوئی باطل سنتے تو فوراً اس کی نکیر کرتے تھے، چنانچہ اگر ان میں سے کوئی کسی امر کی مخالفت نہ کرے تو ہمیں یہ یقین ہوتا ہے کہ یہی ان کا منہج ہے جسے اجماع سکوتی کہتے ہیں۔

اور جن چیزوں میں انہوں نے اختلاف کیا انہیں دلیلوں کی روشنی میں دیکھا جائے گا، ان میں سے کسی کا قول کسی کے خلاف حجت نہیں ہوسکتا، بلکہ دلیلوں کی طرف لوٹایا جائے گا، چنانچہ دلیلوں کی روشنی میں جس کا قول راجح ہوگا وہی سلفی منہج ہوگا۔

اور ساتھیو! جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو جب ہم دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ معاملات چند حالات سے خالی نہیں:

* **پہلی حالت:** یہ کہ صحابہ نے اس معاملے میں کلام کیا ہو اور سب کا اتفاق بھی ہو، ایسی صورت میں اس کی اتباع کرنا

ہم پر واجب ہے، اس کے برخلاف کوئی نئی بدعت ایجاد کرنا جائز نہیں ۔

اس کی ایک مثال پیش ہے: یہ کہ صحابہ کسی آیت کی تفسیر پر متفق ہوں، اور اس وقت جب ہم اس آیت کا معنیٰ دیکھنے کے لئے سلف کی تفاسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو پاتے ہیں کہ صحابہ اس آیت کی تفسیر میں سب کے سب متفق ہیں، ایسی صورت میں اب ہم پر واجب ہے کہ اسی معنیٰ کو لازم پکڑ لیں، اس کے برخلاف کوئی نئی تفسیر نہ ایجاد کریں جو اُن کی تفسیر کے خلاف ہو، ممکن ہے مفہوم بتانے میں کچھ اضافہ ہو جائے، وضاحت کی غرض سے، لیکن ان کی تفسیر کی مخالفت کریں یہ جائز نہیں، بلکہ انہیں کی فہم سے ہم اس آیت کی تفسیر سمجھیں گے ۔

اسی طرح احکام میں بھی معاملہ ہے، چنانچہ صحابہ کرام جب کسی حکم پر متفق ہوں تو ہمارے لئے ان کی مخالفت کرنا جائز نہیں، اگر اس وقت کوئی مسئلہ پیش آجائے اور ہمیں اس کی حقیقت صحابہ کے یہاں مل جائے، جس کے حکم پر ان کا اجماع ہو، ایسی صورت میں بھی ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم صحابہ کے حکم پر عمل کریں، کوئی نیا حکم ایجاد کرنا ہمارے لئے جائز نہ ہوگا۔

یہ پہلی حالت ہے، مگر ساتھیو! ہم کیسے جانیں گے کہ صحابہ نے اتفاق کیا ہے؟ قولی صراحت کے ذریعے یا بعض کے اقوال کی روشنی میں، یا اجماع سکوتی کے ذریعے۔ اس سلسلے میں آگاہ رہو، اسے ہم تصریح کے ذریعے جانیں گے کہ ہر کوئی صراحت کرے، یا بعض کی طرف سے صراحت آئی ہو اور کسی کی طرف سے اس کی مخالفت نہ آئی ہو۔

* **دوسری حالت:** یہ کہ سلف فہم آیت میں اختلاف کریں، یا فہم حدیث میں، یا اس کے حکم میں دو یا تین اقوال میں، اب ایسی صورت میں ہمارے لئے جائز نہیں کہ ان کے اقوال سے باہر نکلیں، اور دوسرا ایسا قول لائیں جو ان کے اقوال کے مخالف ہو، بلکہ ہمارے لئے جائز یہ ہوگا کہ انہیں کے اقوال میں جو زیادہ قوی اور راجح ہو اسی کو لے لیں، اور ان اقوال سے باہر نہ جائیں۔

اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے: رکوع سے سجدے میں جانے کی کیفیت: بعض سلف کہتے ہیں: گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے گا، بعض کا کہنا ہے: ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھے گا، اور ہر ایک کے پاس دلیل ہے، اب ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ان دونوں اقوال سے نکل جائیں بلکہ انہیں میں سے کسی ایک کو لیں گے، مثلاً:

* کوئی آ کر کہے: دونوں کو ایک ساتھ رکھیں گے، اس وقت ہم کہیں گے کہ نہیں، یہ نیا حکم ہے، تم سلف کے اقوال سے خروج کر رہے ہو۔

*لیکن اگر کوئی آ کر کہے: ہاتھوں کے ساتھ نہ جھک کر وہ پورے بدن کے ساتھ زمین کے قریب جائے گا، پھر ہاتھوں کو رکھ دے گا، یہاں ہم کہیں گے کہ اس نے قوی دلیل کی روشنی میں بات کہی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ ایک اجتہادی عمل ہے، کوئی نیا حکم نہیں ہے۔

میری بات کو غور سے سنیں: سلف جب فہم آیت، فہم حدیث یا کسی حکم کے بارے میں اختلاف کرلیں تو ایسی صورت میں:

***سب سے پہلا مسئلہ جسے ہم سمجھیں گے وہ یہ ہے کہ:** ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ کوئی نیا قول لائیں، کیونکہ یقینی طور پر حق اقوال سلف سے نہیں نکل سکتا، اس لئے جب ہم نیا قول لائیں گے تو وہ باطل ہوگا، اس لئے کہ وہ حق کے مخالف ہوگا۔

* **دوسرا مسئلہ:** یہ بھی ممکن ہے دونوں اقوال کے درمیان تطبیق دے کر ان میں جو قوی ہو اسی کو لے لے۔

* **تیسرا مسئلہ:** اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں ترجیح واجب ہوگی۔

ساتھیو! اور یہ تطبیق دو طریقے سے ہوگی:

* **پہلا طریقہ:** یہ سلف کا اختلاف تنوع کے قسم سے ہو نا کہ اختلاف تضاد کی قسم سے، ایسی صورت میں آیت کریمہ کو تمام معانی پر محمول کر سکتے ہیں، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی معنیٰ کسی کی مخالفت نہیں کرتا ہے، اور تفسیر آیت کے تعلق سے اقوال سلف میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ وہ اختلاف تنوع ہوتا ہے، اس کا کیا ضابطہ ہے؟ کسی قول کو نہ چھوڑ کر تطبیق دی جائے گی، ایک کو دوسرے پر محمول کیا جائے، تفسیر کے تعلق سے سلف کے اقوال کا اکثر یہی حال ہے، یہ پہلا طریقہ ہے۔

* **دوسرا طریقہ:** تمام دلیلوں کے درمیان تطبیق دی جائے گی، یعنی سلف میں سے کوئی کچھ کہے اور کوئی کچھ اپنی اپنی دلیلوں کی روشنی میں، اور یہ اختلاف حقیقت میں اختلاف تضاد ہو، اب ایسی صورت میں اگر دلیلوں کے درمیان تطبیق ممکن ہو تو تطبیق دیں گے، جیسا کہ اصولیوں کا کہنا ہے کہ تطبیق کو ترجیح پر مقدم کیا جائے گا، اگر تطبیق ممکن نہ رہے تو ایسی صورت میں ترجیح کو اپنایا جائے گا۔

اب ایسی صورت میں واجبی طور پر شرعی طریقہ کیا ہے؟

* **پہلا:** کوئی ایسا نیا قول نہیں لائیں گے جس سے اقوال سلف کی مخالفت ہو۔

* **دوسرا:** ممکن ہے کوئی ایسا قول لائیں جس سے دونوں اقوال میں تطبیق ہو جائے۔

* **تیسرا:** امکان کی صورت میں تطبیق ہی دی جائے گی، یا تو اقوال کے درمیان دلیلوں کے درمیان، تطبیق اگر ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں ترجیح واجب ہو گی۔

ساتھیو! یہاں ایک فائدہ بتاؤں گا: وہ یہ کہ سلف کے اختلاف میں بڑی گنجائش ہے، اور یہ بہت اہم فائدہ ہے، الحمد للہ، سلف کے درمیان عقیدے میں اختلاف وارد نہیں ہے، اسی طرح اصول میں بھی، اختلاف آیتوں کی تفسیر میں ہے، فروعی احکام میں ہے، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ سلف کے اختلاف میں بڑی گنجائش ہے۔

اس مسئلے میں گنجائش ہے اس کا مطلب کیا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے لئے بھی جو بہتر راجح لگے اسی کو لے لے، البتہ دوسروں کے قول پر عیب نہ لگائے، اور نہ ہی اسے اختلاف وانتشار کا سبب بنائے۔

* **اس کے لئے میں دو بڑے مسئلوں کی دو مثالیں بیان کروں گا:**

* **پہلا مسئلہ:** نماز کے اندر "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" کو بلند آواز سے پڑھنا، سلف کے درمیان اس میں اختلاف ہے، گرچہ راجح یہی ہے کہ صحابہ سے اس مسئلے میں بلند آواز سے ثابت نہیں ہے، لیکن اختلاف منقول ہے، جہاں تک میں نے تلاش کیا تو پتہ چلا کہ سنت مطلق طور پر بلند آواز سے نہ پڑھنا ہی ہے، اب میرے لئے یہی واجب ہے کہ میں اسی کو سنت سمجھوں، اور اسی پر عمل کروں سنت سمجھ کر، لیکن میں اس شخص کو برا نہیں سمجھوں گا جو "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" کو بآواز بلند پڑھتا ہے، اور نہ ہی اسے لے کر اختلاف وانتشار کا سبب بنوں گا، اور نہ ہی اس پر ردوقدح کروں گا۔

* **دوسرا مسئلہ:** دائمی طور پر فجر کی نماز میں دعا قنوت پڑھنا: اس مسئلے میں سلف کا اختلاف ہے، اس تعلق سے بہت سے اقوال منقول ہیں، لیکن جب میں نے اس بارے میں تحقیق کی تو پتہ چلا کہ فجر کی نماز میں دائمی طور پر قنوت پڑھنا مشروع نہیں ہے، بلکہ میرے نزدیک بدعت ہوگا، پھر بھی میں اس شخص کو برا نہیں سمجھوں گا جو اسے مشروع سمجھ کر پڑھتا ہے، نہ ہی اس کے پیچھے نماز ترک کروں گا، اور نہ ہی اسے لے کر اختلاف وانتشار کا سبب بنوں گا، اور نہ ہی اس پر ردوقدح کروں گا۔

ہاں، علمی مباحثہ اور علمی ردوقدح ٹھیک ہے، لیکن جو انتشار اور جھگڑے کا سبب بنے کسی کو بدعتی اور کسی کو سنی کہا جائے تو یہ مناسب نہیں ہے، اور اسی پر ہمارے شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں تنبیہ کی ہے، یعنی فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کے مسئلے میں، اور بیان کیا ہے کہ اس وقت قنوت پڑھنا مشروع ہے، لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ اسے اختلاف

وافتراق کا سبب بنایا جائے، چونکہ اس مسئلے میں سلف کے درمیان اختلاف ہے اس لئے گنجائش ہونی چاہیئے، اسے اختلاف وافتراق کا سبب نہیں بنانا چاہیئے، بلکہ ایسی صورت میں واجب یہ ہے کہ ترجیح دے کر راجح پر عمل کیا جائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا ہم اس شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں جو فجر کی نماز میں قنوت کرتا ہو؟ امام احمد نے جواب دیا: کیا تم امام شافعی کے پیچھے نماز نہیں پڑھو گے؟ مطلب یہ ہے کہ امام شافعی خود یہی خیال رکھتے ہیں، جو کہ بہت بڑے امام ہیں۔ اور چونکہ وہ اسے مشروع سمجھتے ہیں، اس لئے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، بلکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا ایسے شخص کے پیچھے قنوت پڑھی جائے گی گرچہ وہ قنوت کو مشروع نہ سمجھتا ہو یا نہیں پڑھے گا؟ یعنی اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، لیکن کیا اس کے پیچھے آپ بھی قنوت پڑھیں گے؟ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ پڑھیں گے، اس مسئلے میں امام کی متابعت کرتے ہوئے، کیونکہ اس بارے میں سلف کا اختلاف ہے۔

اور ہمارے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اسی کو ثابت کرتے ہیں: اگر آپ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں جو قنوت کو مشروع سمجھتا ہو اور آپ نہ سمجھتے ہوں، تو ایسی صورت میں آپ بھی پڑھیں گے امام کی متابعت میں، نبی اکرم ﷺ کے اس قول کی عمومیت پر عمل کرتے ہوئے، ارشاد نبوی ہے: ''اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهِ'' ترجمہ: ''امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔'' اور اس مسئلے میں چونکہ سلف سے اختلاف وارد ہے اس لئے گنجائش ہونی چاہیئے۔

اور بعض اہل علم کہتے ہیں: نہیں، اس کے پیچھے قنوت نہیں پڑھے گا، صرف نماز پڑھ لے گا، اور جب امام قنوت پڑھے گا تو یہ خاموش رہے گا قنوت نہیں پڑھے گا۔

اور میرے نزدیک مسئلے میں راجح یہ ہے کہ تفصیل ہے:

-مقتدی اگر قنوت کو بدعت سمجھتا ہو تو ایسی صورت میں امام کے ساتھ صرف نماز پڑھ لے گا قنوت نہیں پڑھے گا، کیونکہ وہ بدعت سمجھ رہا ہے اس لئے بدعت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

-لیکن اگر صرف یہ سمجھتا ہے کہ یہ خلاف سنت ہے ایسی صورت میں وہ امام کے ساتھ قنوت بھی پڑھے گا۔

ساتھیو! اس کی دلیل کیا ہے؟: منہج سلف میں یہ ایک عظیم فقہ ہے کہ سلف کے اندر جب اختلاف ہو جائے دو قول پر، پھر ہم کس پر عمل کریں گے؟ کیونکہ ہمارے لئے تیسرا قول ایجاد کرنا جائز نہیں:

-دونوں کے درمیان تطبیق دے کر دونوں میں سے اقویٰ پر عمل کریں گے۔

-تطبیق ممکن ہو تو یہی واجب ہے۔

-اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں ترجیح دی جائے گی۔

* **تیسری حالت: مسئلے کے اندر سلف کا کوئی کلام نہ ملے، تو ایسی صورت میں منہج سلف کے مطابق ہم کیا کریں گے؟ ان علماء ربانیین کی طرف رجوع کریں گے جو منہج سلف کی اتباع کرتے ہیں، یعنی اگر سلف کا کوئی قول نہ ملے تو ایسی صورت میں اَتباعِ سلف صالح کی طرف رجوع کریں گے۔**

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ سلفی کون ہے، اور سلفی حضرات کسے کہتے ہیں؟

* **سلفی: وہ شخص ہے جو سلف صالح کی اِتباع کرتا ہے، چنانچہ وہ فہم صحابہ کو اختیار کرتا ہے، اور جب فہم صحابہ نہیں ملتا ہے تو ایسی صورت میں سلف صالح کے متبعین کی طرف رجوع کرتا ہے۔**

ساتھیو! حقائق کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اس وقت بہت سے داعی لوگ خود کو سلفی کہتے ہیں، بلکہ سلفیت کے چوٹی کے اماموں کے دور میں یعنی شیخ ابن باز، شیخ البانی اور شیخ مقبل بن ہادی وادعی کے زمانے میں جس وقت کہ سلفیت ہی کا بول بالا تھا، اس دور میں ایک شخص نے کتاب لکھی جس میں کہا کہ حسن بنّا سلفی تھے، وہی حسن بنّا جو اخوان المسلمین کے سرغنہ ہیں، اس نے حسن بنّا کو بھی سلفی کہہ دیا کیونکہ اس وقت سلفیت ہی کا بول بالا تھا۔

اور اس وقت آپ نے دیکھا ہوگا کہ انٹرنیٹ پر کوئی آ کر خود کو ابو عبداللہ سلفی، ابو عبدالرحمٰن سلفی لکھتا ہے، لیکن جب آپ اس کے کلام پر غور کریں گے تو اسے پکا تکفیری پائیں گے، ایسا بہت ہے، بعض لوگ جب ایسے لوگوں کے کلام کو دیکھتے ہیں کہ فلاں سلفی ہے تو اطمینان سے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو سلفیوں کا کلام ہے، ابو عبداللہ سلفی نے یہ کہا ہے، ساتھیو! اعتبار ناموں کا نہیں ہوتا بلکہ حقائق کا ہوتا ہے، اگر کوئی خود کو سلفی کہے تو اس کے قول وفعل کو صحابہ کے منہج پر پرکھیں گے، پھر تابعین اور تبع تابعین کے:

-اگر یہ اس معیار پر سچا ہوگا تو سلفی کہلائے گا۔

-اور اگر جھوٹا نکلا تو خلفی ہوگا گرچہ آپ اسے سلفی کہیں۔

کیا سلفیت کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے؟ کیا سلفی کہنا ضروری ہے؟ اور کیا سلفی کہنا قابل مذمت ہے؟ مثلاً کوئی انڈونیشیا، ملیشیا یا سنگاپور میں رہتا ہے تو کیا اس کے لئے سلفی کہنا ضروری ہے؟

جواب: یہ باعث شرف وامتیاز ہے نہ کہ ضروری، منہج سلف پر چلنا اصل ضروری ہے، چنانچہ جو منہج سلف پر چلے گا وہی سلفی ہوگا لیکن کہنا ضروری نہیں، کیونکہ کبھی مصلحتاً نہ کہنا ہی بہتر ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ ایسے ملک میں ہوتا ہے جہاں سلفیوں پر تشدد ہوتا ہے، کیونکہ وہ سلفیت کو نہیں سمجھتے، اب ایسی صورت میں وہ خود کو سلفی نہ کہے صرف منہج سلف پر عمل کریں۔

* **اس کی دلیل:** صحابہ کے زمانے میں ہم ایسا نہیں پاتے کہ کوئی خود کو سلفی کہتا ہو، ایسا کیوں؟ کیونکہ اس وقت انہیں امتیاز کی ضرورت نہیں تھی، سب کے سب سلفی تھے، سب کے سب اہل سنت والجماعت تھے، یہ لقب اختیار کرنا اس وقت ضروری ہوا جب فرقوں کا ظہور ہوا اور فتنوں نے جنم لیا، ایسے وقت میں اہل حق نے دوسرے تمام فرقوں سے ممتاز ہونے کے لیے خود کو سلفی کہا، اس طرح یہ شریف لقب ہے۔

ان شاء اللہ اہل سنت والجماعت اور سلفیوں کے القاب کے بارے میں گفتگو آئے گی اور اس بارے میں ہم اسباب کے ساتھ گفتگو کریں گے، ان میں سب سے شریف لقب سلفی ہے، اسی سے جانے جاتے تھے، اور اس میں کوئی عیب نہیں، ہاں یہ کوئی ضروری نہیں ہے، البتہ یقیناً یہ شریف اور ممتاز لقب ہے۔

آج کی مجلس کو میں ایک آخری بات پر ختم کروں گا، اور کل کی مجلس میں اس کی تکمیل کروں گا ان شاء اللہ، وہ یہ کہ کیا سلفیت کو کسی معین شخص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے؟

جواب: نہیں، یہ اسلاف کرام کی طرف منسوب ہے، چنانچہ سلفیت صرف ایک ہے متعدد نہیں ہے، ساتھیو! اس سے آگاہ رہو، چنانچہ یہاں کوئی سلفی بازی نہیں ہے، کوئی سلفی البانی نہیں ہے، کوئی سلفی وادعی نہیں ہے، کوئی سلفی عثیمینی نہیں ہے، ہمارے سارے علماء اسی سلفیت کی طرف منسوب ہیں جس کی نسبت سلف صالح کی طرف کی جاتی ہے، سلفیت کی نسبت کسی شخص معین کی طرف کرنا بڑی غلطی ہے، کچھ لوگ اس کی نسبت کچھ معین اشخاص اور جگہوں کی طرف کرتے ہیں سلفیت سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے۔

ساتھیو! اس بات سے آگاہ رہنا: بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پاؤ گے: یہ سعودی سلفی ہے، یہ اردنی سلفی ہے، یہ مصری سلفی ہے، اس طرح جگہوں کی طرف نسبت کرنا دو حالت سے خالی نہیں:

- یا تو وہ اس سے منہج صحابہ کو مراد لیتا ہوگا، ایسی صورت میں یہ بہت بڑی غلطی ہے، کیونکہ جو سعودی عرب میں ہے، اردن میں ہے، مصر میں ہے اور امریکہ میں ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہو، کیونکہ صحابہ کا منہج ایک تھا۔

- یا تو وہ اس منہج کے مخالف ہوگا جس پر صحابہ اور متقدمین علماء تھے، ایسی صورت میں سلفی کہنا ہی غلط ہوگا۔
ساتھیو! جیسا کہ میں نے کل کہا: سلفیت متعدد ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کا جزء ہو سکتا ہے، سلفیت ایک اکائی ہے، ایسی صورت میں جو لوگ سلفیت کی نسبت جگہوں کی طرف کرتے ہیں:
- یا تو ان کا کوئی خاص مقصد ہوگا جس کی بنیاد پر وہ سلفیت سے لوگوں کو متنفر کرنا چاہتے ہوں گے، اسی لئے وہ کہتے ہیں: یہ تو سعودی سلفیت ہے، یعنی اسے چھوڑ دو، اس کا تعلق ابن باز، ابن عثیمین، فوزان اور لحیدان والی سلفیت سے ہے، یعنی اسے چھوڑ دو، کیونکہ یہ سعودیوں کی سلفیت ہے، یہ لوگ دراصل مطلب پرست ہیں جو سلفیت پر ضرب لگانا چاہتے ہیں اور سلفیت کو توڑنا چاہتے ہیں۔
- یا تو وہ جگہ کی طرف نسبت کرنے میں خطار کار ہوگا، کیونکہ جو سلفی منہج مکہ میں ہے وہی عمان میں ہے، یعنی سلفی منہج ایک ہی ہے۔
اگر کوئی آ کر کہے: میرے بھائی! میں دونوں کو الگ الگ سمجھتا ہوں، جو اردن میں ہے اس کا سلفی منہج سعودی والے سے الگ ہے، ایسی صورت میں ہم اس سے کہیں گے: پھر تو دونوں میں سے کوئی ایک منہج پر نہیں ہوگا، کیونکہ سلفیت ایک ہی ہے۔
اسی طرح کی نسبت کا معاملہ اشخاص کی طرف نسبت کا بھی ہے، چنانچہ یہ کہتے ہیں: یہ البانی سلفیت ہے، یہ بازی سلفیت ہے، ایسی صورت میں ہم کہیں گے: جو اس طرح کہتا ہے وہ بھی مطلب پرست ہے، اس کا مقصد سلفیوں کے درمیان تفریق ڈالنا ہے، تاکہ جو شیخ البانی سے محبت رکھتا ہے وہ کہنے لگے: اب میں شیخ ابن باز اور ابن عثیمین کی طرف جاتا ہوں، کیونکہ ان کی سلفیت البانی کی سلفیت سے جدا ہے، اور جو شیخ مقبل سے محبت رکھتا ہے وہ کہنے لگے: میں اب شیخ البانی کی طرف جاتا ہوں، کیونکہ ان کی سلفیت شیخ مقبل کی سلفیت سے جدا ہے.... ایسا کہہ کر یہ لوگ سلفیت کو کاری ضرب لگانا چاہتے ہیں۔
اور یا تو وہ شخصیت کی طرف نسبت کر کے غلطی کر رہا ہوگا، کیونکہ اس سلفیت کی نسبت سلف کی طرف ہے، علماء کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی، بلکہ ہم کہیں گے: شیخ البانی سلفی ہیں، شیخ ابن عثیمین سلفی ہیں، شیخ ابن باز سلفی ہیں، شیخ وادعی سلفی ہیں، اللہ کی قسم یہ سب سلفی ہیں، ہم یہ ہرگز نہیں کہیں گے: البانی کی سلفیت، ابن باز کی سلفیت۔
ایک بہت ہی خطرناک چیز رہ گئی ہے: اور وہ ہے سلفیت کی تقسیم متقدمین سلفیت اور متاخرین سلفیت کی طرف:

یہ ایک نئی چیز ہے، اس میں کوئی آپ کی سلفیت پر اعتراض نہیں کرے گا، منہج سلف کی اتباع ضروری ہے، مگر متقدمین کی سلفیت اور متاخرین کی سلفیت میں فرق ہے، اب ایسی صورت میں متقدمین اور متاخرین کی سلفیت کا کیا ضابطہ ہے؟

- شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے پہلے متقدمین کی سلفیت ہے۔
- شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بعد سے لے اب تک متاخرین کی سلفیت ہے۔

یہ دراصل لوگوں کو اس وہم میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ آج کے مشائخ سے لے کر شیخ الاسلام ابن تیمیہ تک جیسے ابن قیم اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب وغیرہ، ان سب کی سلفیت متقدمین کی سلفیت سے مختلف ہے، ایسی صورت میں نتیجہ کیا نکلے گا؟ آج ہم حقیقت میں سلفیت پر نہیں ہیں، اور یہ بہت ہی خبیث منہج ہے جو موجودہ دور کی ایجاد ہے۔

بھائیو! جیسا کہ میں نے کل ہی کہا کہ سلفیت ایک مضبوط زنجیر ہے جو صحابہ کے دور سے آج تک پائی جاتی ہے، متقدمین کی سلفیت اور متاخرین کی سلفیت جیسے منہج کا کوئی وجود نہیں ہے، کیونکہ جو متقدمین کی مخالفت کرے گا اس کا شمار سلفیوں میں نہیں ہوگا اور میں نہیں جانتا کہ سلفی علماء میں سے کسی نے متقدمین سلف صالح کی مخالفت کی ہو، بلکہ یہ اسی منہج کو ثابت کرنے میں زندگی ختم کر دیتے ہیں جس منہج پر سلف صالح تھے۔

اب یہاں پر ہم ٹھہرتے ہیں، دراصل ہمیں بیس منٹ پہلے ہی رک جانا چاہئے تھا لیکن چونکہ آخری بحث بہت ہی اہم تھی، کیونکہ اس کا تعلق موجودہ اختلافی مسائل سے تھا جس کا اس وقت خوب پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ ہم اس دوسرے جزء کو نہیں بھولے ہیں: کیا سلفیت کی طرف نسبت کرنا کسی کے لئے عیب کی بات ہے؟ اگلے درس میں کل ان شاء اللہ ہم اسی موضوع پر گفتگو کریں گے۔

کیا سلفیت کی طرف نسبت کرنا کسی کے لئے عیب کی بات ہے؟ سلفی کون ہے؟

حمد وثناء کے بعد:

میں اپنے بھائیوں کا اس دورے کے اس تیسرے دن جزیرہ **لومبوک** کے اندر "**منہج سلف کا تحقیقی جائزہ**" کے موضوع کے ساتھ استقبال کرتا ہوں، بدھ کے روز کی مجلسوں میں سے یہ پہلی مجلس ہے، اور منہج سلف کے موضوع پر یہ دوسری مجلس ہے۔

آج ہم اسی اہم نقطے پر گفتگو کریں گے جسے پہلی مجلس میں چھیڑا تھا، اور وہ یہ ہے کہ کیا سلفیت کی طرف نسبت کرنا کسی کے لئے عیب کی بات ہے؟ اور کیا سلفی کہنا عیب ہے؟ کیا یہ تعصب میں شمار ہوگا؟ اور کیا یہ تزکیہ کے باب میں آئے گا کہ جو ممنوع ہے؟

جواب: اہل علم کے نزدیک یہ متحقق امر ہے کہ ایک شریف لقب ہے اس کا اطلاق جماعت اور فرد سب پر کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ سلفیت میں سچا ہو، اور یہی علماء کا موقف ہے، کیونکہ ہم بہت سارے علماء سلف کو اس نام سے پاتے ہیں بطور خاص محدثین میں بہت سے لوگ ہیں جو سلفی سے مشہور ہیں، چنانچہ تراجم کی کتابوں میں بہت سارے علماء کے ساتھ سلفی لکھا ہوا ہے، اگر کسی نے خود کو سلفی نہ بھی کہا ہو تو بھی اس کے عمل اور علمی کارنامے کو دیکھ کر اسے سلفی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ علامہ ذہبی نے دارقطنی کے بارے میں کہا ہے۔

ہمارے علماء کا یہی موقف ہے، چنانچہ آپ علماء کی زبانی سلفیت کا لقب بہت پائیں گے، جیسے شیخ ابن باز، شیخ البانی، شیخ مقبل، شیخ صالح الفوزان کی زبانی، اس لئے اس نسبت میں کوئی عیب نہیں، بلکہ یہ ایک شریف نسبت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس شخص پر کوئی عیب کی بات نہیں ہے جو مذہب سلف کو غالب کرنے کے لئے اس کی طرف نسبت کرے اور اس پر فخر کرے، اسے قبول کیا جائے گا، کیونکہ مذہب سلف ہی حق ہے۔"

سماحۃ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ **آپ کا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جو سلفی یا اثری کا نام رکھتا ہے، کیا یہ تزکیہ ہے؟ یعنی تزکیۂ نفس کے اعتبار سے کیا یہ مذموم ہے؟**

اس پر آپ نے جواب دیا: "اگر وہ اپنی اس نسبت میں سچا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ سلف کہتے تھے کہ

فلاں سلفی ہے اور فلاں اثری ہے۔"

اہم یہی ہے کہ وہ اپنی نسبت میں سچا ہو، لیکن اگر کوئی سلفی کہتا ہے مگر وہ سلفیت پر قائم نہیں ہے تو وہ جھوٹے لباس میں ہوگا اور یہ مذموم ہے، اس لئے کہ اس نے خود کو سلفی کہا بلکہ اس لئے کہ وہ جھوٹا ہے، وہ خود کو سلفی کہتا ہے مگر سلفی حقیقت میں ہے نہیں، جیسا کہ آج کل بعض تکفیری لکھتے ہیں: فلان السلفی، فلان الاثری، جبکہ حقیقت میں وہ مذہب سلف پر نہیں ہوتے، اور نہ ہی وہ سلف صالح کے منہج پر ہوتے ہیں۔

شیخ آگے کہتے ہیں: "اگر وہ اپنے سلفی یا اثری کہنے میں سچا ہے اور اس کا منہج اس کی نسبت کی تحقیق کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جس طرح کہ سلف کہتے تھے: فلاں سلفی ہے، یا فلاں اثری ہے۔"

شیخ ابن باز کی صدارت میں سعودی عرب کی دائمہ کمیٹی برائے افتاء نے کہا: "سلفیت ایک اچھا لقب ہے۔" اس طرح یہ ایک قابل تعریف لقب ہے قابل مذمت نہیں، اس لقب کے اندر نہ کوئی تعصب ہے نہ ہی حزبیت، اس لئے سلفیت کا مطلب ہی دین اسلام ہے' پورے طور پر، چنانچہ ایک سلفی جو اپنی نسبت سلفیت کی طرف کر کے فخر کرتا ہے اسی طرح ہے جیسے کوئی اس سچے اسلام کی طرف خود کو نسبت کر کے فخر کرے جسے محمد عربی ﷺ لے کر آئے تھے۔

یہ لقب صدر اسلام میں موجود نہیں تھا، کیونکہ اس وقت سب لوگ اسی منہج پر قائم تھے، ان کا مذہب ایک ہی تھا جسے محمد ﷺ لے کر آئے تھے، اس لقب کی ضرورت اس وقت پڑی جب اسلام کے اندر مختلف فرقوں کا ظہور ہوا جنہوں نے خود کو تو اسلام کی طرف منسوب کیا مگر محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مخالف تھے، جیسے قدریہ، خوارج، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ، ایسی صورت میں ایسے لقب کی ضرورت پڑی جس کے ذریعے اہل حق غیروں سے ممتاز ہو جائیں، چنانچہ اس کے لئے انہوں نے سلفیت کا لقب اختیار کیا، جو اپنے معنیٰ میں سچا ہے، اہل حق کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے، چنانچہ سلفیوں کا یہ امتیاز ہے کہ وہ سلف کے منہج پر چلتے ہیں اور بعد میں تمام فرقوں نے جو منہج اختیار کیا اسے انکار کرتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہوگیا تو اب دوسرے نقطے کی طرف منتقل ہوتے ہیں، اور وہ ہے اس منہج کے نام: **یعنی سلف صالح کے منہج کے کیا نام ہیں؟ یا جو لوگ سلف صالح کے منہج پر قائم ہیں ان کے کیا کیا نام ہیں؟**

* **پہلا نام:** سلفی، اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے، منہج کو سلفیت اور اسے اختیار کرنے والوں کو سلفی کہتے ہیں۔

* **دوسرا نام:** اہل سنت والجماعت، یہ اکثر ایک دوسرے کے ساتھ ہی استعمال کیا جاتا ہے، اہل السنہ والجماعہ، جبکہ کبھی کبھی اہل سنت، اور کبھی کبھی اہل جماعت بھی بولا جاتا ہے، لیکن اکثر ایک دوسرے کے ساتھ ہی مستعمل ہے، اور

یہی غالب ہے، یعنی اہل سنت والجماعت، اور کبھی کبھار الگ الگ بھی استعمال ہوتا ہے۔اور یہ لقب متقدمین علماء کی زبانی بھی ملتا ہے، کیونکہ سنت سے مقصود وہی منہج ہے جس پر نبی اکرم ﷺ قائم تھے، اور جس پر نبی اکرم ﷺ قائم ہوں وہی صحیح اور سچا اسلام ہے جس پر تمام اہل اسلام کو جانچا جائے گا، چنانچہ جو بھی خود کو اسلام کی طرف نسبت کرتا ہو اسے اسی منہج سنت پر پرکھا جائے گا جس پر نبی اکرم ﷺ قائم تھے:

* چنانچہ جو نبی اکرم ﷺ کے اس منہج پر ہوگا وہی سچے کامل اسلام پر ہوگا۔

* اور جو اس منہج کی مخالفت کرے گا اور اس وجہ سے اسلام کا مخالف ہوگا، پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بدعتی مسلمان ہو، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کفریہ اعمال کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو، اس کی اپنی تفصیل ہے۔

اسی وجہ سے امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جان لو! اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی کا دوسرا نام اسلام ہے۔''اس کا یہی مطلب ہے جسے ہم نے بیان کیا کہ جس منہج پر نبی اکرم ﷺ تھے اسی کا نام اسلام ہے۔

امام بربہاری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: ''سنت ہی میں سے جماعت کو لازم پکڑنا ہے، چنانچہ جو جماعت سے بے رغبت ہو کر چھوڑ بیٹھے اس نے گویا اپنی گردن سے اسلام کے جوئے کو نکال پھینکا اور گمراہ ہوگیا۔''اور میں نے کہا تھا کہ جماعت دو قسم کی ہے:

* دینی جماعت، جو ایک اکائی ہے متعدد نہیں ہے اور نہ ہی اس میں تعدد جائز ہے۔

* بدنی جماعت، اور یہ حاکم کے تابع ہے، چنانچہ جب حاکم تمام مسلمانوں کا ایک تھا جیسے ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کا زمانہ، اس وقت صرف یہ جماعت ایک ہی تھی، لیکن جب کئی جھنڈے ہو گئے اور مختلف ملکوں میں الگ الگ حاکم ہو گئے تو اب ایسی صورت میں ہر ملک کے مسلمان اپنے حاکم کے جھنڈے کے تلے ہوں گے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سنت کا استعمال جماعت کے ساتھ ہوتا ہے، جیسے کہ بدعت کا استعمال اختلاف کے ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ کہا جائے گا: اہل سنت والجماعت، جس طرح کہا جاتا ہے: اہل البدعہ والفرقۃ''۔

*** اس منہج کے ماننے والوں کو اہل سنت والجماعت کہنے کا سبب یہ ہے کہ:** یہ لوگ رسول اکرم ﷺ کی سنت کو تھام کر رکھتے ہیں، اور اسی کو لازم پکڑتے ہیں اعتقاد وعمل ہر اعتبار سے، چنانچہ یہ سنت نبوی کو لازم پکڑتے ہیں استدلال کے اعتبار سے بھی اور ہر اس دلیل سے استدلال کرتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، متواتر اور آحاد میں بغیر تفریق کیئے، ان کے نزدیک اصل صحیح ہونا ہے، چنانچہ اگر حدیث صحیح ہے تو ان کے نزدیک اس سے استدلال

کرنا درست ہے، حتی کہ عقیدہ میں بھی حدیث سے استدلال کرتے ہیں گرچہ وہ خبر آحاد ہی کیوں نہ ہو یا متواتر ہو۔

اس باب میں اہل سنت اہل بدعت کے مخالف ہیں، کیونکہ تمام اہل بدعت سارے سنتوں سے استدلال نہیں کرتے، مثلاً وہ عقیدے کے باب میں خبر آحاد سے استدلال نہیں کرتے، یہ کہتے ہیں کہ خبر آحاد سے عقیدے میں استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، البتہ یہ لوگ ایسی صورت میں عوام کی خاطر خبر آحاد کی تاویل کر دیتے ہیں تا کہ عوام یہ نہ کہہ سکیں کہ تم سنت کو نہیں مانتے اور نہ سنت پر عمل کرتے ہو، چنانچہ اسی واسطے یہ احادیث آحاد کی تاویل کر دیتے ہیں۔

*** ایسی صورت میں جب ہم اہل سنت کہیں تو یہ دو امر پر دلالت کرتا ہے:**

*** پہلا امر:** یہ سنت کو تھام کر رکھتے ہیں اگر وہ صحیح ہو، عقیدے کے باب میں آحاد و متواتر سے استدلال کرنے میں بغیر فرق کئے، چنانچہ سنت کے باب میں ہر صحیح حدیث پر اعتقاد رکھتے ہیں، اور اس پر عمل کرتے ہیں، چنانچہ اللہ کے راستے پر چلنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو واجب مانتے ہیں، ان کے پاس عمل اور عبادت میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے سوا اور کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے، برخلاف اہل بدعت کے کہ جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں کو اپنا رکھے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں شیخ کا طریقہ ہے، یہ شیخ جنید کا طریقہ ہے، یہ فلاں طریقہ ہے۔

اہل سنت کے نزدیک عمل وسلوک میں:

* یا تو سنت ہوتا ہے۔ * یا بدعت۔

***سنت:** اللہ کے دین پر چلنے کے لئے یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔

*** بدعت:** جو اس کے مخالف ہے وہی بدعت ہے: ارشاد نبوی ہے: ’’**مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ**‘‘ ترجمہ: ’’جو ایسا عمل کرے جو ہمارے طریقے کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔‘‘

جبکہ دوسرے لوگ نبوی طریقہ چھوڑ کر دوسرے ایسے طریقوں سے راضی ہوتے ہیں اور ان پر چلتے ہیں جو نئے ایجاد کردہ ہوتے ہیں، جن پر کبھی بھی نبی اکرم ﷺ نہیں چلے ہوتے ہیں۔

جب ہم اہل سنت کہتے ہیں تو یہ اس کی پہلی دلالت ہے۔

*** دوسری دلالت:** وہ صحابہ کے عقیدے پر ہوتے ہیں، اس کے اندر وہ کوئی تغیر و تبدیلی نہیں کرتے ہیں، اور اسی عقیدے ہی کو سنت اور طریقہ کہتے ہیں، اور اسی پر چلنے والوں کو اہل الجماعہ کہتے ہیں، کیونکہ یہ اسی حق پر رہتے ہیں جس

پر امت کے صدر اول والے تھے، یہی ہر زمانے میں متحد ہوتے ہیں، آپس میں مختلف نہیں ہوتے ہیں، اور نہ ہی ٹکڑوں میں بٹے ہوتے ہیں، بلکہ ایک ہی جماعت ہوتے ہیں، ان کا کلام ایک ہوتا ہے، اصول ایک ہوتا ہے، گرچہ جگہیں الگ الگ ہوں، یہ صفت اسی منہج والوں کی ہے اور آج تک چلی آرہی ہے۔

اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ یہ لوگ ان مسائل میں اختلاف نہیں کرتے جن میں اجتہاد کی بنیاد پر اختلاف جائز ہے، بلکہ یہ اختلاف صحابہ کے دور سے آج تک پایا جاتا ہے، ہاں وہ بنیادی مسائل جن کا تعلق عقیدہ، منہج اور اصولوں سے ہے ان میں اختلاف نہیں کرتے، ان میں آپ دیکھیں گے کہ علماء اہل سنت ہر جگہ متفق نظر آئیں گے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ ایک سلفی عالم جب گفتگو کرتا ہے اور کہیں دوسرا سلفی عالم گفتگو کرے تو پاؤ گے دونوں کو کہ جیسے ایک ہی چشمے سے اور ایک ہی رو میں ان کی گفتگو نکل رہی ہے۔

اسی لئے اگر اس زمانے میں سلفیوں میں سے کوئی ایک فرقہ بنادے اور نئی چیزیں ایجاد کردے اور کہے کہ ہم سلفیت کے اندر کشادگی پیدا کرنا چاہتے ہیں، اس کے اندر مزید لوگوں کو داخل کرنا چاہتے ہیں، اس میں اخوانیوں اور تبلیغیوں کو بھی داخل کرنا چاہتے ہیں، تو ہم کہیں گے کہ یہ سلفیت کا طریقہ نہیں ہے، اور نہ ہی سلفیوں نے کبھی ایسا کیا ہے، اور نہ کہا ہے، یہ سلفی منہج نہیں ہے، کیونکہ سلفیت کے اندر عقیدہ اور اصول میں اختلاف نہیں ہوتا برخلاف دوسرے فرقوں کے کیونکہ وہ صحابہ کے منہج کے خلاف ہوتے ہیں۔

انہیں اہل الجماعہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ ان کا منہج جماعت کی محافظت پر قائم ہے، یہ جماعت کی محافظت سے محبت کرتے ہیں، اور اسے فرائض دین میں سے مانتے ہیں، چاہے اس کا تعلق دینی جماعت سے ہو یا بدنی جماعت سے، اور کسی بھی ملک میں جماعت کی محافظت نہیں ہوسکتی بغیر سلفی منہج کے اصولوں کے، کیونکہ منہج سلفی کے ساتھ جماعت کی محافظت ہی اصل دین ہے نہ کہ مصلحت، برخلاف دوسرے خواہشات کے بندوں کے کہ یہ لوگ جماعت کے ساتھ مصلحت کی بنا پر ہوتے ہیں۔

- اگر اس جماعت کے اندر رہنے میں ان کی مصلحت ہوتی ہے تو کہتے ہیں: یہ شرعی جماعت ہے۔

- اور اگر اس میں ان کی مصلحت نہیں ہوتی ہے تو کہتے ہیں: یہاں وحی الٰہی کے ماسوا پر حکومت ہوتی ہے، اور یہ چیز آج کے زمانے میں بالکل واضح طور پر سمجھ میں آرہی ہے۔

اہل سنت والجماعت کو اہل الجماعہ کیوں کہتے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

* **پہلی چیز:** ان لوگوں کا اسی منہج پر اتفاق ہے جس پر اختلاف سے پہلے بلکہ فرقوں کے وجود سے پہلے صدر اول کے مسلمان تھے، تو یہ اسی پہلی جماعت کے ماننے والے ہیں کہ جس کے بعد امت کے اندر اتفاق نہیں ہوسکا، اسی کے بعد سے آج تک امت میں اختلاف چلا آرہا ہے۔

* **دوسری چیز:** یہ تاریخی ریکارڈ ہے کہ یہ ان لوگوں کے اندر عقیدے اور اصول میں اتحاد کی وجہ سے کبھی اختلاف نہیں ہوا ہے۔

* **تیسری چیز:** یہ لوگ جماعت کی محافظت کرتے ہیں اور اس سے دین وتقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر محبت کرتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہل سنت والجماعت کی اضافت سنت کی طرف کی گئی، کیونکہ یہ سنت پر عمل کرتے ہیں، اور جماعت کی طرف اضافت کی گئی، کیونکہ یہ اس پر قائم ہیں۔'' آگے بیان فرماتے ہیں: ''یہاں جماعت کا معنیٰ اجتماع کے ہیں، پھر اسے متحد قوم کے لئے استعمال کیا گیا۔'' گویا انہیں اہل سنت والجماعت اسی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ سنت اور جماعت پر قائم ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہل سنت والجماعت کی جماعت بہت قدیم ہے۔ یعنی کوئی نئی جماعت نہیں ہے، یہ جماعت ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد کی پیدائش سے بھی پہلے معروف ہے، کیونکہ یہی جماعت ان صحابہ کرام کی بھی ہے جنہوں نے اس مذہب کو اپنے نبی سے حاصل کیا ہے، اور جو اس مذہب کی مخالفت کرے گا وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بدعتی ہوگا، کیونکہ ان کا اتفاق ہے کہ صحابہ کا اجماع حجت ہے، جبکہ بعد کے لوگوں کے اجماع کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول: ''اہل سنت والجماعت کی جماعت بہت قدیم ہے۔'' سے مراد یہی ہے کہ یہ کوئی نئی اور بدعتی جماعت نہیں ہے، بلکہ یہ اسلام کے وقت ہی سے موجود ہے، اور یہ جماعت کسی شخص کی طرف منسوب نہیں ہے، بلکہ کتاب وسنت اور صحابہ کے منہج کی طرف منسوب ہے، اسی لئے کہا کہ ابوحنیفہ کی پیدائش سے پہلے سے موجود ہے، اس کا مقصود یہی ہے کہ مذہبِ اہل سنت والجماعت کو کسی معین شخص کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اسے نہ تو ابوحنیفہ کی طرف منسوب کر سکتے ہیں، اور نہ ہی مالک کی طرف، نہ ہی شافعی کی طرف اور نہ احمد کی طرف، اور بلاشبہ حق ان ائمہ دین سے پہلے بھی موجود تھا، اور یہ سارے ائمہ حق اور اہل سنت والجماعت میں سے ہیں۔

اسی مناسبت سے ایک لطیفہ بیان کیا جاتا ہے جسے میں نے متعدد مواقع پر بیان کیا ہے:

ایک نوجوان نے شادی کا ارادہ کیا تو قاضی نے کہا: کہو کہ میں اس سے شادی کو قبول کیا امام اعظم ابوحنیفہ النعمان کے مذہب پر، نوجوان اس کے لئے تیار نہ ہوا، اور کہا میں اس سے شادی کو قبول کیا، قاضی نے دوبارہ کہا: کہو کہ میں اس سے شادی کو قبول کیا امام اعظم ابوحنیفہ النعمان کے مذہب پر، نوجوان نے بھی دوبارہ وہی کہا: میں نے اس سے شادی کو قبول کیا، قاضی نے پھر کہا: کہو کہ میں اس سے شادی کو قبول کیا امام اعظم ابوحنیفہ النعمان کے مذہب پر، اس پر نوجوان نے کہا: قاضی صاحب! کیا اگر میں ایسا کہوں تو یہ شادی صحیح نہیں ہوگی؟ اس نے کہا: ہاں، صحیح نہیں ہوگی جب تک تم یہ جملہ نہیں کہوگے، تو اس نوجوان نے کہا: پھر ابوحنیفہ کے والد کی شادی کیسے صحیح ہوئی تھی؟ کیونکہ یقینی طور پر ابوحنیفہ کے والد نے یہ جملہ نہیں کہا ہوگا، کیونکہ اس وقت ابوحنیفہ تو موجود ہی نہیں تھے۔

اس لئے حقیقت یہی ہے کہ حق ان ائمہ سے پہلے ہی سے موجود ہے، اور یہ سارے ائمہ اہل حق اور اہل سنت والجماعت میں سے ہیں، اس جماعت کو کسی شخص معین کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا، اس کا تعلق اسلام سے ہے، اس کی نسبت پورے صحابہ کی طرف ہے۔

اگر کوئی کہے: لوگوں کے نزدیک اور علماء کے درمیان یہ مشہور ہے کہ امام احمد امام اہل سنت ہیں، تو کیا اس جماعت کی نسبت امام احمد کی طرف ہے؟

جواب: نہیں، امام احمد ضرور ائمہ اہل سنت میں سے ہیں مگر یہ جماعت ان کی طرف منسوب نہیں ہے، بلکہ انہیں یہ لقب فتنۂ خلق قرآن میں اس عظیم موقف کی بنیاد پر دیا گیا جس پر آپ نے ثابت قدمی ظاہر کی، کیونکہ اکثر علماء نے خلیفہ کے مجبور کرنے پر اس کی تاویل کر دی تھی:

-بعض نے مجبوری کو بنیاد بنا کر کہہ دیا: قرآن مخلوق ہے۔

-بعض لوگوں نے کچھ ایسی حرکت کی جس سے خلیفہ کو لگا کہ یہ خلق قرآن کے قائل ہیں، حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں تھے، صرف خلیفہ کے گزند سے بچنے کے لئے ایسی حرکت کی تھی، چنانچہ انہوں نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: قرآن، تورات، انجیل اور زبور، اور اس سے اپنی انگلیوں کو مراد لیا، تاکہ محفوظ رہیں۔

-آخر میں چار لوگ ڈٹے رہے، جنہیں جیل میں ڈال دیا گیا، پیر میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، لوہے کی بھاری زنجیروں میں باندھ دیا گیا، انہیں میں امام احمد بھی تھے، ان کے علاوہ باقی تین برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے بھی آخر میں تاویل کر کے جان چھڑائی، اب صرف امام احمد باقی رہے۔

قید خانے میں اللہ نے امام احمد پر یہ احسان کیا کہ ایک چور اور ایک ڈاکو کو آپ کے قریب کر دیا، جو دونوں اسی جیل میں تھے، جب امام احمد کو مجلس میں بلایا گیا تو چور نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور کہا: احمد! میں ایک چوتھائی دینار پر پکڑا گیا ہوں مگر میں اس کا اقرار نہیں کر رہا، اور آپ تو دین کی خاطر مارے جا رہے ہیں۔ سبحان اللہ! امام احمد کے دل کو اس چور کے اس قول نے مضبوط کر دیا، اور ثابت قدم رہے، آپ اس باطل عقیدے کے سامنے نہیں جھکے یہاں تک کہ اللہ کے فضل سے یہ فتنہ ختم ہوگیا، اسی وقت آپ کو امام اہل سنت کہا گیا' آپ کے اسی عظیم موقف کی بنیاد پر، اس لئے نہیں کہ اس جماعت کو لوگ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''احمد بن حنبل گرچہ امام اہل سنت اور خلق قرآن کی آزمائش میں صبر سے معروف ہیں، تو اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے اس جماعت کو بنایا، بلکہ یہ جماعت (اہل سنت) ان سے پہلے بھی موجود تھی، انہوں نے اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور جو اس کے خلاف تھے ان کے خلاف ڈٹے رہے، اور فتنۂ خلق قرآن میں اسی جماعت سے انہیں ہٹانے کی کوشش کی گئی مگر جمے رہے، اور ان سے پہلے بھی کئی ائمہ وفات پا چکے تھے۔'' جیسے امام شافعی، مالک اور ابو حنیفہ۔

آگے فرماتے ہیں: ''تیسری صدی ہجری کے اوائل میں مامون، اس کے بھائی معتصم اور واثق کے دور میں جب منکرین صفات جہمیہ کا فتنہ پیدا ہوا اور اس فرقے نے لوگوں کو جہمیت اور صفات باری تعالیٰ کے انکار کی طرف دعوت دی، اور اسی مذہب کے بعد روافض بھی مانتے ہیں، اور ان لوگوں نے بعض حکام کو بھی اس مذہب میں داخل کر لیا، مگر اہل سنت نے ان کی موافقت نہیں کی، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو قتل کی دھمکی بھی دی گئی، بعض کو قید کیا گیا، انہیں سزائیں دی گئیں، انہیں قائل کرنے کے لئے ترغیب وترہیب میں سے ہر حربہ استعمال کیا گیا، امام احمد بن حنبل اپنے موقف پر جمے رہے، یہاں تک آپ کو قید میں ایک زمانے تک ڈال دیا گیا، پھر آپ سے مناظرہ کیا گیا، مگر مناظروں میں بھی شکست کھا گئے۔''

اس لئے یہ اہل سنت والجماعت کے نام کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے: چنانچہ اہل سنت والجماعت کسی معین امام کی طرف منسوب نہیں ہیں، بلکہ سارے ائمہ خود اہل سنت والجماعت کا حصہ ہیں۔

- پہلا نام: سلفیت اور سلفی۔
- دوسرا نام: اہل سنت والجماعت اور سنت والجماعت۔

- تیسرا نام: اہل الحدیث۔

*** اہل سنت والجماعت کے ناموں میں سے اور جو نام متقدمین علماء کی زبانوں پر وارد ہوئے: اہل حدیث بھی** ہے، یہ نام امام احمد، امام بخاری، شیخ الاسلام وغیرہ اہل علم کی زبانی وارد ہوا ہے۔

امام صابونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یقیناً اصحاب الحدیث جو کتاب وسنت کے ماننے والے ہیں، ان میں جو باحیات ہیں اللہ ان کی حفاظت فرمائے اور جو وفات پا گئے ان پر رحم فرمائے، یہ اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کے لئے رسالت و نبوت کی گواہی دیتے ہیں۔'' یہاں محل شاہد اصحاب الحدیث کا لفظ ہے، کہ انہیں سلف اصحاب الحدیث اور اہل الحدیث کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سلف کا مذہب اصحاب الحدیث اور سنت والجماعت ہے۔'' اس طرح یہ لوگ اصحاب الحدیث، اہل سنت والجماعت سے جانے جاتے ہیں، جیسا کہ گزرا۔

یہاں اصحاب الحدیث سے مراد وہی لوگ نہیں ہیں جو فن حدیث، اس کے نقل و روایت اور حفظ کے اندر متخصص ہیں، بلکہ یہاں اہل حدیث سے مراد ہر وہ شخص ہے جو صحابہ کے منہج پر قائم ہو، اسی لئے اصحاب الحدیث کا لقب بعض اہل سنت کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام اہل سنت کے لئے ہے۔ ہاں اس زمانے میں اہل سنت میں سے بعض لوگ اپنا لقب اہل حدیث رکھے ہوئے ہیں تو یہ ان کی ضرورت ہے، کہ ان کے ملکوں میں دوسروں سے ممتاز ہونے کے لئے یہ لقب ضروری ہے۔ لیکن یہاں اس سے صرف وہی اہل حدیث مراد نہیں ہوں گے جن کے بارے میں علماء نے گفتگو کی ہے، ہاں اگر وہ اہل سنت والجماعت کی موافقت کریں، تو ضرور مراد ہوں گے۔

چنانچہ فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ کے بارے میں امام احمد نے کہا: ''اگر اس سے مراد اہل حدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا پھر کون ہیں؟'' اب ہم اس وقت یہ فضیلت آج کے صرف انہیں اہل حدیثوں کو نہیں دیں گے، بلکہ یہاں اہل حدیث تمام اہل سنت والجماعت کے لئے ہے چاہے وہ فن حدیث کے متخصص ہوں یا نہ ہوں، مگر وہ صحابہ کے منہج پر ہوں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہم اہل حدیث سے مراد صرف انہیں لوگوں کو نہیں لیتے جو فن حدیث کے متخصص ہیں، جو حدیث کو سنتے، اسے لکھتے اور روایت کرتے ہیں، بلکہ ہم اس سے ہر اس شخص کو مراد لیتے ہیں جو اسے یاد رکھتا ہے، اسے سمجھتا ہے، اور ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اس پر عمل کرتا ہے، اسی طرح اہل قرآن کا بھی مسئلہ ہے۔'' یعنی اس سے بھی مراد اہل سنت والجماعت ہیں جیسا کہ ہم نے کہا۔

ممکن ہے کسی کو احادیث سرے سے یاد نہ ہوں مگر وہ صحابہ کے منہج پر ہو تو وہ بھی اہل حدیث ہو گا، کیونکہ یہاں اس سے مقصود حدیث کا متخصص نہیں ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کی طرف سے کہا جاتا ہے، یعنی جیسے آج کوئی آ کر یہ نہیں کہے گا کہ جامعہ اسلامیہ کے اندر کلیۃ الحدیث کے طلبہ اہل حدیث ہیں، یعنی ان میں سے جو اہل سنت والجماعت کے مذہب پر ہو گا وہی اہل حدیث ہو گا، مگر جو کلیۃ الشریعہ میں اہل سنت والجماعت پر ہو گا وہی اہل حدیث ہو گا، یعنی صرف حدیث پڑھنے اور یاد کرنے والے ہی اہل حدیث ہوں گے ایسا نہیں ہے۔

* **اس منہج کے ماننے والوں کا چوتھا نام:** اہل اثر یا اثری کہتے ہیں، اور اس منہج کو اثر کہیں گے، اس کی وجہ: چونکہ ان کا منہج اور عقیدہ آثار اور اسناد پر مبنی ہے، اور ہم نے یہ بات کہی ہے کہ سلف کا منہج صحابہ کے منہج پر قائم ہے، اب ہمیں یہ کیسے معلوم ہو گا کہ صحابہ کرام کا منہج کیسا تھا؟ یقیناً اسے ہم آثار اور اسانید ہی کے ذریعے جان سکتے ہیں، وہ اسانید جو صحابہ کرام تک پہنچتی ہیں، اسی بنیاد پر اس منہج والوں کو اہل اثر، اہل الآثار اور اثریین بھی کہتے ہیں۔

علامہ سفارینی رحمہ اللہ اہل اثر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنا عقیدہ اللہ عزّوجل سے لیتے ہیں جو اس کی کتاب میں موجود ہے، نبی اکرم ﷺ کی سنت میں موجود ہے، یا جو صحابہ و تابعین جیسے سلف صالح سے ثابت اور صحیح وارد ہے۔‘‘

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’ہمارا مذہب اور اختیار رسول اللہ ﷺ، آپ کے صحابہ، تابعین کی اتباع ہے اور مذہب اہل اثر کو لازم پکڑنا ہے، جو ابو عبداللہ احمد بن حنبل کا مذہب تھا۔‘‘

مزید فرمایا: ’’اہل بدعت کی پہچان اہل اثر کی برائی کرنا ہے۔‘‘ اور اہل بدعت کی یہ ایک معروف پہچان ہے کہ یہ لوگ اہل اثر سے کبھی خوش نہیں رہتے، ان کی برائی کرتے ہیں، ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ بھائیو! یہاں بھی اہل اثر سے مراد صرف نام رکھ لینا نہیں ہے بلکہ اعتبار سچائی اور حقیقت کا ہے نہ کہ محض لقب کا۔

* **اس منہج کے ماننے والوں کا پانچواں نام:** فرقہ ناجیہ ہے، اور فرقہ ناجیہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہے جو نار دوزخ اور اختلاف سے محفوظ رہے گی، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب معصوم ہیں، اور سب کے سب جنتی ہیں، انہیں دخول اولیٰ حاصل ہے، نہیں، بلکہ ان بھی گنہگار ہیں، نار دوزخ کے مستحق ہیں اپنے معاصی کی بنیاد پر نہ کہ منہج کی بنیاد پر، یعنی یہ اپنے منہج کی بنیاد پر جنت کے مستحق ہوں گے مگر اعمال کی بنیاد مختلف ہوں گے، کوئی نیکیوں میں سبقت لے جانے والا ہو گا، کوئی گنہگار بھی ہو گا۔

اس لئے آگاہ رہو اس مسئلے میں کہ مسلمانوں کی یہ جماعت منجملہ نار دوزخ سے محفوظ رہے گی، یعنی اپنے منہج کی بنیاد پر، اور اسی طرح اختلاف سے بھی، یہی جماعت ہے حقیقت میں، جس کے اندر اختلاف نہیں، برخلاف دیگر فرقوں کے جنہوں نے پہلی جماعت کی مخالفت کی۔

*** اور یہ نام علماء کی زبانی مشہور ہے:**

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (**العقیدة الواسطیه**) کے شروع میں فرماتے ہیں: ''یہ عقیدہ فرقۂ ناجیہ منصورہ اہل سنت والجماعت کا ہے قیامت تک۔'' اور یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ فرقۂ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کے منہج پر ہوں گے، اور دنیا کے اندر کوئی نہیں جو اس منہج پر ہو سوائے ان لوگوں کے جو منہج سلف پر قائم ہیں، جو بھی منہج سلف کی مخالفت کرے گا وہ اس منہج پر نہیں ہوگا جس پر رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے، بلکہ ان لوگوں کے یہاں بہت سی مخالفتیں ہیں، سوائے اصحاب منہج سلف کے کہ ان کا منہج نبی اکرم اور صحابہ کے منہج کے مطابق ہے۔

*** اس منہج کے ماننے والوں کا چھٹا نام:** طائفہ منصورہ ہے، یہ طائفہ منصورہ مسلمانوں کی وہی جماعت ہے جس کے غالب ہونے اور قیامت تک جس کی مدد کرنے کی ضمانت لے رکھی ہے، یہ جماعت کبھی نہیں ختم ہو سکتی برخلاف دوسرے فرقوں کے، فرقے کسی زمانے میں رہتے ہیں لیکن وہی فرقے دوسرے زمانے میں ختم ہو جاتے ہیں، بلکہ یہ فرقے ایک زمانے میں نہیں ہوتے ہیں پھر اچانک وجود میں آجاتے ہیں، یعنی کبھی ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں۔

ہم کہیں گے: **مطلق طور پر تمام فرقوں کا وجود ایک وقت میں بالکل نہیں تھا**، وہ زمانہ کون سا تھا؟ وہ صحابہ کا زمانہ تھا، فطری طور پر نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے متصل، پھر صحابہ کرام کا زمانہ، اس زمانے میں تمام فرقوں کا وجود بالکل نہیں تھا، نہ اسم کے ساتھ نہ ہی قول و اعتقاد کے ساتھ، اس مبارک زمانے کے بہت بعد ان کا وجود ہوا، پھر ان میں سے اکثر ختم ہو گئے سوائے منہج سلف کے، کیونکہ یہ منہج سلف والی جماعت نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر قیامت تک باقی رہے گی۔

اس طرح یہ طائفہ منصورہ مسلمانوں کی وہی جماعت ہے جس کے غالب ہونے اور قیامت تک جس کی مدد کرنے کی ضمانت لے رکھی ہے، یہ جماعت کبھی نہیں ختم ہو سکتی، ہاں کمزور ہو سکتی ہے لیکن پھر طاقتور ہو جائے گی، البتہ مٹے گی نہیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ**

ظَاہِرُوْنَ ''ترجمہ: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا (اس میں علمی و دینی غلبہ بھی داخل ہے) یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ غالب ہی رہیں گے۔'' فطری طور پر طائفہ منصورہ ہی فرقۂ ناجیہ ہے، البتہ دونوں کی وجہ تسمیہ الگ الگ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دنیا و آخرت کی سعادت مندی صرف رسولوں کی اتباع میں ہے۔'' اللہ کی قسم! بالکل صحیح، جو بھی کوئی سعادت مندی محمد ﷺ کے طریقے کے علاوہ میں تلاش کرے گا وہ گمراہ اور بدبخت ہوجائے گا، وہ کبھی سعادت مند نہیں ہوسکتا، یا تو شہوات کی وجہ سے یا شبہات کی وجہ سے، جو بھی کوئی سعادت مندی حرام چیزوں اور حرام مال کے ذریعے تلاش کرے گا وہ سعادت مندی نہیں پائے گا بلکہ بدبختی ہی پائے گا اپنے نفس اور دل میں ہر جگہ، اسے بغیر نیند کی گولی کے نیند نہیں آئے گی، اور جو کوئی بھی سعادت مندی تلاش کرے گا اہل سنت والجماعت کے سوا دوسرے فرقوں میں ان دولت اور اقتدار دیکھ کر تو اسے بھی کبھی سعادت مندی نہیں مل سکتی، اس کا دل کبھی بھی پُرسکون نہیں ہوسکتا۔

ارشاد نبوی ہے: ''مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ جَمَعَ اللهُ عَلَيْهِ اَمْرَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ اللهُ عَلَيْهِ اَمْرَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَلَمْ يَاْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ'' ترجمہ: ''جس کا مقصودِ زندگی آخرت ہو اللہ تعالیٰ اسے دل جمعی عطا کرتا ہے اور اس کے دل میں استغناء و بے نیازی پیدا کردیتا ہے، اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہوکر آتی ہے اور جس کا مقصود طلب دنیا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی جمع خاطر کو پریشان کردیتا ہے اور اس کی محتاجی اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا ہے، اور دنیا اس کے پاس اتنی ہی آتی ہے جو اس کے لئے مقدر ہے۔''

یہی اٹل حقیقت ہے: سعادت مندی انبیاء کی اتباع میں ہے، اور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد لوگوں کی سعادت مندی محمد ﷺ کی اتباع میں ہے۔

آگے کہتے ہیں: ''اور جب دنیا و آخرت کی سعادت رسولوں کی اتباع میں ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ لوگوں میں اس کے زیادہ مستحق وہ لوگ ہوں گے جنہیں رسولوں کے آثار کے بارے میں زیادہ علم ہوگا اور اسی کی روشنی میں ان کی اتباع زیادہ کرنے والے ہوں گے، چنانچہ جو لوگ رسولوں کے اقوال و افعال کو جان سمجھ کر ان کی اتباع کرتے ہیں وہ ہمہ وقت ہر جگہ سعادت مند ہوتے ہیں۔''

بالکل اختصار کے ساتھ: آپ کی سعادت اسی قدر ہوگی جتنا آپ سنت کی اتباع کریں گے، اور جس قدر سنت کی اتباع اور عمل میں اضافہ ہوگا اسی قدر تمہارے دل میں سعادت مندی بڑھے گی، یہاں تک کہ دنیا ہی میں تم جنت کی زندگی محسوس کروگے، گرچہ تمہارا بدن دنیا کے اندر تکلیف میں ہوگا لیکن دل جنت میں ہوگا۔

آگے فرمایا: ''اس سے طائفہ ناجیہ مراد ہے جو ہر ملت میں پائے جاتے ہیں۔'' جیسا کہ گزرا کہ یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، ستّر دوزخ میں ایک جنت میں، اور نصاریٰ بہتّر فرقوں میں بٹ گئے، اکہتّر دوزخ میں اور ایک جنت میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہی مقصود ہے، اور اس طائفہ سے مراد اس امت میں اہل سنت والجماعت ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے یہ مشہور نام تھے، چنانچہ منہج سلف کے پیروکار انہیں ناموں سے مشہور ہیں، اور یہ نام دوسرے فرقوں کے ناموں سے مختلف ہیں، کیونکہ یہ شریف القاب ہیں جو اسلام کی طرح ثابت ہیں، جن کے اندر کوئی تعصب اور فرقہ بندی نہیں ہے، سوائے اہل حق اور اہل باطل کے درمیان، یہ سلف صالح کے منہج پر چلتے ہیں، اور ان سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہے۔

یہ نام صحابہ پر بھی منطبق ہوتے ہیں، اور ان کے بعد کے لوگوں پر بھی جو ان کے نقش قدم پر چلتے رہے، برخلاف ان فرقوں کے القاب کہ وہ اہل اسلام پر کبھی بھی منطبق نہیں ہوسکتے کسی بھی زمانے میں، کیونکہ صحابہ میں سے کوئی جہمی نہیں تھا، نہ ہی معتزلی تھا، نہ ہی کوئی خارجی تھا، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ صحابہ اہل حدیث تھے، صحابہ اہل اثر تھے اہل سنت والجماعت تھے۔

کیا منہج سلف کی اتباع فرض اور لازم ہے؟ یا ایک اختیاری فضیلت ہے؟ یا کہ یہ بدعت ہے؟

یعنی کیا اس منہج کو اپنانا امت پر واجب ہے کہ جو نہیں اپنائے گا وہ گمراہ اور گنہگار ہوگا؟ یا کہ اختیاری فضیلت ہے کہ جو اسے اختیار کرلے گا گویا اس نے کمال کو اختیار کرلیا، اور جس نے مخالفت کی گویا وہ گمراہی میں جا پڑا؟ یا کہ بدعت ہے کہ جس نے اسے ظاہر کیا اور اس پر عمل کیا اور اس کی طرف دعوت دی وہ گویا بدعت میں واقع ہوا اور بدعت کی طرف دعوت دی؟

بلاشبہ اہل سنت والجماعت کا منہج اختیار کرنا ہی شرعی فریضہ اور واجب ہے، اس امت کے اندر خیر وبھلائی اسی وقت ہوسکتی ہے جب وہ سلف کے مذہب اور ان کے منہج کو اپنائے گی۔

اب ہم ان دلائل کو بیان کریں گے جنہیں علماء نے منہج سلف صالح کی اتباع کی فرضیت پر ذکر کیا ہے، اور یہ کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ منہج سلف صالح کی مخالفت کرے، اور جو اس منہج کی مخالفت کرے گا وہ گنہگار ہوگا:

قرآن سے اس کی دلیل: ارشاد باری ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ الۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا﴾ [نساء:۱۱۵] ترجمہ: ''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

فرمان باری ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ﴾ کا مطلب یہی ہے کہ جو نبی ﷺ کی مخالفت کرے گا گویا وہ ایک جانب ہوگا اور نبی اکرم ﷺ دوسری جانب، اور فرمان باری ﴿مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدَىٰ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ طریقہ اور دلائل واضح ہو جانے کے بعد۔

فرمان باری: ﴿وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ الۡمُؤۡمِنِينَ﴾ کا مطلب یہ ہے بھائیو! کہ راہ مومن کو چھوڑ کر دوسری کسی راہ کی اتباع کرنے کو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی مخالفت کے برابر قرار دیا ہے، کیونکہ دونوں کا انجام ایک ہی بیان کیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کی مخالفت حرام ہے بالکل اسی طرح مومنوں کی راہ کی مخالفت کرنا بھی حرام ہے، ارشاد باری ہے: ﴿نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ﴾ یعنی وہ اختلاف میں پڑے گا اور فرقوں کی پیروی کرے گا۔

* ایسی صورت میں اختلاف سے بچنے کا کیا راستہ ہے؟ وہ یہ ہے کہ آپ نبی اکرم ﷺ کے راستے اور مومنوں کے راستے پر ہوں، اور ان شاء اللہ آیت کی روشنی میں اس کی وضاحت آئے گی۔

* اختلاف اور فرقوں میں پڑنے کا کیا سبب ہے؟ اور کیا ضروری ہے کہ آپ کسی فرقے کے ساتھ ہوں نبی ﷺ اور مومنوں کے راستے کی مخالفت کر کے؟

﴿نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ﴾ یعنی وہ اختلاف میں پڑے گا اور فرقوں کی پیروی کرے گا۔ یہ اس کے ساتھ دنیا میں ہوگا، ﴿وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا﴾ اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ یہ آخرت میں ہوگا۔

یہ آیت جس وقت نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اس وقت مومن کون تھے؟ وہی صحابہ تھے۔ اس لئے یقینی اور قطعی طور پر اس آیت میں مومنوں سے مراد وہی ہوں گے، اور بلا شبہ وہی مومنوں کی جان اور ان کے سردار ہیں، اور یہی دلیل ہے صحابہ کے راستے کی اتباع کے وجوب پر، اور یہ کہ صحابہ کے راستے کی مخالفت یقینی طور پر فرقہ بندی اور اختلاف

میں ڈال دے گی، اور ایسا گناہ ہے جو نارِ دوزخ کا سبب بنتا ہے۔

اس کی مزید دلیل اللہ عزوجل کا یہ قول بھی ہے: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِي مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّىٰكُم بِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [انعام: ۱۵۳] ترجمہ: ''اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمہیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔''

﴿وَأَنَّ هَٰذَا﴾ عربی زبان میں (أَنَّ هٰذَا) اشارہ قریب کے لئے ہوتا ہے جو کہ سامنے موجود ہو، چنانچہ (**من هو زيد بن غانم؟**) زید بن غانم کون ہے؟ کے جواب میں اگر وہ غائب ہے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے: یہ وہی ہے، لیکن اگر وہ اس مرکز کے بغل میں ہوتا ہے تو پھر کہہ سکتے تھے۔

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِي﴾ یعنی وہ راستہ جو نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں تھا، اور جس پر صحابہ کرام تھے، یہ وہی صراط مستقیم ہے جسے لازم پکڑنا ہم پر واجب ہے، اور اس کی مخالفت کرنا حرام ہے، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِي مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ﴾ اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو، اور یہ حکم ہے جو وجوب کا تقاضہ کرتا ہے، ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلسُّبُلَ﴾ اور دوسرے راستوں پر نہ چلو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صراط مستقیم کی مخالفت دوسرے گمراہ کن راستوں تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسا کہ آگے ارشاد ہے: ﴿فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّىٰكُم بِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمہیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔

بھائیو! بلاشبہ صحابہ کرام اسی راستے پر تھے: صراط مستقیم پر، اور ہم ہمیشہ اسی پر قائم رہنے کی اللہ سے دعا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اسی صراط مستقیم کا ذکر کیا ہے اپنی کتاب میں اپنے رسول کی زبانی، اور اسی صراط مستقیم پر صحابہ کرام تھے۔

اگر کوئی آکر اس مسئلہ پر اختلاف کرے تو ہم اس سے ایک سوال کریں گے: کیا صحابہ کرام صراط مستقیم پر تھے یا نہیں تھے؟

* اگر کہتا ہے: صراط مستقیم پر نہیں تھے، تو ہم کہیں گے: تم گمراہ ہو، کیونکہ صحابہ کرام کے اندر عیب ایک گمراہ ہی لگا سکتا ہے۔

* اور اگر کہتا ہے: وہ صراط مستقیم پر تھے تو ہم کہیں گے: پھر تم پر بھی واجب ہے کہ ان کا منہج اختیار کرو، کیونکہ اللہ عزوجل نے اسی راستے کی اتباع کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح قرآن کی ایک دلیل یہ بھی ہے: ارشاد باری ہے: ﴿وَٱتَّبِعۡ سَبِيلَ مَنۡ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ [لقمان:۱۵]
ترجمہ: ''اوراس شخص کے راستے پر چل جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔''

﴿وَٱتَّبِعۡ﴾ یہ امر ہے اور امر وجوب کا تقاضہ کرتا ہے، اور سبیل طریق کو یعنی راستے کو کہتے ہیں، پس اللہ نے اس شخص کے راستے پر چلنے کو واجب کہا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اور کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرے گا کہ انبیاء کے بعد سب سے زیادہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے صحابہ تھے، چنانچہ ہم پر واجب ہوا کہ ہم ان کے راستے کی اتباع کریں۔

اسی طرح قرآن کی ایک دلیل یہ بھی ہے: ارشاد باری ہے: ﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلۡأَوَّلُونَ مِنَ ٱلۡمُهَٰجِرِينَ وَٱلۡأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحۡسَٰنٖ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُ وَأَعَدَّ لَهُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي تَحۡتَهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدٗاۚ ذَٰلِكَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ﴾ [توبہ:۱۰۰] ترجمہ: ''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلۡأَوَّلُونَ مِنَ ٱلۡمُهَٰجِرِينَ وَٱلۡأَنصَارِ﴾ ''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ'' ان سے صحابہ کرام مراد ہیں۔

﴿وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحۡسَٰنٖ﴾ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو صحابہ کی اتباع کرتے ہیں، اور یہ صحیح منہج ہے جسے یہاں بیان کیا گیا ہے کہ اصل صحابہ ہیں اور پھر ان کے راستے کی خیر وبھلائی میں اتباع کرنے والے۔

﴿رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُ﴾ آخری آیت تک، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کے راستے کی اتباع کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ اسی راستے سے راضی ہے، اور صحابہ سے بھی راضی ہے، اس لئے صحابہ کے راستے کی اتباع واجب ہوئی۔

یہ قرآن سے چند دلیلیں تھیں نہ کہ ساری دلیلیں، ان کے علاوہ سنت، اجماع اور عقل سے بہت ساری دلیلیں ہیں، ان شاء اللہ اگلی مجلس میں اس پر گفتگو ہوگی۔

منہج سلف کی اتباع کا حکم

الحمدُ للهِ ربِّ العالَمين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتَمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً لِلْعالَمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

سب سے پہلے میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس بھائی کی مغفرت فرمائے جس کی وفات معہد میں ہوگئی ہے، اور اس پر رحم فرمائے، اس کے درجات کو بلند کرے، اور ہم سب کو توحید وسنت پر قائم رکھے اور ہماری وفات ہو اس حال میں کہ اللہ ہم سے راضی ہو۔

پھر میں آپ سب کا استقبال کرتا ہوں بروز جمعرات اس علمی دورے کی چوتھی مجلس میں، اور آج کی پہلی مجلس میں، اور (**منہج سلف صالح**) کے موضوع پر یہ تیسری مجلس ہے، اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں توفیق دے اور علم وعمل کی برکت سے نوازے نیز اس پر ثابت قدم رکھے۔

پچھلی مجلس میں ہم اس بہت ہی اہم حکم کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور اس کا جواب دے رہے تھے، یعنی مذہب سلف صالح کی اتباع کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ فرض اور ضروری ہے جس سے خروج جائز نہیں کسی بھی زمانے میں، اور جو مذہب سلف سے خارج ہو گیا وہ گنہگار ہوگا، یا یہ کہ مذہب سلف کی اتباع کرنا صرف ایک اختیاری فضیلت ہے، یا یہ کہ مذہب سلف صالح کی اتباع کرنا ایک نئی بدعت ہے جس پر متقدمین نہیں تھے؟

اور ہم نے یہ بھی ذکر کیا کہ اس معاملے میں اگر کوئی گہرائی سے غور وفکر کرے گا تو یہی پائے گا کہ مذہب سلف صالح کی اتباع ایک محکم شرعی فریضہ ہے، اور مسلمان پر اسے لازم پکڑنا واجب ہے، اور یہ کہ اس مذہب سے کنارہ کشی نہ کرے، اور ہم نے یہ بھی کہا کہ اس پر کتاب وسنت اور اجماع سے بہت ساری دلیلیں بھی ہیں، جیسا کہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اسے ثابت کیا ہے، اور ہم نے قرآن سے بعض دلیلوں کا ذکر بھی کیا جنہیں پڑھنے اور سمجھنے والا ضرور اس عظیم حکم کو سمجھ جائے گا کہ مذہب سلف صالح پر عمل کرنا واجب ہے۔

آج ہم مزید دلیلوں کا ذکر کریں گے جو اس حکم عظیم پر دلالت کرتی ہیں، پھر سنت سے کچھ دلیلوں پر گفتگو کریں گے:

انہیں میں سے ایک دلیل عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ''أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' ترجمہ: ''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس حدیث کو امام احمد، ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے اندر نبی اکرم ﷺ نے یہ واضح کر دیا کہ امت کے اندر اختلاف ضرور واقع ہوگا، اور یہ اختلاف کوئی معمولی اور تھوڑا نہیں ہوگا، بلکہ بہت زیادہ ہوگا، اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ اختلاف صحابہ کے آخری دور میں ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ'' اس لئے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا' یعنی میرے بعد جس کی عمر تم میں سے زیادہ ہوگی۔

''فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا'' عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ اور یہ حقیقت میں واقع ہوا، کیونکہ صحابہ کے آخری دور میں بہت سے فرقے وجود میں آئے، اس وقت بعض صحابہ باحیات تھے۔

چنانچہ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے یہ واضح کر دیا کہ امت کے اندر اختلاف ضرور واقع ہوگا، وہ ہوا، اور یہ اختلاف اس امت میں باقی رہے گا، لیکن اس اختلاف سے بچنے کے لئے ہماری خاطر ایک منہج بھی بتا دیا' جس کی ہمیں اتباع کرنا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس منہج کے جو بھی خلاف ہو اس کا ترک کرنا واجب ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ'' تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا۔ اس طرح جس منہج کی اتباع کرنا ضروری ہے وہ سنت رسول اور صحابہ کا منہج ہے۔

پس جو منہج سنت کی شان بلند کرتا ہو اور سنت کو قرآن کے ساتھ ہر چیز پر بالادستی عطا کرتا ہو، اسی کی اتباع ضروری

ہے، اور یہ صرف اور صرف سلف صالح کے منہج سے معلوم ہوسکتا ہے، اسی طرح خلفاء راشدین کے منہج سے معلوم ہوسکتا ہے، اور یہی منہج صحابہ کا منہج ہے، کیونکہ خلفاء راشدین کے زمانے میں صحابہ کثرت سے موجود تھے، اسی طرح تابعین بھی، بعینہ یہی سلف صالح کا منہج ہے، جس پر قائم رہنے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے تاکید کی ہے اور اسے واجب قرار دیا ہے۔

یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ اس منہج کے خلاف جو بھی ہوگا' وہ بدعت ہوگا، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ**'' ترجمہ: ''تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقۂ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا۔''

یہیں سے ہم نے جانا کہ جو بھی اس منہج کے مخالف ہوگا وہ ان نکالی گئی نئی باتوں میں شامل ہوگا' جن سے ایک مومن کو وجوبی طور پر بچنے کے لئے کہا گیا ہے، کیونکہ ''**وَإِيَّاكُمْ**'' کا معنیٰ ہی کسی چیز سے بچنے کی تاکید کرنا ہے، اور یہ امر کے لئے آتا ہے' جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، اور آگے یہ نبی اکرم ﷺ کا قول بھی: ''**وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**'' اسی پر دلالت کرتا ہے۔

مذہب سلف ہی کے اندر سلامتی ہے اور یہی درست منہج ہے اور اسی کی اتباع واجب ہے اس پر سنت سے ایک دلیل یہ بھی ہے، ارشاد نبوی ہے: ''**أَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ، وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ**'' ترجمہ: ''اور میں بچاؤ ہوں اپنے اصحاب کا جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر بھی وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ (یعنی فتنہ اور فساد اور لڑائیاں) اور میرے اصحاب بچاؤ ہیں میری امت کے جب اصحاب چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائے گا جس وعدہ ہے۔'' (صحیح مسلم)

پس نبی اکرم ﷺ امت کے لئے خیر کا دروازہ اور شر کا تالہ ہیں، آپ امت کے لئے شر سے بچاؤ ہیں، بچاؤ ہیں اپنے دور میں بھی اور بعد میں آنے والوں کے لئے بھی، چنانچہ جو بعد میں آئے اور آپ کی سنت کو لازم پکڑے تو بتوفیق الٰہی اس کے لئے بھی شر سے بچاؤ ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کو شر سے محفوظ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ سنت کو لازم پکڑے، اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ سلف صالح کے منہج کے یہ اصول میں سے ہے کہ کتاب وسنت کو

لازم پکڑا جائے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی بیان کر دیا کہ آپ کے صحابہؓ آپ کی امت کے لئے ہر شر وفتن اور گمراہی سے بچاؤ ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گمراہی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ صحابہ کے منہج کو لازم پکڑا جائے، اور اس منہج کو ترک کرنا ہی گمراہی ہے، اور ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ زیغ وضلال سے آگاہ رہے اور اس سے اجتناب کرے۔

مذہب سلف صالح کی اتباع کے وجوب پر ایک دلیل یہ بھی ہے: ارشاد نبوی ہے: ''**إِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، كُلُّهَا فِي النَّارِ، إِلَّا وَاحِدَةً وَهِيَ الْجَمَاعَةُ**'' ترجمہ: ''میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک کے سب جہنمی ہوں گے، اور وہ ''**الجماعة**'' ہے، (وہ جماعت جو میری اور میرے صحابہ کی روش اور طریقے پر ہو)۔''

اور جیسا کہ ہم نے یہ واضح کیا کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ امت کے اندر اختلاف واقع ہوگا اور بہت زیادہ ہوگا، اور حق تمام فرقوں کے ساتھ نہیں ہوگا، بلکہ منجملہ سارے فرقے خطا پر ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے۔ بھائیو! ہم نے منجملہ تمام فرقوں کا نام لیا ہے، کیونکہ ہر وہ فرقہ جو اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے اس کے اندر کچھ نہ کچھ سچائی ہوتی ہے، لیکن منجملہ وہ خطا پر ہوتا ہے، عقائد میں اختلاف، احکامات میں مخالفتیں پائی جاتی ہیں۔

یہ مقصد بالکل نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام ایک دائرہ ہے ہمیں اسی دائرے کے اندر کہیں نہ کہیں رہنا چاہئے، حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے بیان کیا ہے کہ یہ سارے فرقے اسی امت میں ہوں گے اور نار دوزخ کے مستحق ہوں گے، ان میں کچھ کفر کی وجہ سے مستحق نار ہوں گے، سوائے ایک فرقے کے، اور اسی فرقے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے جماعت کہا ہے، اور یہ جماعت مذہب اہل سنت والجماعت ہے اور یہی سلف صالح کا مذہب ہے۔

اور ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ''**مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي**'' ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے۔'' اور یہ جماعت کی تفسیر ہے، یعنی سنت نبوی اور طریق صحابہ کو لازم پکڑنا، اور یہی سلف صالح کا منہج ہے، سنت نبوی کو لازم پکڑنا اور صحابہ کرام کے منہج پر عمل کرنا۔

*** اور جہاں تک آثار کا تعلق ہے، تو واضح رہے کہ اس مسئلے میں آثار بہت ہیں جو منہج سلف کی اتباع کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں:**

انہیں میں سے ایک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ آپ نے فرمایا: ''مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَوْهُ سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ سَيِّئٌ'' ترجمہ: ''مسلمان جس کو اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے اور مسلمان جسے برا سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہوتا ہے۔''

حقیقت میں یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے مگر بعض فقہاء اور علماء قواعد اسے مرفوع حدیث کے طور پر روایت کرتے ہیں، لیکن حدیث کی کتابوں میں مرفوع کے طور پر یہ روایت وارد نہیں ہوئی ہے۔

حافظ علائی نے اس اثر کو اپنی کتاب ''المجموع المذهب في قواعد المذهب'' کے اندر ذکر کیا ہے جن سے محدثین نے نقل کیا ہے، اس کتاب کے اندر جو کہ شافعی مذہب پر فقہی قواعد کی تفصیل پر لکھی گئی ہے، کہتے ہیں: ''اس روایت کو تلاش بسیار اور کشف وسوال کے باوجود میں نے حدیث کی کتابوں میں نہیں پایا، بلکہ کوئی ضعیف سند کے ساتھ بھی نہیں ملی، حقیقت یہ ہے کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور یہ روایت موقوف ہے۔''

حافظ علائی جن کا شمار حفاظ حدیث میں ہوتا ہے جب آپ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ: ''اس روایت کو تلاش بسیار اور کشف وسوال کے باوجود میں نے حدیث کی کتابوں میں نہیں پایا، بلکہ کوئی ضعیف سند کے ساتھ بھی نہیں ملی، حقیقت یہ ہے کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور یہ روایت موقوف ہے۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس موقوف روایت کو امام احمد نے روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر نے کہا: اسے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور اسی طرح البانی نے بھی کہا: یہ حسن روایت ہے، یعنی موقوف حسن ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ اہل بدعت اس روایت سے اپنی بدعت پر دلیل پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم مسلمان ہیں، اور ہم جشن میلاد منانا اچھا سمجھتے ہیں، اور مسلمان جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے، ہم ایسی صورت میں ان سے کہیں گے: ہم بھی مسلمان ہیں، ہم اسے برا سمجھتے ہیں، اور مسلمان جسے برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہوتا ہے۔

چنانچہ بدعت پر اس اثر سے دلیل پکڑنا درست نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کی حالت دو حال سے خالی نہیں:

* یہ کہ اس کے اندر (المسلمون) میں (ال) عہد کا ہے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے معہود صحابہ ہیں، بلکہ سیاق اثر اسی پر یقینی طور پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد صحابہ ہیں، کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اثر کے شروع میں کہتے ہیں: ''إِنَّ اللهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ، فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ، فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ، يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ، فَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ''ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں دیکھا تو محمد ﷺ کے دل کو سب سے بہتر پایا، تو اسے اپنے لئے چن لیا، اور آپ ﷺ کو اپنی رسالت دے کر مبعوث فرما دیا، پھر محمد ﷺ کے دل کے بعد دوبارہ بندوں کے دلوں میں غور کیا تو تمام بندوں میں سب سے بہتر دل آپ ﷺ کے صحابہ کے دل کو پایا تو انہیں کو اپنے نبی کا وزیر اور ساتھی بنا دیا، جو اس کے دین کی خاطر لڑتے ہیں، پس مسلمان جس کو اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے۔''

* یا تو (ال) جنس کے لئے ہوگا، اور جب جنس کے لئے ہوگا تو استغراق پر دلالت کرے گا، ایسی صورت میں تمام مسلمان مراد ہوں گے، اور معنیٰ ہوگا: جسے تمام مسلمان بہتر سمجھیں، اور اس صورت میں بھی بدعت داخل نہیں ہوگی۔

* **اگر اس سے ہم صحابہ کو مراد لیں گے اور ہم نے یہی کہا ہے،** جیسا کہ سیاق اسی پر دلالت بھی کرتا ہے، تو ایسی صورت میں ہم ان سے کہیں گے: تم کوئی ایک ہی دلیل لے آؤ اپنی اس بدعت پر جس پر تم عمل کرتے ہو، کہ اس پر کسی ایک بھی صحابی نے عمل کیا ہو، ہم تمام صحابہ کی بات نہیں بلکہ صرف ایک صحابی کی بات کرتے ہیں، بصورت دیگر تمہارا استدلال صحیح نہیں ہوگا، بلکہ دوسری حالت میں داخل ہوگا یعنی مسلمان جسے برا سمجھیں۔

* **اور جب اس سے مقصود تمام مسلمانوں کو لیں گے:** تو اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مسلمان بدعتوں کو اچھا نہیں سمجھتے اور نہ ہی تمام مسلمان ان پر عمل کرتے ہیں، ایسی صورت میں بھی تمہارا استدلال درست نہیں ہوگا۔

اب ہم اپنے مقصود کی طرف آتے ہیں: مسلمان جسے اچھا سمجھیں یعنی صحابہ جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے، اور وہ جسے برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہوتا ہے، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کے منہج کی اتباع واجب ہے، اور اس سلسلے میں متقدمین سلف سے آثار بہت ہیں۔

*** اجماع سے دلیل:**

ابن قدامہ وغیرہ نے منہج سلف صالح کی اتباع کے وجوب پر اجماع نقل کیا ہے، اور اس پر معقول بھی دلالت کرتا ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ صحابہ جس منہج پر تھے کیا وہ حق ہے یا باطل؟

* اگر کہنے والا کہتا ہے: حق ہے، تو کہیں گے: پھر تم پر اس کی اتباع واجب ہے، کیونکہ حق کے بعد گمراہی کے سوا

کچھ نہیں ہے۔

* اور اگر کہتا ہے: باطل ہے، تو ہم کہیں گے: تم نے قرآن وسنت کی تردید کی ہے، کیونکہ قرآن میں صحابہ سے اللہ کی رضامندی کا ذکر ہے، اور اللہ ان سے اس حال میں راضی نہیں ہوسکتا کہ وہ باطل پر ہوں، اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا اس حال میں کہ آپ بھی ان سے راضی تھے، اس طرح تمہارا قول باطل اور منکر ٹھہرا، اور اس صورت میں بھی صحابہ کے منہج کی اتباع واجب ہوئی۔

اب اس کے بعد ہم ایک دوسرے نقطے کی طرف منتقل ہوتے ہیں: اور وہ ہے اہل سنت والجماعت کی نشانیاں، سلفیوں کی نشانیاں، وہ نشانیاں جن کی وجہ سے اہل بدعت سے ممتاز ہوتے ہیں:

* **انہیں نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ:** یہ اہل اتحاد ہیں، اتفاق واتحاد اور حق کی طرف دعوت دیتے ہیں، اتحاد واتفاق کو پورا کرتے ہیں، اختلاف سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں، اللہ کی اس رسّی کو تھام کر رکھتے ہیں جس پر جماعت کی بنیاد ہے، برخلاف دوسروں کے جوکہ اہل اختلاف ہیں، پہلی بات یہ کہ یہ جماعت سے دور ہیں، کیونکہ انہوں نے جماعت کو چھوڑ دیا اور دلیل کو ترک کردیا، چنانچہ مذہب سلف کی مخالفت کرنے والے جتنے فرقے ہیں سب جماعت کے مخالف ہیں، کیونکہ انہوں نے سنت کی مخالفت کی اور دلیل کو ترک کردیا اور صحابہ کی جماعت سے الگ ہوگئے، پھر جن اصولوں پر اپنے فرقے کو بنایا وہ اصول باطل ہیں، کیونکہ جس کی بنیاد ہی باطل پر ہوگی اس کا نتیجہ اختلاف، نزاع اور لڑائی جھگڑا ہی نکلے گا، اور فرقوں کے درمیان یہی حقیقت ہے، ایسی صورت میں سلفیت کی نشانی ہر زمانے میں واضح ہے کہ سلفی، جماعت کی محافظت کا حریص ہوتا ہے، جماعت میں تفریق نہیں ڈالتا، بلکہ جماعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔

* **اہل سنت والجماعت کی ایک نشانی یہ ہے کہ:** یہ کسی متعین شخص کے لئے تعصب نہیں برتتے ہیں، بلکہ حق کے لئے لڑتے ہیں اور ہر اس شخص کے لئے جو حق پر ہوتا ہے، یہ اشخاص کے لئے تعصب نہیں کرتے، نہ ہی کسی خاص جماعت کے لئے تعصب کرتے ہیں، نہ کسی جمعیت کے لئے اور نہ ہی کسی کمیٹی کے لئے اور نہ کسی دوسری چیز کے لئے، ان کی شان یہی ہے کہ یہ صرف حق کے لئے لڑتے ہیں، اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور اسی کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں، ایک سلفی کسی بھی جگہ ہوسکتا ہے، کسی جمعیت کے ساتھ، کسی کمیٹی کے ساتھ، پھر اگر دیکھتا ہے کہ یہ جمعیت یا کمیٹی سلفی منہج سے ہٹ رہی ہے کسی بھی اصول میں تو یہ سلفی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ سلفی حق کے ساتھ رہتا ہے خواہ حق کہیں بھی

ہو، وہ کسی ساتھی، شیخ یا کسی بھی شخص کے لئے تعصب نہیں کرتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مطلق طور پر کسی شخص کے لئے تعصب نہیں برتا جاسکتا سوائے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے، اور نہ ہی کسی جماعت کے لئے سوائے صحابہ کرام کی جماعت کے، کیونکہ ہدایت صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے، اور اسی طرح آپ کے صحابہ کے ساتھ ہے۔''

اسی لئے سلفی منہج کے پیروکار صرف نبی اکرم ﷺ کے لئے اور آپ کے ان صحابہ کرام کے لئے تعصب کرتے ہیں جن کا تزکیہ اللہ نے اور خود رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، اور یہ لوگ حق اور اہل حق کے لئے لڑتے ہیں، خواہ حق کہیں بھی کسی بھی جگہ ہو، اور اہل حق کے لئے لڑنا ہی شرعاً اصل مطلوب ہے اور محمود بھی ہے، اور جو چیز قابل مذمت ہے وہ یہ کہ کسی خاص جماعت کے لئے تعصب برتا جائے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔

بھائیو! اگر کہیں پر سلفی احباب اپنی دعوت کی خاطر جمعیات یا ریڈیو وغیرہ کھولنا چاہتے ہوں، تو ایسی صورت میں قیام حق اور دعوت حق کے لئے جمعیات یا ریڈیو اسٹیشن وغیرہ کے کھولنے میں کوئی حرج نہیں، اور ایسی جمعیت کا ساتھ دینا چاہئے، صرف اس لئے کہ وہ حق پر ہے اور حق کا دفاع کرتی ہے، اور اس کے خلاف جو شبہات وارد کئے جائیں انکار کرنا چاہئے، کیونکہ وہ حق پر ہے، یہ مذموم نہیں ہے، مذموم یہ ہے کہ کسی جمعیت کا ساتھ دیا جائے مطلق طور پر خواہ وہ حق کی مخالفت ہی کیوں نہ کرے۔

اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کسی خاص گروہ کے لئے مطلق طور پر تعصب کرنا منع ہے اور یہ جاہلی عمل ہے، لیکن اگر کسی گروہ کا ساتھ دیا جائے اس کے حق پر ہونے کی وجہ سے، بلاکسی ذاتی مقصد کے تو یہ اچھا عمل ہے۔''

* **یہیں سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایک سلفی کی پہچان یہ ہے** کہ وہ حق کو لازم پکڑتا ہے نہ کہ اپنی رائے کو، اگر اسے پتہ چل جائے کہ اس کی رائے حق کے خلاف ہے مذہب سلف کے مخالف ہے تو وہ اپنی رائے کو چھوڑ دیتا ہے، اسی میں پڑا نہیں رہتا، وہ حق کی طرف رجوع کر لیتا ہے، لیکن جو شخص اپنی رائے کو پکڑ کر رکھتا ہے اور اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا بلکہ اسے ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی تاویلیں کرتا ہے، باوجویکہ وہ باطل ہے، تو یہ ایک سلفی کی پہچان نہیں ہے، ہمارے او پر واجب ہے کہ ہم حق کی طرف رجوع کرنے والے بنیں، ہم میں سے اگر کوئی قول وعمل میں کسی بھی اعتبار سے غلطی کر دے، پھر اسے کسی نیک ساتھی کے ذریعے اللہ یہ توفیق دے کہ غلطی اس کے سامنے واضح

ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ اللہ سے معافی مانگے اور حق کی طرف رجوع کرلے۔

* **اہل سنت والجماعت اور سلفیوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ:** یہ اہل حق کی توقیر اور تکریم کرتے ہیں اور اہل حق میں سب سے پہلا مرتبہ صحابہ رسول کا ہے، چنانچہ یہ صحابہ کی توقیر کرتے ہیں، ان میں سے کسی پر سبّ وشتم نہیں کرتے، ان کے اختلافی معاملے میں سکوت کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان میں سے ہر ایک کا مقصد نیک اور حق ہی تھا۔

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قاضی ابو یوسف نے سچ کہا - یہ کبار احناف میں سے بلکہ ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں - جب ان سے اس شخص کی گواہی کے بارے میں سوال کیا جاتا جو سلف صالح پر سبّ وشتم کرتا ہو - یعنی کسی صحابی مثلاً عثمان رضی اللہ عنہ یا علی رضی اللہ عنہ یا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سبّ وشتم کرتا - تو فرمایا: اگر میرے نزدیک یہ بھی ثابت ہو جائے کہ کسی کے تعلق سے کہ وہ اپنے پڑوسی پر سبّ وشتم کرتا ہے تو بھی میں اس کی گواہی قبول نہیں کروں گا، کیونکہ ایک مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، اور ایک مسلمان عادل ہوتا ہے گالی دینے والا لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا، اور قاضی صاحب جب ایک پڑوسی کو گالی دینے کی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کر رہے ہیں تو پھر اگر اس امت کے سب سے افضل لوگوں کو گالی دے گا تو کیسے اس کی گواہی قبول کریں گے؟ صحابہ جیسے بزرگ ہستیوں کو گالی دے گا تو اس کی گواہی کیسے قبول کریں گے؟ بلاشبہ اس کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ فاسق وفاجر ہوگا بلکہ اس سے بھی بڑا مجرم اور گنہگار ہوگا۔

* **اہل سنت والجماعت کی ایک نشانی یہ ہے کہ:** یہ لوگ اکثر شرعی اعتبار سے آسانی والے ہوتے ہیں، تشدد سختی اور غلو کے خلاف ہوتے ہیں، بلکہ ان سے لوگوں کو دور رکھتے ہیں، اور انہیں آسانی کا حکم دیتے ہیں، ساتھ ہی تساہل اور کاہلی و سستی سے روکتے ہیں، چنانچہ سلفی منہج کے پیروکار ہر جگہ تشدد وسختی سے محفوظ رہتے ہیں، اور بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ سلفی غلو اور تشدد کرتے ہیں یہ ان کی جہالت اور نادانی کی دلیل ہے یا یہ حاقد اور حاسد لوگ ہیں یا متساہل اور فاسد لوگ ہیں۔

* یا تو وہ سلفیوں سے جاہل ہوگا، صرف ان کے بارے میں سنتا ہوگا جبکہ انہیں جانتا نہیں ہوگا۔
* یا تو وہ سلفیوں کا دشمن مطلب پرست ہوگا جو سلفیوں کو بدنام کرنا چاہتا ہوگا کہ لوگ ان کی بات نہ سنیں۔
* یا وہ دین کے اندر بہت ہی متساہل اور کاہل ہوگا، اپنی تساہلی اور کاہلی کی وجہ سے اہل حق کو متشدد کہہ رہا ہوگا۔

اہل سنت سلفی ہر زمانے میں معتدل رہے ہیں نہ وہ غلو کرتے ہیں اور نہ ہی تساہل اور کاہلی سے کام لیتے ہیں، بلکہ دونوں کے درمیان متوسط رویہ اختیار کرتے ہیں۔

ساتھیو! یہ معلوم رہے کہ غلو مذموم ہے، تساہل اور کاہلی مذموم ہے، بلکہ مذاہب اربعہ کے تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ جو تساہل اور کاہلی میں معروف ہو اس سے فتویٰ نہیں لیا جائے گا، یعنی جو تساہل میں معروف ہوگا، وہ دلیلوں سے واقف نہیں ہوگا، جیسا کہ امام نووی وغیرہ نے بیان کیا ہے، کہ تمام فقہاء متفق ہیں کہ اس سے فتویٰ نہیں لیا جائے گا، اور غلو بھی مذموم ہے جیسا کہ معلوم ہے۔

ساتھیو! یہ بھی معلوم ہے کہ سلفی سنت کو لازم پکڑتے ہیں، اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ سنت کو لازم پکڑتے ہیں تو اس سے مراد کتاب وسنت ہوتا ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ''ترجمہ: ''تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''

یعنی لوگوں کے ساتھ تعامل کرنے میں جس قدر ممکن ہو آسانی سے کام لے گا، اس حدیث کو غور سے دیکھیں کہ کس ضمن میں وارد ہوئی ہے؟ ایک اعرابی کے بارے میں جو مسجد نبوی میں داخل ہوا تھا، اور مسجد کے ایک کونے میں جا کر پیشاب کرنے لگا تھا، تو صحابہ نے اسے ڈانٹنا شروع کیا، یہ بہت بڑی چیز ہے کہ ایک آدمی مسجد میں پیشاب کر رہا ہے، اور نبی اکرم ﷺ فرما رہے ہیں: ''دَعُوهُ لَا تُزْرِمُوهُ وَأَهْرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ''ترجمہ: ''اسے چھوڑ دو اس کا پیشاب نہ روکو اطمینان سے کر لینے دو اور جہاں اس نے پیشاب کیا ہے اس جگہ پر پانی کا ایک ڈول بھرا ہوا بہا دو۔''

پھر فرمایا: ''فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ''ترجمہ: ''تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''

چنانچہ لوگوں کے ساتھ تعامل اور برتاؤ کرنے میں حتی الامکان نرمی کا حکم ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور سختی اسی وقت کی جائے گی جب اس کی سخت ضرورت ہوگی، لیکن کبھی سختی کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ بعض لوگ نرمی سے گفتگو کرنے ہی سے برائی چھوڑ دیتے ہیں، اور بعض لوگ بغیر سختی کے باز نہیں آتے، جبکہ بعض لوگ بغیر سزا کے باز نہیں آتے، ایسی صورت میں ہر ایک کے ساتھ اس کی حالت کے اعتبار سے برتاؤ کیا جائے گا۔

اس مسئلے میں سب سے بہتر بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دونوں ہاتھوں کی طرح ہے، کہ ایک ہاتھ دوسرے کو دُھلتا ہے، ایسا ممکن ہی نہیں کہ صرف ایک ہاتھ خود سے دُھل جائے، اسے دوسرے ہاتھ کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح ہر مومن کا حال ہے کہ اسے اپنے مومن

بھائی کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ اسے نصیحت کرے، اس کی صحیح رہنمائی کرے، اور یہ معلوم ہے کہ جب آدمی اپنے ہاتھوں کو دُھلتا ہے تو نرمی اختیار کرتا ہے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کبھی اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ گندگی کو کھرچ کے صاف کیا جائے، یعنی آپ مرغن چیزیں کھاتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں میں چربی لگ جاتی ہے جو عام پانی سے آسانی کے ساتھ نہیں جاتی، اسے سختی سے کھرچنے کی ضرورت پڑتی ہے، یہی معاملہ لوگوں کے ساتھ تعامل اور برتاؤ کرنے میں ہے، کہ کبھی کبھی سختی کی ضرورت پڑتی ہے، خاص کر جو حق سے اعراض کرے اسے سختی کی ضرورت ہے۔"

اسی نشانی میں یہ بھی ہے یعنی سلفی آسانی پیدا کرنے والے اور آسانی برتنے والے ہوتے ہیں، وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں، اچھے برتاؤ سے پیش آتے ہیں، آسانی کا یہ مطلب نہیں کہ آپ لوگوں کے لئے رخصتیں تلاش کرو یہاں تک کہ انہیں حرام کاموں میں ڈال دو، یعنی کوئی آ کر کہے: بھائی! آج مسلمان بڑی پریشانیوں اور مصیبتوں میں گھرے ہیں، جب ہم ان سے یہ کہتے لگیں گے کہ یہ حرام ہے وہ حرام ہے تو وہ مزید پریشانیوں میں مبتلا ہو جائیں گے، ہم ان پر سختی کیوں کرتے ہیں جبکہ وہ پریشانیوں میں ہیں، کیوں نہ ہم ان پر آسانی کریں، میوزک گانا وغیرہ میں سختی اچھی چیز نہیں، سبحان اللہ! کیا اللہ کا دین آپ کے ہاتھ میں ہے؟ اسے آسانی نہیں کہتے ہیں، یہ تساہل اور اخلاق کی گراوٹ ہے، سلفیوں کے نزدیک آسانی یہ ہے کہ صرف کتاب وسنت پر عمل کیا جائے، کیونکہ یہی صحیح معنیٰ میں آسانی پیدا کرنا ہے، اس کے علاوہ سختی اور بے جا چھوٹ ہے۔

* **اہل سنت والجماعت کی ایک نشانی یہ ہے کہ:** یہ نرمی اور شفقت برتنے والے ہوتے ہیں، کیونکہ یہ جیسا کہ میں نے کہا: اہل سنت ہیں، اور سنت کے اندر نرمی کا حکم ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**إِذَا أَرَادَ اللهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقُ**" ترجمہ: "جب اللہ عزّ وجل کسی گھرانے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے اندر نرمی ڈال دیتا ہے۔" اس حدیث کو امام احمد اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "**إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ**" ترجمہ: "جب کسی میں نرمی ہو تو اس کو سنوار دیتی ہے اور جب نرمی نکل جائے تو وہ خرابی کا شکار ہو جاتی ہے۔"

یہ ایک عام قاعدہ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "**إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ**" "**شَيْء**" کا لفظ نکرہ آیا

ہے نفی کے سیاق میں جس سے عمومیت کا فائدہ ملتا ہے،''إِلَّا زَانَهُ'' اس کو سنوار دیتی ہے یعنی تمہاری دعوت میں، تمہاری تدریس میں، انکار منکر میں، تمہاری بیوی کے ساتھ برتاؤ اور سلوک میں، تمہاری اولاد کے ساتھ سلوک و برتاؤ میں، تمہارے رشتہ دار کے ساتھ سلوک و برتاؤ میں، تمہارے پڑوسی کے ساتھ سلوک و برتاؤ میں، تمہارے تمام معاملات میں اگر نرمی ہوگی تو اسے زینت دار بنادے گی، چنانچہ یہ زینت ذاتی اعتبار سے بھی ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی ہے:''وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ'' ترجمہ:''اور جب نرمی نکل جائے تو وہ خرابی کا شکار ہو جاتی ہے۔''

سلف نے یہاں اس بات کی تنبیہ کی ہے کہ جہاں نرمی مناسب نہ ہو وہاں نرمی نہ برتی جائے، کیونکہ نرمی نہ برتنا ہی اس جگہ نرمی ہے، یعنی آپ نے اپنے لڑکے کو نماز کا حکم دیا جس وقت وہ سات برس کا تھا، اور نرمی سے کہا: بیٹے نماز پڑھو، پیارے بچے نماز پڑھو، جو نماز پڑھتا ہے اللہ اس سے محبت رکھتا ہے، اللہ نمازیوں سے محبت کرتا ہے، تین سالوں تک نرمی برتی جائے، کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کوئی مار دھاڑ نہیں۔

لیکن جب دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس وقت تھوڑی سختی اور مار کی ضرورت ہوتی ہے، علماء نے کہا ہے: مارنے کا مقصد ادب سکھانا ہو، انتقام لینا یا دشمنی نکالنا نہ ہو، اور نہ ہی اس مار سے جسم زخمی ہو اور نہ ہی کوئی عضو ٹوٹے، یہ توضیح اس لئے کہ بعض لوگ انتقامی طور پر مارتے ہیں، ان کا دل بہت سخت ہوتا ہے، تو یہ جائز نہیں ہے، یہ بالکل جائز نہیں کہ اپنے غضب اور غصے کو اپنے بیٹے پر اتارو گرچہ اسی نے غصہ دلایا ہو، ایسا مارنا ظلم ہے، صرف تادیبی طور پر مار سکتے ہو، بقول بعض: صرف مصلحت کی وجہ سے مار سکتے ہیں، کیونکہ مصلحت مارنے ہی میں ہے۔

اس مار سے جسم زخمی بھی نہ ہو۔

* پہلے یہ کہ چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے، حالانکہ بہت سے لوگ چہروں پر مارنا ہی پسند کرتے ہیں، جبکہ چہروں پر مارنے سے منع کیا گیا ہے۔

* دوسرے یہ کہ کوڑے سے نہیں مارا جائے گا تاکہ جلد زخمی نہ ہو اور خون نہ نکلے، بلکہ مار ایسی ہو جس سے تھوڑی تکلیف کا احساس ہو اور یہ پتہ چلے کہ مارنے والا خوش نہیں ہے۔

* **ایک لطیفہ:** اسے اہل علم اس موقع پر بیان کرتے ہیں حتیٰ کہ بیوی کے مارنے پر جس وقت وہ مار کا مستحق ہو کہتے ہیں: ایسے وقت بھی تادیبی طور پر مارا جائے گا، ایسا نہیں کہ جسم زخمی ہو جائے اور کوئی عضو ٹوٹ جائے، بعض سلف نے

بطور مثال ذکر کیا ہے کہ مسواک سے مارے گا، تاکہ پتہ چلے کہ وہ راضی نہیں ہے، اور وہ مار کا مستحق ہے، ایک شخص کی بیوی نے شکایت کی کہ اس کا شوہر اسے مارتا ہے، شوہر نے کہا: میں اسے صرف بوقت ضرورت مارتا ہوں وہ بھی مسواک سے جیسا کہ سلف نے کہا ہے، بیوی نے کہا: ٹھیک ہے اس سے وہ مسواک منگالو جس سے مجھے مارتا ہے، جب مسواک لائی گئی تو وہ خوب موٹا' آدھی لمبی تھی، اور وہ کہہ رہا ہے کہ مسواک سے مارتا ہے، اور جسم کا کوئی عضو نہ ٹوٹے، بعض لوگ اپنے لڑکے کو اس کے بھائیوں کے سامنے مارتے ہیں، اس سے وہ کبیدہ خاطر ہوتا ہے، خاص طور سے اگر وہ ان سے بڑا ہو، اور بعض لوگ اس کے برعکس اور خطرناک ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: آؤ اسے پکڑو، یہ ایسے نہیں سدھرے گا۔

* **دلیل:** جب دس برس کی عمر کو پہنچ جائے اس وقت مصلحت کا تقاضہ ہے کہ اس کے ساتھ کچھ سختی کی جائے، اس وقت مارنا ہی اس کے ساتھ نرمی برتنا ہے، کیونکہ مصلحت اس کے مارنے میں ہے، چنانچہ بوقت ضرورت معقول اور مفید مار اور ڈانٹ سلف کے نزدیک نرمی میں شمار ہوتی ہے، لیکن یہ اصل نہیں ہے، حقیقت میں نرمی وہی ہے جو ممکن حد تک نرمی برتی جائے، اور یہ کہ انسان جذباتی نہ ہو۔

چنانچہ جب کچھ یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ''اَلسَّامُ عَلَيْكَ'' یعنی تم پر موت ہو، لیکن وہ ظاہر یہ کر رہے تھے گویا ''اَلسَّلَامُ'' کہہ رہے ہوں، جبکہ وہ ''اَلسَّامُ'' یعنی موت کہہ رہے تھے، یعنی نبی اکرم ﷺ پر موت کے لئے بد دعا کر رہے تھے، تو نبی اکرم ﷺ نے کہا: ''عليكم'' یعنی تم پر بھی، اور ایک روایت میں ہے: ''وَعليكم'' اور تم پر بھی وہی۔ لیکن جب ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں ان یہود کو یہ کہتے ہوئے سنا تو کہا: ''عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ'' ترجمہ: ''تمہیں موت آئے اور تم پر لعنت ہو۔'' اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ'' ترجمہ: ''ٹھہرو عائشہ! اللہ تمام امور میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ'' ترجمہ: ''بے شک اللہ نرم خو ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے۔''

سبحان اللہ! یہ خطاب یہودیوں سے ہے، جنہوں نے اسی وقت ظلم کرتے ہوئے کہا تھا: تم پر موت آجائے، مگر اللہ کے نبی ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ رہے ہیں: ''مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ'' ترجمہ: ''ٹھہرو عائشہ! اللہ تمام امور میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔'' تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ وہ کیا کہہ رہے

ہیں؟ میں نے انہیں کا جواب دیا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ، رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ'' ترجمہ: ''تم نے انہیں میرا جواب دینا نہیں سنا، میں نے ان کی بات انہیں پر لوٹا دی اور ان کے حق میں میری بد دعا قبول ہو جائے گی، لیکن میرے حق میں ان کی بد دعا قبول ہی نہ ہوگی۔''

کیونکہ وہ ظالم ہیں اور آپ مظلوم، اور مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے، جیسا کہ فرمایا: ''وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ'' ترجمہ: ''لیکن میرے حق میں ان کی بد دعا قبول ہی نہ ہوگی۔'' اور یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

سبحان اللہ! دیکھیں ایسے موقع پر بھی نبی اکرم ﷺ نے نرمی کا حکم دیا ہے، چنانچہ ہم سے حتی الامکان نرمی کا مطالبہ ہے، اور یہی اہل سنت والجماعت کی پہچان ہے۔

منہج سلف کی بعض نشانیاں

الحمدُ للهِ ربِّ العالَمين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتَمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

فاضل ساتھیو! اس علمی دورے کے اندر جمعہ کی مجالس کی پہلی مجلس میں آپ کا استقبال ہے، اللہ اسے مبارک بنائے، یہ مجلس بھی منہج سلف صالح کے موضوع کے لئے خاص ہے، ہم سلف صالح اور اتباع سلف کی نشانیوں نیز منہج سلف کی نشانیوں پر گفتگو کر رہے تھے، اور اس بارے میں اس مجلس کے اندر ان شاء اللہ باقی پوری باتیں کی جائیں گی۔

* **اہل سنت والجماعت، سلفیوں اور منہج سلف صالح کی ایک نشانی:** ثبات قدمی ہے، ان کے اندر تلون مزاجی نہیں ہوتی، چنانچہ سلفی حق کو لازم پکڑتے ہیں، اسی پر ثابت قدم رہتے ہیں، خواہشات نفس اور مصلحتوں کے تابع ہو کر رنگ نہیں بدلتے، برخلاف دوسرے گمراہ فرقوں اور اہل ضلال کے، کہ ان کے افکار و خیالات بدلتے رہتے ہیں اور وہ خود مصلحتوں اور مقاصد کے لحاظ سے اپنا رنگ بدلتے رہتے ہیں۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "یقیناً کھلی گمراہی یہی ہے کہ تم منکر کو معروف یا معروف کو منکر سمجھنے لگو، اللہ کے دین میں تلون مزاجی سے بچ کر رہو، کیونکہ اللہ کا دین ایک ہے۔" یقیناً یہی کھلی گمراہی ہے کہ آدمی ایک حال پر باقی نہ رہے بلکہ بدلتا رہے، کبھی کہے: یہ معروف ہے، یہ اچھا ہے، کبھی کہے: یہ خبیث ہے، اسی لئے کہا کہ تلون مزاجی سے بچو، کیونکہ اللہ کا دین ایک ہے، حق ایک ہے، اسی لئے ہم نے کہا: سلفیوں کا کلمہ ایک ہے، وہ حق پر ہیں، حق پر ثابت قدم ہیں، ان کے یہاں تلون مزاجی نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا: "لاعلاج بیماری دین کے اندر تلون مزاجی ہے۔"

بعض علماء نے کہا: "جس نے سنت کو لازم پکڑا وہ ثابت قدم رہا، اور جس نے سنت کو ترک کر دیا وہ تلون مزاج ہو گیا۔" کیونکہ حق ایک ہے، غالب ہے اسی لئے اس پر ثابت قدم رہے، اور جس نے سنت کو ترک کر دیا وہ تلون مزاج ہو گیا، کیونکہ سنت کے بغیر کوئی ثبات نہیں، چنانچہ اہل سنت والجماعت نہ تو بدلتے ہیں اور نہ تلون مزاج ہوتے ہیں، بلکہ وہ ثابت قدم رہتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’من جملہ اہل حدیث اور اہل سنت کے یہاں ثبات قدمی اور استقرار اہل کلام کے مقابلے میں کہیں زیادہ اور کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔‘‘

بھائیو! یہ فطری ہے کیونکہ اہل سنت اہل یقین ہیں، اسی لئے ان کے یہاں ثبات قدمی ہے، جبکہ اہل کلام اہل شک ہیں، کیونکہ وہ اپنا دین صحیح بنیادوں پر نہیں رکھتے، اسی لئے ان کے یہاں شک وشبہات اور حیرانگی زیادہ پاؤ گے، اور اکثر علماء کلام کو پاؤ گے کہ وہ آخری عمر میں علم کلام سے بیزار ہوجاتے ہیں، اور منہج سلف کی طرف رجوع کرلیتے ہیں، گرچہ ان کے یہاں اکثر غلطیاں ہوتی ہیں اور اسماء وصفات کے باب میں تفویض کے قائل ہوتے ہیں، لیکن وہ یہ سمجھ چکے ہوتے ہیں کہ علم کلام سے یقین تک نہیں پہنچا جاسکتا بلکہ اس سے صرف شک وشبہات ہی جنم لیتے ہیں۔

* **اہل سنت کی ایک نشانی یہ ہے کہ:** وہ عقیدے میں اختلاف نہیں کرتے، ان کا عقیدہ ایک ہے شروع سے آج تک، اور تاقیامت، وہ عقیدے میں متفق ہیں، اصول میں متفق ہیں زمان ومکان خواہ کتنے بدل جائیں، اہل سنت والجماعت چاہے سعودی کے ہوں یا مصر کے، انڈونیشیا کے ہوں یا ملیشیا کے یا امریکہ کے ہوں ان کا عقیدہ ایک ہے، صحابہ رسول کے زمانے سے لے کر آج تک اس عقیدے کے اندر ان کا اتفاق ہے۔

* **اہل سنت والجماعت، سلفیوں اور منہج سلف صالح کی ایک نشانی:** ان کا علم ویقین ہے کہ علم وحکمت اور سلامتی اسی منہج میں ہے جس پر صحابہ کرام تھے، ان کے نزدیک صحابہ کا مذہب ہی سب سے زیادہ سلامتی والا، سب سے زیادہ علم والا اور سب سے زیادہ پختہ ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ جس منہج پر صحابہ کرام ہیں:

* اسی کے اندر دنیا میں خطاؤں سے سلامتی اور آخرت میں عذاب الٰہی سے نجات ہے۔

* اسی کے اندر علم ہے، اور کیسے نہ ہو جب کہ یہی اہل سنت ہیں، اور اپنے دین کو کتاب وسنت سے لیتے ہیں۔ اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہی سب سے پختہ ہے، چنانچہ کتاب وسنت ہی کے اندر حکمت ہے، برخلاف دوسرے فرقوں کے کہ چونکہ وہ منہج سلف کے خلاف ہوتے ہیں اس لئے وہ نہ تو حقیقت میں علم سے واقف ہو پاتے ہیں اور نہ ہی حکمت سے، کیونکہ وہ فہم سلف کے باب میں غلطی پر ہوتے ہیں، اسی لئے بعض خلف نے کہا: ’’منہج سلف زیادہ سلامتی والا ہے جبکہ منہج خلف زیادہ علم والا اور پختہ ہے۔‘‘

* **انہوں نے ایسا کیوں کہا؟**

کیونکہ یہ عقیدے کے باب میں منہج سلف کو نہیں سمجھ سکے، انہوں نے سمجھ لیا کہ عقیدہ کے باب میں منہج سلف تفویض کا

نام ہے، یعنی صفت کو ذکر کرنا بغیر معنیٰ و مفہوم کے، اور کہا: یہی زیادہ سلامتی والا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿ ٱلرَّحۡمَٰنُ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ٱسۡتَوَىٰ ﴾ [طہ: ۵] ترجمہ: ”بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔“

لیکن اس آیت ﴿ ٱلرَّحۡمَٰنُ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ٱسۡتَوَىٰ ﴾ کا کیا معنیٰ ہے؟ اسے نہ چھیڑو، اسی میں سلامتی ہے، یہی منہج خلف ہے، اور اسی کو علم والا بتاتے ہیں، کیونکہ انہوں نے صفات کی تفسیر اور تاویل کی ہے، جبکہ یہ معلوم ہے کہ قرآن وسنت کے اندر جو کچھ بھی ہے اس کا معنیٰ و مطلب ہے، اور یہ اصل علم ہے۔

منہج سلف کے فہم میں یقیناً یہ غلطی پر ہیں، اور منہج خلف کے بارے میں بھی یہ خطا پر ہیں، کیونکہ منہج سلف یہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ کو ان کے ظاہری معنیٰ کے ساتھ مانا جائے اسی کے مطابق جو کمال باری تعالیٰ کے لائق ہو، یہی علم و سلامتی اور حکمت والا منہج ہے، کیونکہ یہ منہج نصوص کی تفسیر اسی ظاہری معنیٰ کے مطابق کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت اور ہر طرح کے نقائص سے تنزیہہ اور پاکی ہوتی ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ہم اس بات پر دلیل دینا چاہتے ہیں کہ مذہب سلف ہی صحیح مذہب ہے یعنی وہی سلامتی والا، علم والا اور پختگی والا ہے، اور یہ دو وجہوں سے:

* **پہلی وجہ:** مذہب سلف ہی پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں، کیونکہ جو بھی علم وعدل کے ساتھ ان کے طریقے کا تتبع کرے گا اسے کتاب وسنت کے مطابق پائے گا ہر اعتبار سے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو نازل کیا تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں، اور ان پر عمل کریں اگر ان کا تعلق احکامات سے ہو، اور ان کی تصدیق کریں اگر ان کا تعلق اخبار سے ہو، اور بلاشبہ لوگوں میں فہم وتصدیق اور ان پر عمل کرنے کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب سلف ہیں، کیونکہ یہ انہیں کی زبان میں اترا ہے اور انہیں کے زمانے میں، اس لئے کوئی شبہ نہیں کہ وہی اسے زیادہ جاننے والے ہیں۔

* **دوسری وجہ:** یہ کہا جائے: اس باب میں حق یا تو سلف کے منہج میں ہے، یا خلف کے منہج میں، اور مسئلہ یا تو حق کا ہے یا گمراہی کا، اور یہ حق یا تو سلف کے منہج میں ہے اور گمراہی خلف کے منہج میں، اور یا تو اس کے برعکس، یعنی گمراہی سلف کے منہج میں اور حق خلف کے منہج میں۔

اور دوسرا باطل ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ اور اس کے رسول، اور انصار ومہاجرین میں سبقت لے جانے والے یعنی صحابہ کرام نے باطل کلام کیا یا تو صریح طور پر یا ظاہری طور پر، اور بعض ناسمجھوں نے اسی وجہ سے کہا

کہ سلف کا طریقہ زیادہ سلامتی والا ہے اور خلف کا طریقہ زیادہ علم والا اور زیادہ پختہ ہے۔ ایسا دو وجہوں سے کہا گیا ہے:

* **پہلی وجہ:** فاسد شبہات کی وجہ سے کہنے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی حقیقی صفت نہیں ہے۔

* **دوسری وجہ:** وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ سلف کے طریقہ کا مطلب مجرد ان الفاظ پر ایمان لانا جو صفات سے متعلق ہیں ان کا معنیٰ ثابت کئے بغیر۔

اس ناسمجھ کے اس قول سے حق اور باطل دونوں لازم آتا ہے:

*حق یہ ہے کہ سلف کا مذہب زیادہ سلامتی والا ہے۔

* باطل یہ ہے کہ خلف کا مذہب زیادہ علم والا اور زیادہ پختگی والا ہے۔

اور اس کے بطلان کی کئی وجوہ ہیں:

* **پہلی وجہ:** سلف ہی انبیاء کے وارث ہیں، اور انہیں کی تربیت نبی اکرم ﷺ کی ہے، اور خلف عہد نبوت سے بہت دور ہیں، ایسی صورت میں یہ ان لوگوں کے مقابلے میں جن کی تربیت نبی اکرم ﷺ نے کی ہے، کیسے زیادہ علم والے اور زیادہ پختگی والے ہو سکتے ہیں؟

* **دوسری وجہ:** خلف کے طریقے پر غور وفکر کرنے والا پائے گا کہ یہ دلیلوں سے دور ہونے کی وجہ سے حیرانگی اور اضطراب کا شکار ہیں، اسی لئے رازی نے کہا ہے۔

نِهَايَةُ إِقْدَامِ الْعُقُولِ عِقَالُ
وَغَايَةُ سَعْيِ الْعَالَمِينَ ضَلَالُ
وَأَرْوَاحُنَا فِي وَحْشَةٍ مِنْ جُسُومِنَا
وَحَاصِلُ دُنْيَانَا أَذَى وَ وَبَالُ
وَلَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ بَحْثِنَا طُولَ عُمْرِنَا
سِوَى أَنْ جَمَعْنَا فِيهِ: قِيلَ وَقَالُوا

''انسانی عقلوں کے اقدام کی انتہاء ایک جگہ رک جانا ہے،
اور دنیا والوں کی اکثر کوشش گمراہی ہے۔
ہماری روحیں ہمارے جسموں میں وحشت زدہ ہیں۔

اور ہماری دنیا کا انجام تکلیف وعذاب ہے۔

اور ہم نے اپنی تمام علمی بحثوں سے پوری عمر کوئی فائدہ نہیں اٹھایا

سوائے اس کے کہ ان بحثوں میں قیل وقال کو جمع کر دیا۔"

خلاصہ یہ کہ ہم نے علم کلام کے طریقوں اور فلسفی مناہج کے اندر غور وفکر کیا تو ان میں کوئی تشفی نہیں ملی، اور نہ ہی کوئی آسودگی ملی، اور میں نے سب سے قریب تر طریقہ قرآن کا طریقہ پایا۔ اور بلاشبہ قرآن کا طریقہ ہی قریب تر ہے۔

*** اہل سنت والجماعت کی نشانیوں میں سے جن سے وہ متصف ہیں برخلاف دوسری جماعتوں اور فرقوں کے:** ایک یہ بھی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، چنانچہ زمانہ کتنا ہی مختلف ہو جائے اور ایک دوسرے سے کتنی ہی دوری پر کیوں نہ ہوں اہل سنت والجماعت آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، یہ اپنے ائمہ، علماء اور تمام افراد سے محبت کرتے ہیں، یہ سچی محبت کرتے ہیں، کیونکہ یہ اللہ کے واسطے حقیقت میں سچی محبت کرتے ہیں۔

علامہ صابونی اپنی کتاب "عقیدۃ السلف" کے اندر کہتے ہیں: "اور اہل سنت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے یہ ائمہ سنت، اس کے علماء، اس کے معاونین اور مددگاروں سے محبت کرتے ہیں، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اہل سنت کے دلوں کو علماء اہل سنت کی محبت سے مزین اور منور کر دیا ہے۔"

اور ابورجاء کتیبہ بن سعید نے اپنی کتاب "الایمان" کے اندر کہا: "جب آپ کسی کو دیکھیں کہ وہ سفیان ثوری، مالک بن انس، اوزاعی، شعبہ، ابن مبارک، ابواحوص، شریک، وکیع، یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمن بن مہدی سے محبت کرتا ہے تو جان لو کہ وہ اہل سنت ہے۔"

احمد بن سلمہ نے اس کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "میں نے اس کے نیچے ان لوگوں کا نام بھی ملا دیا: اور یحییٰ بن یحییٰ، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ۔" اور مزید علماء اہل سنت سے کچھ لوگوں کا ذکر کیا، اور ایسا اہل سنت کے کلام میں بہت ملتا ہے، ان میں سے ہم نے یہی کچھ کا تذکرہ کیا ہے۔

*** اہل سنت والجماعت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے:** کہ وہ اعتقاد وعمل ہر اعتبار سے سنت کو سختی سے پکڑتے ہیں، چنانچہ وہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کے حریص ہوتے ہیں برخلاف دوسروں کے جنہیں آپ پائیں گے کہ ان کے یہاں نبی اکرم ﷺ کی سنت کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، چنانچہ اہل سنت متبع سنت ہوتے ہیں، آپ ﷺ کی سنت کو تسلیم

کرتے ہیں، سنت رسول کی مخالفت کبھی نہیں کرتے، بلکہ سنت رسول پر اعتقاد و اعمال ہر ایک میں قائم ہوتے ہیں۔

اور منہج سلف کے حاملین یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ سنت نجات کا سفینہ ہے، چنانچہ یہ فتنوں سے نجات ہے، شہوات سے نجات ہے، شیطان کی چالوں سے نجات ہے، سنت رسول کے اندر شیطانی اقدام سے نجات ہے، اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ“ ترجمہ: ”اس لئے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقۂ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔“

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ”سنت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے، جو اُس میں سوار ہوا وہ نجات پایا اور جو پیچھے رہا وہ ہلاک ہوا۔“

بھائیو! اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا ایک طوفان ہے، انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس طوفان سے نجات پانے کے لئے کوئی سواری پکڑلے، اور سنت رسول کو چھوڑ کر اس کے لئے اور کوئی سواری نہیں ہے، اور سلف صالح کے پیروکاروں نے اسی کو پورا کیا ہے۔

* **اہل سنت والجماعت اور سلفیوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ:** یہ ہر معاملے میں غلو کرنے والوں اور سختی کرنے والوں میں سے ہر ایک کے درمیان میں میانہ روی اختیار کرنے والے ہیں، چنانچہ ان کے یہاں نہ افراط ہے نہ کوتاہی، یہ صراط مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں، جو کہ مکمل طور پر اعتدال کا راستہ ہے، جس طرح مسلمان تمام مذاہب عالم کے درمیان اعتدال والے ہیں، اسی طرح اہل سنت والجماعت تمام فرقوں میں ہیں، چنانچہ فرقے شیطان کی پیروی کرتے ہیں، اور شیطان انسان کو گمراہ ہی کرتا ہے یا تو اسے صراط مستقیم کے دائیں طرف لے جائے گا یا بائیں طرف۔

اسی لئے امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا بھی حکم دیا ہے شیطان نے اس کی مخالفت کی ہے اپنی دو خصلتوں کی وجہ سے، اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ان دونوں میں سے کس کو استعمال کر رہا ہے: غلو کو یا کوتاہی کو۔“

اور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے اسی چیز کو بیان کیا ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ خَطًّا، ثُمَّ قَالَ: "هٰذَا سَبِيلُ اللهِ، ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ

قَالَ: هَذِهِ سُبُلٌ - قَالَ يَزِيدُ: مُتَفَرِّقَةٌ- عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ﴾ [انعام: ۱۵۳]'' ترجمہ:''اللہ کے رسول ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا: اللہ کی سیدھی راہ یہی ہے پھر اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچ کر فرمایا: یہی متفرق راہیں ہیں، ان تمام راہوں پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے پھر آپ ﷺ نے اس آیت کا ابتدائی حصہ تلاوت فرمایا:''اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔''

اس حدیث کو امام احمد اور امام دارمی نے روایت کیا ہے، اور اسے البانی نے صحیح کہا ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ اس حقیقت کے ادراک کی اہمیت کی خاطر اکثر اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے تھے کہ اللہ کا راستہ ایک ہے، اور ایک دینی جماعت ہے، اور شیطان نے اس راستے پر جال پھیلا رکھا ہے مختلف راستوں کی شکل میں، کچھ راستے دائیں جانب ہیں اور کچھ راستے بائیں جانب جن کی طرف وہ لوگوں کو بلاتا رہتا ہے، جبکہ سلامتی صرف کتاب وسنت کے لازم پکڑنے میں ہے، اور یہی وہ اعتدال والا راستہ ہے جسے ہم نے بیان کیا۔

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''امر ونہی -علماء امر ونہی سے مراد کتاب وسنت کے نصوص کو لیتے ہیں- کی تعظیم کی حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کی مخالفت نہ کی جائے خشک اور رہلی رخصتوں کے ذریعہ اور نہ ہی ان پر اعتراض کیا جائے سخت غلو کے ذریعہ، کیونکہ اس سے مقصود وہ صراط مستقیم ہے جس پر چل کر اللہ عزّوجل تک پہنچا جاسکتا ہے، اور اللہ جو بھی حکم کرتا ہے شیطان اس کے اندر دو طرح کی چال چلتا ہے:

* یا تو سستی وکوتاہی کے ذریعے۔

* یا پھر افراط وغلو کے ذریعے۔

پھر اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ان دونوں خطاؤں میں سے بندے پر کس کے ذریعے کامیابی حاصل کی ہے، کیونکہ وہ انسان کے دل میں آ کر اس سے باخبر ہوتا ہے، تاکہ دیکھے کہ کیسے اسے شکار کرسکتا ہے۔ اگر اس کے اندر کوتاہی یا سستی اور کاہلی یا رخصتوں کا طالب پاتا ہے تو انہیں طریقوں سے اس کا شکار کرتا ہے اور اسے بے ہمت بنا کر بیٹھا دیتا ہے، اس پر سستی اور کاہلی کا کوڑا برساتا ہے اور اس کے لئے تاویلات فاسدہ اور امیدوں کا دروازہ کھول دیتا ہے تاکہ وہ خیر کے لئے ہمت نہ دکھائے۔

اوراس کے اندر شیطان حرص وہمت اور محنت و جہد مسلسل دیکھتا ہے اوراس دروازے سے اسے بہکانے سے مایوس ہوجاتا ہے تو پھر غلو کا راستہ اپناتا ہے اوراسے وسوسہ میں مبتلا کرتا ہے کہ یہی تمہارے لئے کافی نہیں ہے، تمہاری ہمت تو اس سے کہیں زیادہ ہے، مناسب ہے کہ دوسروں سے آگے جاؤ، اور جب لوگ سوجائیں تو تم جاگتے رہو، اور جب لوگ سست پڑ جائیں تو تم نشیط اور چست رہو، یہاں تک کہ شیطان اس کے اندر غلو اور تشدد پیدا کر دیتا ہے یعنی وسوسوں کے ذریعے، اسی لئے علماء کہتے ہیں: ''وسوسہ کی پہلی منزل (غیر مشروع) احتیاط ہے اوراس کی آخری منزل ذلت و ندامت ہے۔''

شیطان انسان کے پاس سب سے پہلے اس وقت آتا ہے جب دیکھتا ہے کہ وہ بڑا محتاط ہے تو آ کر کہتا ہے: احتیاط اسی میں ہے کہ زیادہ غسل کرو، یہ نماز ہے، اور یہ جنت و دوزخ ہے، زیادہ غسل کرو، تاکہ زیادہ یقین ہوجائے، پھر وسوسوں کے دروازے سے داخل ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی کوئی حد نہیں ہوتی، میں نے خود ایک شخص کا مشاہدہ کیا جو حمام میں جاتا اور وسوسے کی شدت کی وجہ سے اپنے کپڑوں کو بار بار دھلتا، پھر باہر نکلتا اور پھر واپس جا کر دھلتا۔

***فطری طور پر شیطان اس سے دو چیزیں چاہتا ہے:**

* وہ مومن کے دل کو تنگ کر دینا چاہتا ہے۔

* وہ چاہتا ہے کہ بندہ عبادت ترک کر دے۔

کیونکہ انسان جب وسوسوں میں پڑ جاتا ہے تو کرب و تنگی میں جینے لگتا ہے، پھر نوافل کو ترک کرتا ہے، کیونکہ اسے بہت زیادہ وضو کی ضرورت ہوتی ہے، اسی میں پریشان ہوتا ہے، اسی لئے اس کی نوافل چھوٹ جاتی ہے پھر جماعت بھی چھوٹنا شروع ہوجاتی ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور جب لوگ اپنے ہاتھوں اور چہرے کو تین تین بار دھلیں تو تم سات بار دھلو'' اسی طرح شیطان کہتا ہے: تم دوسروں کی مثل نہیں ہو، تم تو بڑے محتاط ہو، متدین ہو، جب لوگ تین بار دھلیں تو تم پانچ بار، سات بار دُھلا کرو، تم اللہ سے زیادہ ڈرنے والے ہو، اس طرح اسے اپنی جالوں میں پھنسا لیتا ہے۔''

آگے فرماتے ہیں: ''اور جب لوگ نماز کے لئے وضو کریں تو تم ہر نماز کے لئے غسل کیا کرو، اوراسی طرح کے افراط اور تشدد میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ اسے صراط مستقیم سے غلو اور ظلم میں ڈال دیتا ہے، جس طرح پہلے کو اس نے سستی اور کاہلی میں ڈال دیا تھا، اور دونوں سے شیطان کا مقصد: صراط مستقیم سے دور ہٹانا ہے،

ایک کو اس کے قریب نہ کرکے اور دوسرے کو اس سے آگے بڑھا کر۔“

مگر اہل سنت والجماعت صراط مستقیم پر چلتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں نہ تو غلو اور نہ سختی ہے یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کے تعلق سے بھی غلو نہیں کرتے، اہل سنت والجماعت نبی اکرم ﷺ سے خود اپنی ذات سے زیادہ، اپنی اولاد سے زیادہ بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں، اہل سنت والجماعت کے ایک آدمی کا جب نبی اکرم ﷺ سے اس کی ذات اور تمام لوگوں سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں وہ نبی اکرم ﷺ کو اختیار کرتا ہے۔

ان کا اعتقاد ہے کہ آپ ﷺ ایک بندہ ہیں مگر اللہ نے آپ کو رسالت سے سرفراز کیا ہے، یہ ایسا نہیں کہتے کہ آپ صرف ایک بندہ تھے جس طرح اہل جفا کہتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں: اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اللہ نے آپ کو رسالت کے ذریعے شرف بخشا لیکن آپ ﷺ کو اللہ کے اختیارات نہیں دیتے، چنانچہ یہ نہیں کہتے کہ آپ کو غیب کا علم تھا، نہ ہی آپ سے استغاثہ کرتے ہیں بلکہ آپ کو ایک بندہ مانتے ہیں نہ کہ معبود، ایک رسول مانتے ہیں جس کی مخالفت نہیں کرتے۔

برخلاف اہل غلو اور اہل جفا کے، چنانچہ ان میں سے کچھ نے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں غلو سے کام لیا یہاں تک کہ آپ کو معبود کے درجے تک پہنچا دیا اور خود کو دو مصیبتوں میں ڈال لیا:

* رسول اکرم ﷺ کے بارے میں غلو کیا جس سے خود آپ نے ڈرایا ہے۔

* اللہ کے ساتھ بے ادبی کی۔

یہاں تک کہ ان میں سے ایک کہنے والا کہتا ہے:

فإن من جودك الدنيا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم

”بے شک دنیا و آخرت کا وجود آپ کی جود و سخا کا نتیجہ ہے، اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا حصہ ہے۔“

جب دنیا و آخرت کا وجود آپ ﷺ کی جود و سخا کا نتیجہ ہو اور لوح وقلم کا علم نبی اکرم ﷺ کے علوم کا حصہ ہو پھر اللہ کے لئے کیا بچا؟

اور برخلاف اہل جفاء کے جو کہتے ہیں:

مقَام النُّبُوَّة فِي برزخ فويق الرَّسُول وَدون الْوَلِيّ

”نبوت کا مقام برزخ کے اندر رسول سے تھوڑا اور ولی سے کم ہوتا ہے۔“

اس طرح یہ لوگ نبی اور رسول کا مقام ایک ولی سے کم سمجھتے ہیں، اور ولی کا مقام ان سے بڑا سمجھتے ہیں، اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں صوفیوں کی طرف سے ہیں: یعنی نبی اکرم ﷺ کے تعلق سے غلو اور جفاء، یہی لوگ دونوں باتیں کہتے ہیں۔

جبکہ اہل سنت والجماعت اعتدال والی راہ پر ہیں، اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اسی طرح سنت کے تمام ابواب میں یہ اعتدال والی راہ پر ہیں، کیونکہ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول کو تھامے ہوئے ہیں، اور اسی منہج پر قائم ہیں جس پر انصار ومہاجرین میں سبقت لے جانے والے صحابہ اور ان کے بعد آنے والے تابعین تھے۔'' اور یہ بالکل واضح ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ صوفیوں کے اسی غلو کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ایک ہی شخص کے اندر یہ دونوں خطرناک بیماریاں داخل ہوجاتی ہیں یعنی غلو اور جفاء، آپ خواہشات نفس کے بندوں میں ایک کو پاؤ گے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں بڑا ہی سست اور کاہل ہے، جب کہ بعض معاملوں میں حد سے زیادہ تشدد کرتا ہے۔'' بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ سنت کے تعلق سے سستی دکھاتے ہیں جبکہ بدعت کے تعلق سے تشدد اپناتے ہیں۔

اسی لئے جب بعض لوگوں نے اہل بدعت کے طریقے پر آثار صالحین کے مسئلے کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی تو ہم لوگ مدینہ کے سابق امیر کے پاس گئے، جو کہ دین کے معاملے میں بہت ہی سخت اور حساس مسئلہ ہے، امیر نے کہا: میرے پاس تمہارے مخالفین پہلے آچکے ہیں اور یہیں پر بیٹھ کر مجھ سے بات کی ہے، وہ آثار نبی کی دہائی دے رہے تھے، تو میں نے ان سے کہا: تم لوگ یہاں بیٹھ کر ان پتھروں کے بارے میں بات کر رہے ہو جن کے بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں یا نہیں، لیکن میں کچھ دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ داڑھی منڈائے ہوئے ہو جو کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، پھر ایسا کیوں ہے کہ ایک ثابت شدہ سنت کو ترک کر رہے ہو اور جو ثابت نہیں ہے اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟ اس طرح ہم نے انہیں خاموش کر دیا۔

سبحان اللہ! اس واقعے سے استدلال یہی ہے کہ خواہشات کے بندے اہل بدعت کس قدر سنت کے تعلق سے متساہل ہوتے ہیں، آپ انہیں سنت کے حریص نہیں پاؤ گے، بلکہ بدعت میں تشدد اپناتے ہوئے پاؤ گے، اسے کسی حال میں چھوڑیں گے، اس طرح وہ دو مصیبتوں میں پڑ جاتے ہیں:

*سنت میں تساہل اور کاہلی۔

*** بدعت میں تشدد اور سختی۔**

آگے فرماتے ہیں: ’’ایک ہی شخص کے اندر یہ دونوں بیماریاں اکٹھا ہو جاتی ہیں، چنانچہ آپ خواہشات نفس کے بندوں میں ایک کو پاؤ گے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں بڑا ہی سست اور کاہل ہے، جب کہ بعض معاملوں میں حد سے زیادہ تشدد کرتا ہے، اور ہدایت پر وہی ہے جسے اللہ ہدایت دے، اور اسی وسطیت اور اعتدال کی خصلت اور خوبی ہی ہے کہ اہل سنت والجماعت یعنی اہل حدیث سلفی تشدد اور سختی سے دور رہتے ہیں، کیونکہ یہ سنت نبوی کو لازم پکڑتے ہیں۔‘‘

شیخ ابن سعدی اہل سنت والجماعت کی وسطیت اور ان کے اعتدال کی وجوہات کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں: ’’انبیاء کے تعلق سے یہ معتدل راہ پر ہیں ان لوگوں کے برخلاف جو اُن کے اندر غلو کرتے ہیں جیسے نصاریٰ، اور ان لوگوں کے برخلاف جو اُن کے اندر جفاء اور سختی سے کام لیتے ہیں جیسے یہود۔ بایں طور کہ اہل سنت سب پر اُسی طرح ایمان لاتے ہیں جیسا ایمان لانے کا حق ہے، شریعت کے اندر یہی معتدل راہ پر ہیں، ان کے یہاں نہ تو یہودیوں کی سختیاں ہیں اور نہ نصاریٰ کی سستیاں ہیں، اور طہارت و کھانے پینے کے باب میں بھی نہ تو یہودیوں کی طرح ہیں کہ جیسے ان کی نماز صرف عبادت گاہوں کے اندر ہی ہو سکتی ہے، اور پانی ان کی نجاست کو زائل نہیں کرتا، اسی طرح ان پر کچھ پاکیزہ چیزیں حرام کر دی گئیں بطور سزا کے، اور نہ ہی یہ نصاریٰ کی طرح ہیں کہ جن کے یہاں کوئی چیز نجس نہیں اور نہ ہی کوئی چیز حرام ہے بلکہ جو من میں آیا اسے حلال و مباح کر لیا۔‘‘

*** اہل سنت والجماعت کی نشانیوں میں سے:** علم و عمل اور عدل ہے، چنانچہ یہ اہل علم ہیں، کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ علم کے بغیر دین قائم نہیں ہو سکتا، اسی لئے یہ طلب علم میں مشغول ہوتے ہیں، کیونکہ اصل علم کتاب وسنت اور صحابہ کا علم ہے، اور اہل سنت والجماعت کتاب وسنت کو لازم پکڑتے ہیں، اور ساتھ ہی وہ منہج بھی جس پر صحابہ کرام تھے، اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’علم مشروع اور احکام مشروعہ سب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے ماخوذ ہیں۔‘‘ چنانچہ یہ لوگ علم کا اہتمام کرتے ہیں اور حقیقی علم وہی ہے جو ان کے پاس ہے۔

بہت سے فرقے بلکہ تمام فرقے یہی کہتے ہیں کہ علم انہیں کے پاس ہے لیکن ان کے پاس طلب علم کا شوق نہیں ہوتا، اور جو علم ان کے پاس ہوتا ہے وہ حقیقی علم نہیں ہوتا، اس علم سے جہالت اچھی ہے، جب کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک علم کا اہتمام ہوتا ہے، اور یہی علم حقیقی ہوتا ہے جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے اور اس منہج کے مطابق جس

پر صحابہ کرام تھے۔

اسی لئے جب آپ سلف صالح کے پیروکاروں میں سے کسی اہل علم کی کتاب کو دیکھو گے تو اس میں قال اللہ اور قال الرسول پاؤ گے، اس کے اندر صحابہ اور تابعین کے آثار پاؤ گے، اس کے اندر حقیقی علم پاؤ گے، اور جب کسی فرقے یا جماعت یا خود کو مفکر کہنے والے کی کتاب دیکھو گے تو اس کے اندر فلسفہ، کلام پاؤ گے، اس کے اندر کوئی واضح اور حقیقی علم نہیں پاؤ گے۔

اسی لئے سلفیوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں علم کا اہتمام کریں تعلم وتعلیم دونوں اعتبار سے، اور ایک حقیقی سلفی کو آپ، علم کے باب میں بالکل متواضع پاؤ گے، چنانچہ وہ علمی حلقوں اور علمی دوروں میں شرکت کرتا ہے خواہ اس کی عمر کچھ بھی ہو، اس لئے ایک سلفی علم کو موت تک طلب کرتا ہے، عمر جس قدر زیادہ ہوتی ہے اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ جو وہ نہیں جانتا ہے وہ کہیں زیادہ ہے اس علم کے مقابلے جسے اس نے سیکھا ہے، اس طرح وہ طلب علم میں رغبت رکھنے لگتا ہے۔

***بعض ان بیماریوں کا ذکر جو ہمارے ساتھیوں میں بھی پائی جاتی ہیں جو کہ حقیقت میں اہل سنت والجماعت کی صفات کے مخالف ہیں:**

* یا تو طلب علم سے تکبر۔
* یا تو طلب علم سے سستی۔

جہاں تک تکبر کا تعلق ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں: اب تو میں استاد ہوگیا، لوگ مجھ سے رجوع کرتے ہیں، اب میں کیسے علمی حلقوں میں جاؤں اور دوسرے شیوخ کے پاس بیٹھوں؟ میں تو خود شیخ ہوں، اس طرح وہ علمی مجلسوں میں بیٹھنے سے تکبر کرتا ہے، پھر اس کا علم بھی کمزور پڑ جاتا ہے، کم ہو جاتا ہے، اور اس کے اندر اضافہ نہیں ہوتا، بھائیو! ایک متکبر علم حاصل نہیں کرسکتا، متکبر علم سے بہت دور ہوتا ہے، اور بعض ساتھیوں کو سستی اور کاہلی آجاتی ہے۔

اسی لئے میں جہاں بھی جاتا ہوں اپنے اہل سنت والجماعت بھائیوں کو علم کے حصول اور اگر استطاعت ہو تو لوگوں کو علم سکھانے کی وصیت کرتا ہوں، چنانچہ شیوخ کی علمی مجلسوں میں ضرور شرکت کریں، آج کے وقت میں کوئی عذر مقبول نہیں ہے، کیونکہ آج ایک شخص اگر انڈونیشیا میں بھی ہے تو وہ مسجد نبوی میں ہورہے درس میں شامل ہوسکتا ہے، کیونکہ آج کل لائیو کاسٹ کیا جاتا ہے، اس لئے علم کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

اور علم کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے، کیونکہ علم انسان کے لئے حجت ہوگا، اور اس حجت سے بچنے کے لئے عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں، اس لئے یہ معاملہ بہت ہی سنگین ہے کہ ایک انسان علم حاصل کرے مگر عمل نہ کرے، نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''مَرَرتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي بِأَقْوَامٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيضَ مِنْ النَارِ، فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: خُطَبَاءُ أُمَّتِكَ الَّذِينَ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، وَيَقْرَءُونَ القرآنَ وَلَا يَعْمَلُونَ بِهِ'' ترجمہ: ''جس رات مجھے اسراء کرایا گیا اس رات مجھے ایسے لوگوں کے پاس سے لے جایا گیا جن کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جا رہا تھا، میں نے پوچھا: جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو کہتے تھے مگر عمل نہیں کرتے تھے، قرآن پڑھتے تھے مگر اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔''

یہ لوگ جنہیں آگ کا عذاب ہو رہا ہے وہ لوگ ہیں جنہوں نے علم سیکھا مگر اس پر عمل نہیں کیا، اسی لئے کہا: ''خُطَبَاءُ أُمَّتِكَ'' اور ایک خطیب جب منبر پر کھڑا ہوتا ہے اس وقت علم کی روشنی میں خطبہ دیتا ہے، لوگوں کو علم حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے، ''الَّذِينَ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، وَيَقْرَءُونَ القرآنَ وَلَا يَعْمَلُونَ بِهِ'' جو کہتے تھے مگر عمل نہیں کرتے تھے، قرآن پڑھتے تھے مگر اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

اور جو سلف صالحین کی سیرت پڑھے گا اسے پتہ چلے گا کہ وہ لوگوں میں علم پر عمل کرنے میں سب سے زیادہ حریص تھے، اسی طرح سلفی ہیں کہ علم حاصل کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، اور ساتھیو! ہمیں اسی کا حریص ہونا چاہئے۔

* **اور اس سے ایک بہت ہی اہم چیز ضروری ہو جاتی ہے:** وہ یہ کہ ہم علم کو اہل علم ہی سے سیکھیں، یعنی علماء ابرار سے، علماء ربانیین سے، ہر اس شخص سے نہیں جو لوگوں میں مشہور ہو گیا ہو، کیونکہ علم دین ہے، اور اہل سنت والجماعت کا منہج اس تعلق سے یہ ہے کہ جن علماء ربانیین سے علم سیکھا جائے ان کی معرفت بھی اچھی طرح ہو۔

ابن جماعہ نے کہا: ''علم اور علماء کی فضیلت میں جو نصوص وارد ہوئے ہیں بے شک ان سے مراد وہ علماء ہیں جو متقی، نیک اور با عمل ہیں، جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، جنات نعیم میں اس کا تقرب چاہتے ہیں، وہ مراد نہیں ہیں جو علم حاصل کریں، بری نیت سے یا کسی دنیوی اغراض و مقاصد کی وجہ سے، جیسے مال و جاہ یا طالب علموں اور پیروکاروں کی کثرت کی طلب وغیرہ۔''

چنانچہ ضروری ہے کہ اہل سنت کے علماء ربانیین کو پہچانا جائے تا کہ معلوم ہو کہ علم کس سے لیا جا رہا ہے، کیونکہ یہ دین کا حصہ ہے، اس لئے مناسب ہے کہ معلوم رہے کہ اپنا دین علماء ربانیین سے لے رہا ہے، اور ایسے لوگوں سے دور رہے

جو قصوں اور کہانیوں میں بھٹکاتے ہیں اور سنت اور اہل سنت سے متنفر کرتے ہیں، کیونکہ ان کے طریقے میں کوئی خیر نہیں، وہ سلف صالحین کے منہج کے مخالف ہیں۔

* **اہل سنت والجماعت کی نشانیوں میں سے جس کا تذکرہ کچھ پہلے ہوا مگر اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا:** عدل وانصاف کرنا ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت اہل عدل ہیں، کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ عدل وانصاف ہر شخص پر ہر ایک کے لئے واجب ہے، ان کے یہاں عدل وانصاف میں کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، چاہے موافق ہو یا مخالف ہر ایک کے ساتھ عدل کرتے ہیں، حتیٰ کہ کافر کے ساتھ بھی عدل کرتے ہیں، کسی کے ساتھ ظلم جائز نہیں۔

پس اہل سنت والجماعت اپنے مخالفین کے ساتھ بھی عدل کرتے ہیں، پھر آپس میں کیونکر عدل نہیں کریں گے؟ بلاشبہ عدل ان کے درمیان قائم ہے، بلکہ ان میں بہت سے لوگ اپنے بھائیوں کے ساتھ فضل وکرم کا معاملہ کرتے ہیں، اور یہ عدل سے فوق تر ہے، ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُ بِٱلۡعَدۡلِ وَٱلۡإِحۡسَٰنِ﴾ [نحل:۹۰] ترجمہ: ”بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔“

یہاں عدل کا حکم ایجابی طور پر ہے جبکہ احسان کا حکم استحبابی طور پر، اس لئے کہ احسان سے یہاں مراد فضل وکرم ہے:

* اور عدل جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں ہر حق والے کو اس کے حق کی ادائیگی کو کہتے ہیں، اس طرح یہ عدم ظلم ہوا۔
* اور فضل کہتے ہیں حق سے زیادہ دینے کو۔

اور اہل سنت والجماعت آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے میں عدل سے پیچھے نہیں ہٹتے، بلکہ مستحب ہے کہ آپس میں تعاون کرنے میں فضل واحسان کا طریقہ اپنایا جائے، اور ایک دوسرے کا تعاون مصیبتوں میں کیا جائے، اور ہر ایک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

اصول سلف ①

الحمدُ للهِ ربِّ العالمَين، والصّلاةُ والسَّلامُ الأتمّانِ الأكملانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

فاضل طلباء اور دُعاۃ!

منگل کے دن کی مجالس میں سے یہ تیسری مجلس ہے، اور یہ ''**اصول سلف**'' کے موضوع پر پہلی مجلس ہے، اور ان اصولوں کا جاننا بہت ہی اہم ہے:

* چنانچہ جو اُن اصولوں پر قائم رہے گا اور عمل کرے گا وہی حقیقت میں سلف صالحین کے منہج پر ہوگا۔

* اور جو اُن اصولوں میں سے ایک سے زیادہ میں یا کسی ایک میں بھی مخالفت کرے گا وہ سلف صالحین کے منہج سے خارج ہوگا۔

آج کے دن ان شاء اللہ چاروں مجلسوں میں انہیں اصولوں کا ذکر ہوگا جنہیں اہل علم نے منہج سلف کے مطابق ثابت کیا ہے، تاکہ ہم بھی انہیں ثابت مانیں اور ان کے مطابق عمل کریں، اور تاکہ یہ اصول ہمارے لئے اس حقیقت کے لئے معیار بن جائیں کہ کون سلف صالحین کے منہج پر ہے اور کون اس منہج کے مخالف ہے۔

اصول سلف میں سب سے پہلے یہ حدیث بیان کروں گا:

''عَن العِربَاض قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ. فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ كَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ:أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تأمر عَلَيكم عَبْدٌ فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' ترجمہ: ''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک دن ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں دل موہ لینے

والی نصیحت کی جس سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں، اور دل کانپ گئے، پھر ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ تو کسی رخصت کرنے والے کی سی نصیحت ہے، تو آپ ہمیں کیا وصیت فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقۂ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس حدیث کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی طرف سے الوداعی وصیت کی طرح تھی، اور یہ معلوم ہے کہ الوداع کہنے والا اہم امور و مصالح کو اختیار کرتا ہے تا کہ انہیں کے ذریعہ نصیحت کرے، اس طور پر یہ حدیث چند ان اصولوں پر مشتمل ہے، جنہیں سلف صالح نے لازم پکڑا ہے اور تمام سلفی حضرات انہیں ہمیشہ لازم پکڑ کر رہتے ہیں:

ان میں سب سے پہلا: اللہ کا تقویٰ ثابت کرنا ہے اور یہ دو اصولوں کی بنیاد پر ممکن ہے:

* **پہلا اصول:** توحید اور اخلاص عمل کو اللہ کے لئے ثابت کرنا۔

* **دوسرا اصول:** اللہ کی عبادت کو اسی طرح ثابت کرنا جیسا اللہ چاہتا ہو۔

* **تیسرا اصول:** جماعت کو لازم پکڑنا، اور مسلمان حاکم کی اطاعت کرنا بشرطیکہ اللہ کی معصیت کا حکم نہ دے۔

یہ اجمالی طور پر ہے جبکہ تیسرا اصول تفصیلی طور پر: کیونکہ اجمالی طور پر صرف دو ہی اصول ہیں:

* **پہلا:** اللہ کا تقویٰ ثابت کرنا۔

* **دوسرا:** جماعت کو لازم پکرنا، اور مسلمان حاکم کی اطاعت کرنا بشرطیکہ وہ اللہ کی معصیت کا حکم نہ دے۔

اور تفصیلی طور پر تین اصول ہیں:

* **پہلا اصول:** توحید اور اخلاص عمل کو اللہ کے لئے ثابت کرنا۔

* **دوسرا اصول:** اللہ کی عبادت کو اسی طرح ثابت کرنا جیسے اللہ چاہتا ہو۔

* **تیسرا اصول:** جماعت کو لازم پکڑنا، اور مسلمان حاکم کی اطاعت کرنا بشرطیکہ وہ اللہ کی معصیت کا حکم نہ دے۔

اور تیسرا اصول اجمالی طور پر: فہم سلف صالح کو لازم پکڑنا، اور یہ تفصیلی طور پر پانچواں اصول ہے۔

اور پانچواں اصول اجمالی طور پر: بدعتوں سے بچنا اور دوسروں کو بھی ڈرانا، اور تفصیلی طور پر یہ چھٹا اصول ہے۔
آپ ہی میں سے کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ حدیث سے تفصیلی طور پر ان چھ اصولوں کو ثابت کریں تو ہم کہیں گے:

* **پہلا اور دوسرا اصول:** نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ہے: ''**أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ**'' میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔

* **تیسرا اصول:** نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ہے: ''**وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأمر عَلَيكم عَبْدٌ**'' امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

* **چوتھا اصول:** نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ہے: ''**فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي**'' میری سنت کو لازم پکڑنا۔

* **پانچواں اصول:** نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ہے: ''**وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ**'' اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقۂ کار کو لازم پکڑنا۔

* **چھٹا اصول:** نبی اکرم ﷺ یہ قول ہے: ''**وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**'' اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے۔

* **سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ان اصولوں کو سلف صالحین نے لازم پکڑا:**

ان میں پہلا اصول ہے: اللہ کی عبودیت یعنی اس کی توحید کو ثابت کرنا اس کی طرف دعوت دے کر اور اس پر عمل کر کے، چنانچہ اہل سنت والجماعت توحید سے محبت کرتے ہیں، اور توحید کے ذکر سے محبت کرتے ہیں، یقیناً جب توحید کا ذکر ہوگا تو ایک سلفی خوش ہوگا، اس کا سینہ چوڑا ہوجائے گا کیونکہ توحید اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے، چنانچہ یہ علی الاطلاق سب سے عظیم اور شریف حق ہے، اسی لئے یہ توحید سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے ذکر سے شاداں وفرحاں ہوجاتے ہیں، اور توحید کو ثابت کرتے ہیں اور اس کے بڑے حریص ہوتے ہیں اور توحید کے مراتب میں لوگ چھ قسم کے ہوتے ہیں:

ان میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ان لوگوں کا ہے جو کمال توحید کو ثابت کرتے ہیں، بایں طور کہ اللہ کو ایک مانتے ہیں اس کی اُلوہیت میں، اسے ایک مانتے ہیں اس کی ربوبیت میں، اور اسے ایک مانتے ہیں اس کے اسماء وصفات میں، اور ان کے دل کا تعلق اللہ سے مکمل طور پر ہوتا ہے، چنانچہ وہ نہ تو بدشگونی کرتے ہیں، نہ داغ لگواتے ہیں، نہ رُقیہ کرواتے ہیں، وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، واجبات پر عمل کرتے ہیں، محرمات سے بچتے ہیں، اگر ان کا قدم پھسل جائے تو نادم ہوکر توبہ کرتے ہیں، نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں، برائیوں کو ترک کرتے ہیں، یہی توحید کا اعلیٰ مرتبہ ہے: کہ توحید کے

مراتب کو پورا کیا جائے، اور یہی لوگ ہیں جو جنت کے اندر بلا حساب وعذاب کے داخل ہوں گے۔

* ہم نے کیا کہا؟

وہ اللہ کو ایک مانتا ہے اس کی اُلوہیت میں، اس کی ربوبیت میں، اس کے اسماء وصفات میں، اس کے دل کا تعلق اللہ سے کامل ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ بعض ان حلال چیزوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے جسے لوگ کرتے ہیں اللہ پر کامل بھروسہ کی وجہ سے، چنانچہ وہ نہ تو داغ لگواتا ہے، نہ رقیہ کرواتا ہے، نہ ہی بدشگونی لیتا ہے اللہ پر کامل بھروسہ کی وجہ سے، بقدر استطاعت وہ واجبات پر عمل کرتا ہے اور انہیں نہیں چھوڑتا، اور ہمیشہ محرمات سے دور رہتا ہے۔

*** کیا اس کا مطلب ہے کہ وہ معصوم ہوگیا اس طور پر کہ وہ کسی واجب کو نہ ترک کرتا ہے اور نہ ہی کسی حرام کا ارتکاب کرتا ہے؟**

جواب: نہیں، بلکہ وہ جہد مسلسل کرتا ہے، ممکن ہے اس کا بھی قدم پھسل جائے اور حرام کا ارتکاب کر بیٹھے، جیسے غیبت کر دے، جھوٹ بول دے، گرچہ جھوٹ کا بولنا ایک مومن کے لئے بعید ہے بنسبت دوسروں گناہوں کے، مگر یہ ہے کہ جیسے ہی وہ گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے فوراً اللہ سے رجوع اور توبہ کرتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اور وہ زیادہ سے زیادہ مستحبات اور نیکیوں کا کام انجام دیتا ہے، چنانچہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور عبادت کرتا ہے، مکروہات کو حتی الامکان ترک کر دیتا ہے، اور ایک سلفی کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس مقام تک پہنچنے کے لئے کوشش کرے، سستی اور کاہلی نہ دکھائے، برابر کوشش کرتا رہے یہاں تک کہ ان نیک بندوں اور امت کے ان افضل ترین لوگوں میں شامل ہو جائے۔

*** اور بعض لوگ توحید کو ثابت کرتے ہیں، اور یہ پہلے کے مقابلے کم تر مقام ہے:**

*** پہلا:** کمال توحید کو پورا کرنا۔

*** دوسرا:** توحید کو پورا کرنا۔

چنانچہ وہ اللہ کو ایک مانتا ہے اس کی اُلوہیت میں، اس کی ربوبیت میں، اس کے اسماء وصفات میں، اللہ پر توکل کرتا ہے، لیکن اس کے دل کا تعلق اللہ سے پہلے کے مقابلے کم ہوتا ہے، چنانچہ وہ داغ بھی لگواتا ہے، رقیہ بھی کرواتا ہے، لیکن وہ اللہ پر بھروسہ بھی کرتا ہے، واجبات کو بقدر استطاعت انجام دیتا ہے، اور محرمات کو ترک کرتا ہے، اس نے توحید کو پورا کیا اور اس کے ساتھ خیر کا وعدہ ہے۔

* **تیسری قسم:** جو توحید کے اصل کو ثابت کرے، چنانچہ وہ اللہ کو ایک مانے اس کی الوہیت میں، اس کی ربوبیت میں، اس کے اسماء وصفات میں، وہ شرک کی تمام چھوٹی بڑی اقسام سے پرہیز کرے، مکمل طور پر اللہ کی اطاعت کرے، اس نے گویا توحید کو پورا کیا، اور سلفی وہی ہے جو سلف صالح کے منہج پر چلے، توحید کو اچھی طرح پورا کرے۔

ہر چند کہ سلفی حضرات کا دل توحید کی محبت سے معمور ہوتے ہیں، ان کے دل توحید کے ذکر سے چوڑے ہو جاتے ہیں، وہ توحید کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں، اور ہر کوئی اپنے علم اور حالت کے حساب سے توحید کی طرف دعوت دیتا ہے، ایک سلفی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ توحید کی طرف دعوت دینا اس کے اوپر فرض ہے، لیکن یہ سب اپنے علم اور پوزیشن کے اعتبار سے کرتا ہے؛

* چنانچہ اس باب میں منہج سلف کی اتباع جو عوام سے مطلوب ہے وہ ایک طالب علم سے مطلوب نہیں ہے۔

* اور جو طالب علم سے مطلوب ہے وہ ایک عالم جیسا نہیں ہے، وھکذا۔

لیکن ایک سلفی کی حالت جو بھی ہو وہ ہر حال میں توحید ہی کی طرف دعوت دے گا، اور شرک سے ڈرائے گا، اور اس سلسلے میں اسے جو تکلیف ہو گی اس پر صبر کرے گا، کیونکہ توحید کی دعوت کے لئے جو بھی میدان میں آیا اسے تکلیف ہوئی ہے اور سب سے پہلے انبیاء کو ہوئی ہے، چنانچہ اگر آپ توحید کی دعوت کے لئے میدان میں آتے ہیں تو اس میدان میں آنے والی تکلیف پر صبر کرنا ہوگا:

- ہوسکتا ہے آپ کو رزق میں تنگی ہو جائے، کیونکہ ہر جگہ کے لئے رزق کے دروازے کھلے نہیں ہیں، اس لئے تکلیف آنے صبر کرنا۔

- ہوسکتا ہے آپ کو سبّ وشتم کا سامنا کرنا پڑے، اس لئے اس پر صبر کرنا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیوقوف لوگ آپ کے گھر کے دروازے پر کوڑا کرکٹ ڈال دیں، یا آپ کی گاڑی پر، حتی کہ آپ کی مسجد پر، کیونکہ بیوقوف لوگ جہالت اور نادانی کی وجہ سے اللہ کے گھروں کا احترام نہیں جانتے، بلکہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ بعض بیوقوف لوگ قرآن کا بھی احترام نہیں جانتے، یہاں تک کہ میں نے ایک صوفی پر توحید کے بارے میں ایک آیت پڑھی تو اس نے کہا: یہ وہابی آیت ہے، اللہ کے کلام کو وہابی آیت کہہ رہا ہے، اس لئے آپ کو اس میدان میں تکلیف ہوسکتی ہے، اس لئے صبر کرنا اور صبر کی تلقین کرنا۔

* **دوسرا اصول، اور یہ بھی اسی سے مربوط ہے:** اور یہ اللہ کی عبودیت کو پورا کرنا ہے، بایں طور کہ اللہ کی عبادت اسی

طرح کرے جیسا اللہ چاہتا ہے، چنانچہ سوائے اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کرے، اور اللہ کی عبادت اسی طرح کرے جیسا شریعت میں حکم ہے، چنانچہ عبادت کی تعریف کی جاتی ہے: وہ تمام ظاہری و باطنی اقوال و اعمال' جن سے اللہ خوش اور راضی ہوتا ہے، اس میں روزہ و نماز اور دعا، خوف، امید، استغاثہ سب داخل ہے، اور تعبُّد کہتے ہیں اللہ کا تقرب حاصل کرنا انکساری، رضا جوئی اور محبت کے ذریعے۔

***تعبُّد کیا ہے؟**

تعبُّد: تقرب الٰہی کے عمل کو کہتے ہیں، جو انکساری، رضا جوئی اور محبت کے ذریعہ انجام پائے۔

*تعبُّد میں ضروری ہے کہ یہ صرف اللہ کے لئے ہو، اگر تعبُّد غیر اللہ کے لئے ہوگا تو وہ شرک ہوگا، چنانچہ جو قبروں کی عبادت کرتے ہیں اور اصحاب قبور اور جنہیں اولیاء صالحین کہتے ہیں، یہ حقیقت میں موحّد نہیں ہوتے، یہ سراسر شرک ہے۔

*تعبُّد تذلُّل اور خاکساری کے ساتھ ہوتا ہے: چنانچہ تعبّد کے اندر تذلُّل اور انکساری کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ عبادت کے وقت انسان متکبر نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کے لئے خالص تذلُّل اور انکساری ضروری ہے۔

***محبت:** معبود اور عبادت سے محبت بھی ضروری ہے، چنانچہ عبادت کرنے والا اللہ سے محبت کرتا ہے اور اس عبادت سے بھی محبت کرتا ہے، کیونکہ یہی عبادت تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے، اسی لئے وہ صوم و صلاۃ اور ذکر سے محبت کرتا ہے۔

* **رضا جوئی:** چنانچہ اس کا دل معبود سے اور عبادت سے راضی ہوتا ہے۔

پس عبادت وہ عمل ہے جسے اللہ پسند کرے اور اس سے راضی ہو، اور جسے اللہ پسند کرے اور اس سے راضی ہو اسے بغیر دلیل کے نہیں معلوم کیا جاسکتا، اور سلف کے قول کا یہی معنیٰ ہے: ''عبادت توقیفی ہے جو کتاب و سنت سے دلیل پر مبنی ہے۔'' یہ جذبات پر مبنی نہیں ہوتی جیسے جشن میلاد منانا وغیرہ، اور نہ ہی تجربوں پر مبنی ہوتی ہے۔

بعض لوگ آ کر کہتے ہیں: میں نے تجربہ کیا ہے، میں ظہر اور عصر کے بیچ میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں' تو وہ دن میرے لئے سعادت مند ہوتا ہے، چنانچہ اب ظہر و عصر کے درمیان ان دو رکعتوں کا التزام کرنا بدعت ہوگا، کیونکہ عبادت تجربوں پر مبنی نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں: میں نے تجربہ کیا ہے، میں سو کر اٹھتا ہوں تو پڑھتا ہوں: یا رب! آج کا دن میرے لئے سعادت مند بنادے، اور میرے دل کو تیس بار کھول دے، تاکہ میرا دن سعادت مند ہوجائے۔ چنانچہ جب بھی میں بیدار ہوتا ہوں لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ ہم کہیں گے: یہ بھی بدعت اضافیہ ہے، کیونکہ اس نے دعا کو

مخصوص صفت، وقت اور عدد کے ساتھ مقید کر دیا ہے جس کا شریعت میں کوئی ذکر نہیں، اور کوئی بھی عبادت ضروری ہے کہ وہ اللہ کے لئے ہو، اور یہ کہ وہ تذلل وانکساری کے ساتھ ہو، بعض اہل علم کہتے ہیں: کمال تذلل اور انکساری ہو۔ اور یہ کہ محبت اور رضاجوئی بھی ہو۔

* **اور اسی اصول سے ملحق ہے:** محمد ﷺ کی اتباع کو ثابت کرنا، اور یہ بھی انہیں اصولوں میں سے ایک ہے جن کا ذکر کیا گیا، چنانچہ اللہ کی عبادت اسی طریقے پر ہوگی جو طریقہ رسول اکرم ﷺ کا تھا، اور عبادت کی صحت اور اس کی قبولیت کے لئے اتباع شرط ہے، اور (عبادت کی صحت کے لئے اتباع شرط ہے) سے مراد یہ ہے کہ کوئی عبادت شرعاً مقبول نہیں ہوسکتی جب تک اس کے اندر اتباع رسول نہ پایا جائے، اور کوئی عبادت کسی بندے کی قبول نہیں ہوگی جب تک اس میں اتباع رسول نہ ہو۔

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَن كَانَ يَرْجُوا۟ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا﴾ [کہف: ۱۱۰] ترجمہ: ’’پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔‘‘

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُوا۟ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا﴾ ’’پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل۔‘‘ اور کوئی عمل نیک نہیں ہوسکتا جب تک اس کے اندر اتباع رسول نہ ہو۔

﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا﴾ ’’اور اپنے رب کی ملاقات کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔‘‘ اور یہ اخلاص اللہ کے لئے عبادت میں ہوتا ہے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلْمَوْتَ وَٱلْحَيَوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [ملک: ۲] ترجمہ: ’’وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔‘‘

اللہ نے یہ نہیں کہا: تم میں سے کون عمل میں سب سے زیادہ ہے؟ بلکہ کہا: ﴿أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ’’تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔‘‘ اور حسن عمل یہ ہے کہ عبادت اللہ کے لئے ہو رسول کی اتباع کے تحت۔

مزید ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ [آل عمران: ۳۱] ترجمہ: ’’کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔‘‘

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ﴾ یہ دعویٰ ہے، اور یہ ﴿فَٱتَّبِعُونِى﴾ شرط ہے اس دعویٰ کی صحت کے لئے یعنی اتباع رسول، اب جو بدعت لائے گا اس سے ہم کہیں گے: کیا تم اللہ سے محبت کرتے ہو؟ وہ یقینی طور پر کہے گا: یقیناً ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ پھر کہیں گے: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہو؟ وہ یقینی طور پر کہے گا: یقیناً ہم محبت کرتے ہیں، اور ان تمام امور کو انجام اسی لیے دیتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، میں جشن میلاد مناتا ہوں اس لئے کہ میں رسول اللہ سے محبت کرتا ہوں، ہم اس سے کہیں گے: پھر تو تمہارا رب کہتا ہے: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى﴾ ''کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔'' جب تم رسول کی اتباع کروگے تبھی اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا، اس لئے ضروری ہوا کہ تم پہلے بدعتوں کو ترک کرو تاکہ وہ محبت پوری ہو اور تم اس حقیقی محبت تک پہنچ سکو۔

چنانچہ اب ضروری ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت ثابت کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی جائے، اور اتباع رسول کے لئے ترک بدعات ضروری ہے، اب یہ اگر کریں گے تبھی اللہ آپ سے محبت کرے گا اور آپ اللہ کی محبت تک پہنچ سکیں گے۔

یہ دونوں اصول تھے جن کے بارے میں ہم نے کلام کیا:

1- توحید کو پورا کرنا۔ 2- اتباع رسول کو پورا کرنا۔

*** اسی سے تیسرا اصول بھی مربوط ہے:** اور وہ ہے اللہ کی عبادت کو اسی طرح پوری کرنا جس طرح اللہ کی شریعت نے حکم دیا ہے، چنانچہ سلف کے پیروکار سلفی بالکل سلف کی طرح ہیں کہ جو توحید کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اور اس کی طرف دوسروں کو بلاتے بھی ہیں، اور اسی کے اندر قولی اور عملی، ظاہری اور باطنی تمام عبادات اور اخلاق شامل ہیں، چنانچہ اس عبادت کی طرف اسی طرح دعوت دی جائے گی جس طرح شریعت سے حکم دیا ہے اور یہ سلف صالح کے اصول میں سے ہے، بلکہ سلف صالح کے منہج کی بنیادوں میں سے ہے۔

*** جہاں تک چوتھے اصول کی بات ہے:** تو اس سے مراد جماعت کو لازم پکڑنا ہے، مسلمان حاکم کی اطاعت کرنا ہے جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ کرے، سلف کا اسی پر اجماع ہے، ایک سلفی اس سے خوش ہوتا ہے اور اسی پر عمل کرتا ہے، چنانچہ یہ دینی جماعت کو لازم پکڑتے ہیں، یہ جماعت ایک اکائی ہے نہ کہ متعدد جماعات، اسی طرح بدنی جماعت کو بھی لازم پکڑتے ہیں، حاکم کی اطاعت کرتے ہیں، جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ کرے۔

ارشاد باری ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡ﴾ [نساء:۵۹] ترجمہ: ''لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔''

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے، اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اور حکام المسلمین کی اطاعت کا حکم دیا ہے، لیکن آیت کے اندر ملاحظہ کریں کہ اللہ نے فرمایا: ﴿أَطِيعُواْ ٱللَّهَ﴾ اور فرمایا: ﴿وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ﴾ البتہ حکام کے تعلق سے فعل کا تکرار نہیں کیا، بلکہ کہا: ﴿وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡ﴾ اللہ نے ایسا نہیں کہا: ﴿أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَالرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ اور نہ یہ کہا: ﴿أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

* اس میں حکمت کیا ہے؟

حکام المسلمین کی اطاعت مطلق نہیں بلکہ مقید ہے، کہ وہ معصیت میں نہیں ہوگی، اگر وہ حکم معصیت کا ہے تو ایسی صورت میں حاکم کی اطاعت نہیں ہوگی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِالْمَعْصِيَةِ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ'' ترجمہ: ''سننا اور انہیں بجالانا (ہر مسلمان کے لئے) واجب ہے، جب تک کہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر نہ اسے سننا چاہئے اور نہ اس پر عمل کرنا چاہئے۔''

یہاں سمع وطاعت مقید ہے عدم معصیت کے ساتھ، کیونکہ اطاعت صرف معروف میں ہوتی ہے۔

اسی طرح سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے، سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ، وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ شَرٌّ؟، قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: هَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟، قَالَ: نَعَمْ وَفِيهِ دَخَنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟، قَالَ: قَوْمٌ يَسْتَنُّونَ بِغَيْرِ سُنَّتِي، وَيَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ، فَقُلْتُ: هَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟، قَالَ: نَعَمْ دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، صِفْهُمْ لَنَا، قَالَ: نَعَمْ، قَوْمٌ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَمَا

تَرَى إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ؟، قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ، فَقُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟، قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلَى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ" ترجمہ: "سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھلی باتوں کو پوچھا کرتے اور میں بری بات کو پوچھتا اس ڈر سے کہیں برائی میں نہ پڑ جاؤں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور برائی میں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بھلائی دی (یعنی اسلام) اب اس کے بعد بھی کچھ برائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "لیکن اس میں دھبّہ ہے۔" میں نے کہا: وہ دھبّہ کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسے لوگ ہوں گے جو میری سنت پر نہیں چلیں گے اور میرے طریقہ کے سوا اور راہ پر چلیں گے ان میں اچھی باتیں بھی ہوں گی اور بری بھی۔" میں نے عرض کیا، پھر اس کے بعد برائی ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو جہنم کے دروازے کی طرف لوگوں کو بلائیں گے جو اُن کی بات مانے گا اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔" میں نے کہا: یارسول اللہ! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان کا رنگ ہمارے ہی جیسا ہوگا اور ہماری زبان بولیں گے۔" میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر اس زمانہ کو میں پاؤں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہ اور ان کے امام کے ساتھ رہ۔" کہا: اگر جماعت اور امام نہ ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو سب فرقوں کو چھوڑ دے اور اگرچہ ایک درخت کی جڑ دانت سے چباتا رہے مرتے دم تک۔"

چنانچہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت اور کوئی امام یعنی حاکم وقت نہ ہو تو ایسی صورت میں واجب ہوگا کہ تمام فرقوں اور فتنوں سے دور ہو جائے، الگ تھلگ ہو کر اللہ کی عبادت کرے اور فتنوں میں نہ پڑے، اور یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

اور مزید نبی ﷺ نے فرمایا: "يَكُونُ بَعْدِي أَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهُدَايَ، وَلَا يَسْتَنُّونَ بِسُنَّتِي، وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ" ترجمہ: "میرے بعد وہ لوگ حاکم ہوں گے جو میری راہ پر نہ چلیں گے، میری سنت پر عمل نہیں کریں گے، اور ان میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے دل شیطان کے سے اور بدن آدمیوں کے سے ہوں گے۔"

بھائیو! یہ ان کی صفت کون بتا رہا ہے؟ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو اُن کے بارے میں خبر دے رہے کہ میرے بعد کچھ ایسے حکام آئیں گے جو میری راہ پر نہ چلیں گے، میری سنت پر عمل نہیں کریں گے اور ان میں ایسے لوگ

ہوں گے، یعنی جو اُن کے وزراء اور ساتھی ہوں گے، جن کے دل شیطان کے سے اور بدن آدمیوں کے سے ہوں گے، یعنی وہ خیر کا حکم نہیں کریں گے بلکہ شیطان کی طرف سے شر وفساد کا حکم کریں گے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ؟، قَالَ: تَسْمَعُ وَتُطِيعُ لِلْأَمِيرِ، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ، وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ'' ترجمہ: ''اگر تو ایسے زمانہ میں ہو تو سن اور مان حاکم کی بات کو اگرچہ وہ تیری پیٹھ پھوڑے اور تیرا مال لے لے پر اس کی بات سنے جا اور اس کا حکم مانتا رہ۔''

ساتھیو! اس جملے کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے: یقیناً مسلم حاکم کی معصیت کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو اس کی وجہ سے اس کی سمع وطاعت ختم نہیں ہوگی اگر وہ معصیت کا حکم نہیں دیتا ہے، اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ معاصی اس کے لئے حلال ہیں، معاصی اس پر بھی حرام ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس پر اس کا حساب لے گا، اور جو اسے نصیحت کر سکتا ہے تو اس پر واجب یہی ہے کہ اسے نصیحت بھی کرے جیسا اس کے مقام کے لائق ہو، اگر اسے شراب پیتا دیکھا جائے تو ہم اس کی تاویل نہیں کریں گے کہ اس شراب کے اندر اختلاف ہے، لگتا ہے یہ نشہ آور نہ ہو، نہیں، حاکم اگر معصیت کا ارتکاب کرے تو اسے جائز نہیں ٹھہرائیں گے، اور نہ ہی اس کے ساتھ خیانت کریں گے بلکہ جس کی پہنچ اس تک ہو اور اس کا مقام و مرتبہ بھی ہو تو اسے چاہئے کہ اس کے پاس جا کر حکمت سے اسے نصیحت کرے اور واضح کرے کہ یہ حرام ہے۔

ساتھ ہی ہم اس کے اس عمل کو لے کر اس کے خلاف لوگوں کو ابھاریں گے نہیں اور نہ ہی اس کے خلاف لوگوں کے دلوں کو خراب کریں گے، کہ میدانوں میں جمع ہو کر حاکم کے اس عمل کی تردید و تشہیر کریں، اور حاکم کے اسی عمل کو لے کر جمعہ کے خطبوں میں بیان کریں، یہ سارا عمل صحیح نہیں ہے، لیکن یہ بھی معلوم رہے کہ اس معصیت کی وجہ سے اس کی سمع وطاعت ختم نہیں ہوگی اگر وہ معصیت کا حکم نہیں دیتا ہے۔

اس کا فیصلہ کس نے کیا؟ کہتے ہیں: علماء سلاطین کہتے ہیں: تو سن اور مان حاکم کی بات کو اگرچہ وہ تیری پیٹھ پھوڑے اور تیرا مال لے لے۔ اللہ کی پناہ! یہ بات تو رسول اللہ ﷺ کی ہے، تعجب یہ ہے کہ حزبی لوگ اس حدیث کو ضعیف قرار دینے میں لگے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی دو نقطوں سے غافل ہیں:

* **پہلا نقطہ:** یہ حدیث دوسری سندوں سے صحیح مسلم کے علاوہ بھی آئی ہے، اور وہ سندیں صحیح ہیں، اور مسلم کی سند بھی صحیح ہے گرچہ اس میں کچھ کلام ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث دوسری سندوں سے صحیح مسلم کے علاوہ بھی آئی ہے، اور وہ سندیں صحیح ہیں مگر یہ لوگ اس سے غافل ہیں۔

اور یہ لوگ اس نقطے سے بھی غافل ہیں: یہ لوگ ایسی حدیثوں کو صحیح مانتے ہیں جو انہیں سندوں کے ساتھ مسلم میں ہیں لیکن چونکہ یہ حدیث ان کی خواہشات کے مطابق نہیں ہیں اس لئے اسے ضعیف قرار دینے میں زور لگاتے ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "وَإِنْ ضَرَبَ ظَهْرَكَ، وَأَخَذَ مَالَكَ" "اگر چہ وہ تیری پیٹھ پھوڑے اور تیرا مال لے لے۔" مقصد یہ ہے کہ گرچہ آپ کو یقین ہے کہ وہ ظالم ہے، کیونکہ اس کا ظلم آپ تک پہنچ چکا ہے، پھر بھی آپ پر اس کی سمع وطاعت واجب ہے، اور اس باب میں دلیلیں بہت ہیں۔

* **اور اسی اصول سے مزید جس چیز کا تعلق ہے وہ یہ کہ:** سلف اور ان کے پیروکاروں کا یہ اعتقاد ہے کہ حاکم بنانا واجب ہے، چنانچہ وہ مانتے ہیں کہ امت کا یہ فرض ہے کہ حاکم بنایا جائے، کیونکہ امت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی امیر ہو جو اس کے معاملات زندگی کو چلائے، اور اگر یہ مان لیا جائے کہ امت کو حاکم نہیں بنانا ہے تو ایسی صورت میں امت بلا حاکم کے رہے گی، تو پھر گنہگار ہوگی اور جاہلیت کی زندگی گزارے گی، کیونکہ بغیر حاکم والی زندگی جاہلیت والی زندگی ہے، اور امت پر واجب ہے کہ وہ یہ چیز نہ ہونے دے۔

* **اور اس اصول کے لئے بہت سارے دلائل ہیں: یعنی حاکم بنانے کے وجوب پر:**

ارشاد باری ہے: ﴿وَقَتَلَ دَاوُۥدُ جَالُوتَ وَءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلْمُلْكَ وَٱلْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُۥ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ ٱلْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ [البقرة:۲۵۱] ترجمہ: "اور داود نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے بادشاہی اور دانائی عطا کی اور جتنا کچھ چاہتا تھا سکھا دیا۔ اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ساتھ ہٹانا نہ ہوتا تو یقیناً زمین برباد ہو جاتی اور لیکن اللہ جہانوں پر بڑے فضل والا ہے۔"

یہاں پر اللہ فرما رہا ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ ٱلْأَرْضُ﴾ "اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ساتھ ہٹانا نہ ہوتا تو یقیناً زمین برباد ہو جاتی۔" مقصود یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے اندر امیر اور سردار نہ بنائے جن سے ان کی مصلحتیں پوری ہوتی ہیں اور مفاسد دور ہوتے ہیں تو زمین برباد ہو جائے، اور بلاشبہ زمین کی اصلاح واجب ہے، مفاسد کا دور کرنا بھی واجب ہے، ایسی صورت میں حاکم کا بنانا بھی واجب ہوگا۔

* **حاکم بنانے کے وجوب پر ایک دلیل:** نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ہے: "وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ

مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً‘‘ ترجمہ: ’’جو شخص مرجائے اور کسی سے اس نے بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی۔‘‘ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل حق کی شان یہی ہے کہ ان کا حاکم ہو، کیونکہ بیعت حاکم وقت کے لئے ہی ہوگی۔ اس لئے بیعت بھی ضروری ہے اور حاکم کی تعیین بھی ضروری ہے، اگر حاکم نہیں تو بیعت نہیں، اور اگر بیعت نہیں تو زندگی جاہلیت والی ہوگی۔

* **حاکم اور امیر بنانے کے وجوب پر ایک دلیل جسے علماء نے ذکر کیا ہے:** نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ہے: ’’إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ‘‘ ترجمہ: ’’جب تین افراد کسی سفر میں ہوں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں۔‘‘ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

* **وجہ استدلال:** حالت سفر میں تین آدمیوں میں سے کسی ایک کو امیر بنانے کا حکم ہے پھر تو پوری امت کو اپنا حاکم اور امیر بنانا بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا، اور اسی لئے اس وجوب پر علماء امت کا اجماع ہے۔

علامہ قرطبی ایسے حاکم بنانے کے تعلق سے جس کی اطاعت واجب ہوتی ہے، کہتے ہیں: ’’امت اور ائمہ سلف کے درمیان اس وجوب کے تعلق سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔‘‘ گویا علامہ قرطبی نے اس پر اجماع نقل کیا مگر اصم نے اس کی مخالفت کی ہے، اصم کون ہے؟ یہ معتزلہ کے ائمہ میں سے مانا جاتا ہے، علامہ قرطبی نے اصم کے بارے میں کہا: ’’حيث كان عن الشريعة أصم‘‘ یعنی شریعت کے بارے میں یہ بہرا تھا۔ یعنی یہ نصوص کی طرف توجہ نہیں دیتا ہے، اسی طرح اور کچھ لوگ ہیں جو اصم کے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔

شافعی فقیہ امام عمرانی کہتے ہیں: ’’بے شک صحابہ کا حاکم بنانے پر اتفاق ہے۔‘‘ بلکہ اس کی اہمیت ہی کی وجہ سے صحابہ نے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد دفن سے پہلے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہی تھا یعنی حاکم اور خلیفہ بنانا، حکومت واقتدار کی محبت اور دنیا کی رغبت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ امام بنانا شریعت کے عظیم اصولوں میں سے ہے، اور امام نووی نے بھی حاکم بنانے کے وجوب پر اجماع نقل کیا ہے۔

اور بلاشبہ ایک عقلمند شخص کو یہ پتہ ہے کہ مصلحتوں کا حصول اور مفاسد کا خاتمہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ان کا کوئی حاکم ہو، اور اگر حاکم نہ ہو گرچہ ایک لمحے ہی کے لئے تو ایسی صورت میں زمین کے اندر فساد واقع ہوجائے گا جیسا کہ علماء نے ثابت کیا ہے، انہیں میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی ہیں، آپ نے فرمایا: ’’ظالم حاکم کے ساتھ ساٹھ سال بہتر ہے اس ایک رات سے جس میں کوئی حاکم اور سلطان نہ ہو۔‘‘ کہتے ہیں: ’’اور تجربہ اسی پر دلالت کرتا ہے۔‘‘ اور یقیناً یہ حقیقت

ہے، جس کی مثال آپ موجودہ دور میں دیکھ رہے ہیں کہ کیسے بعض ملکوں میں ظالم حکام تھے لیکن انہیں جب گرایا گیا تو ملک کے اندر شر وفساد عام ہوگیا، یہاں تک کہ لوگ اب کہنے لگے: فلاں کی حکومت کہاں گئی؟ یعنی وہی بہتر تھی۔

*** بھائیو! میں ایک ایسی چیز بیان کر رہا ہوں جس سے اس کی تصدیق ہوگی جسے علماء شرع اور علماء سلف نے ثابت کیا ہے:**

ایک بار میں ایک ملک میں ایئر پورٹ پر تھا تا کہ وہاں سے اپنے ملک آسکوں، اچانک ایئر پورٹ کی لائٹ بجھ گئی، اور فوج آ گئی، جو غیر عربی زبان میں بات کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ایئر پورٹ سے نکل جاؤ، میں نے ایک ساتھی کے پاس فون کیا اور کہا: میرے چاروں طرف فوج آ گئی ہے، اور میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، تو ساتھی نے کہا: اپنی جگہ بیٹھے رہو، باہر نہیں نکلنا، ملک میں انقلاب آ گیا ہے، یہ فوج آپ کو وہاں سے نکالنا چاہتی ہے تا کہ سولی پر چڑھادے اور قتل کر دے، آپ میرا انتظار کریں، میں بعض نوجوانوں کے ساتھ ایئر پورٹ آرہا ہوں آپ کو نکالنے کے لئے، میں بالکل کرسی پر بیٹھا رہا، یہاں تک کہ ساتھی آئے، شاید ایک یا دو گھنٹے کے بعد۔

ہم گاڑی میں سوار ہوئے، پھر مجھے راجدھانی ہی کے ایک نہایت ہی فقیر محلے میں لے گئے، راستے میں ہم نے بہت سی گاڑیاں پلٹی ہوئی محلات لٹے ہوئے دیکھے، اور مجھے وہ لوگ ایک فقیر محلے میں لے گئے، میں نے کہا: تم لوگ مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہو؟ کہا: یہ محلہ فقیر ہے، یہاں چور لٹیرے نہیں آئیں گے، چور لٹیرے اس وقت بڑے بڑے ہوٹلوں اور محلات کو لوٹ رہے ہیں، مگر یہاں کوئی نہیں آئے گا، یہ محفوظ جگہ ہے، پھر ہم ایک ایسے مکان میں ٹھہرے جس کی حالت اللہ ہی کو پتہ ہے، وہاں ہم تین دنوں تک ٹھہرے، جبکہ ملک اس وقت خوف و ہراس، قتل وڈاکہ زنی اور انارکی کا شکار تھا، سبحان اللہ! چند لمحوں میں چند گھنٹوں میں ملک کو لوٹ لیا گیا، اس وقت مجھے اس حقیقت کے بارے میں سلف اور علماء امت کے کلام یاد آئے۔

شافعی فقیہ امام آمدی اس حقیقت کے بارے میں کہتے ہیں: ''اور اس چیز کی سب سے بڑی دلیل حکام کی موت کے وقت فتنوں کا واقع ہونا اور امت کے اندر انارکی کا پیدا ہونا ہے جب تک کہ دوسرا حاکم نہ بن جائے۔'' کہہ رہے ہیں کہ جب کوئی حاکم مرجاتا ہے تو فتنے شروع ہوجاتے ہیں، لوٹ مار شروع ہوجاتی ہے، شر وفساد مچانے والے باہر آجاتے ہیں جب تک کہ دوسرا حاکم نہ بنا دیا جائے۔

علامہ آلوسی کہتے ہیں: ''دین بنیاد ہے اور بادشاہ اس کا محافظ، اور جس کی کوئی بنیاد نہیں وہ منہدم ہوجاتی ہے، اور جس

کا کوئی محافظ نہیں وہ ضائع ہوجاتا ہے۔'' اس لئے لوگوں کو جس طرح دین کی ضرورت ہے اسی طرح حاکم کی بھی ضرورت ہے، تاکہ ان کی مصلحتیں محفوظ رہیں۔

شیخ الاسلام اس باب میں اصول سلف کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ لوگوں پر حاکم بنانا دین کے عظیم واجبات میں سے ہے، بلکہ دین و دنیا کی بقاء اسی میں ہے، کیونکہ بنی آدم کی مصلحت اجتماعیت کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔''

* **اسی اصول سے متعلق یہ بھی ہے:** بیعت کو لازم پکڑنا اور اسے پورا کرنا، چنانچہ سلف کے اصول میں ہے کہ ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ممکن حد تک ایک مسلمان حاکم کی بیعت کو لازم پکڑے، کیونکہ بیعت ایک مسلمان کے لئے لازم ہے۔ اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کی گردن میں کوئی بیعت نہ ہو اس کے امکان کی صورت میں، اگر مسلمان حاکم موجود ہے تو ایسی صورت میں اس کی گردن میں بیعت کا ہونا ضروری ہے، اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اگر ممکن ہوا تو ضرور بیعت کرے گا۔ کیا ایسا پایا جاتا ہے؟ ہاں۔ مثلا! یورپ کے اندر ہمارے مسلمان بھائی، وہاں کوئی مسلمان حاکم نہیں ہے، اس لئے ان کی گردنوں میں کوئی بیعت نہیں ہے، کیونکہ بیعت مسلمان حاکم کے لئے ہوتی ہے، اب ایسی صورت میں ان پر واجب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھیں کہ اگر ممکن ہوا تو ضرور بیعت کریں گے، اب وہاں یورپ میں مسلمانوں کے لئے واجب ہے کہ وہاں کے ان نظاموں اور اصولوں کی پابندی کریں جو شریعت کے مخالف نہ ہوں، لیکن اسے بیعت نہیں کہیں گے، کیونکہ بیعت مسلمان حاکم کے لئے ہوتی ہے، لیکن اگر اس طرح کے ملکوں میں امکان والی کوئی بات ہو جیسے انڈونیشیا میں کوئی صدر ہو تو حاکم مسلم کی ذمہ داری نبھا رہا ہو تو ایسی صورت میں ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اس کی گردن میں بیعت ہے اور اسے لازم پکڑے۔

حاکم کی بیعت کون کرے گا؟ کیونکہ جب ہم بیعت کی بات کرتے ہیں تو بعض نادان لوگ کہتے ہیں کہ میری گردن میں کوئی بیعت نہیں ہے، کیوں نہیں؟ تو کہتا ہے: میں نے تو حاکم کے پاس جا کر بیعت نہیں کی ہے، تو ہم اسے کہتے ہیں: اہل سنت والجماعت کے اتفاق کے ساتھ یہ بیعت اہل حل وعقد کی بیعت سے پوری ہوجاتی ہے، جب یہ لوگ بیعت کرلیتے ہیں تو تمام افراد پر لازم ہوجاتی ہے، اور اہل حل وعقد اس وقت علماء اور فوج ہیں، چنانچہ جن علماء امت اور فوج کے افراد بیعت کرلیں اس زمانے میں تو تمام افراد امت پر بیعت لازم ہوجائے گی، کوئی ضروری نہیں کہ ہر

کوئی جا کر بیعت کرے، اور جب بیعت لازم ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اسے توڑنا جائز نہیں ہوتا۔

یزید بن معاویہ کے زمانے میں واقعہ حرّہ کے وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے، تو انہیں خادموں کو حکم دیا: ''اطْرَحُوا لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وِسَادَةً، فَقَالَ: إِنِّي لَمْ آتِكَ لِأَجْلِسَ أَتَيْتُكَ لِأُحَدِّثَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً'' ترجمہ: ''ابو عبدالرحمٰن (یہ کنیت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی) کے لئے تو شک بچھاؤ۔ انہوں نے کہا: میں اس لئے نہیں آیا کہ بیٹھوں بلکہ ایک حدیث تمہیں سنانے کے لئے آیا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے: ''جو شخص اپنا ہاتھ حاکم کی اطاعت سے کھینچ لے وہ قیامت کے دن اللہ سے ملے گا اور کوئی دلیل اس کے پاس نہ ہوگی اور جو شخص مرجائے اور کسی سے اس نے بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی۔''

بھائیو! مقصود یہی ہے کہ جو شخص مرجائے اور کسی سے اس نے بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی۔ اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ کافر ہو گیا، اس کی موت جاہلیت والوں کی طرح ہوگی، مطلب یہ ہے کہ اہل اسلام کی حالت اس کے برخلاف ہے یعنی ان کی گردنوں میں بیعت ہونی چاہئے۔

اور امر کی عظمت پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ'' (بنی اسرائیل کی حکومت پیغمبر کیا کرتے تھے جب ایک پیغمبر مرتا تو دوسرا اس کی جگہ ہوتا۔) یعنی بنو اسرائیل کے اندر سیاست انبیاء ہی کرتے تھے۔ ''وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي'' (اور میرے بعد تو کوئی پیغمبر نہیں ہے۔) یعنی پہلے نبی ہی سیاست کرتا تھا، لیکن نبی اکرم ﷺ کے بعد کون سیاست کرے گا، فرمایا: ''وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ'' (بلکہ خلفاء ہوں گے) یعنی امت محمدیہ کے اندر سیاست کرنے والے خلفاء اور حکام ہوں گے، ''وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فيكْثُرُون'' (بلکہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔) یعنی بہت ہوں گے جو خلافت اور ولایت کے معاملے میں جھگڑیں گے، پس دو امیر ایک ہی ملک میں آپس میں جھگڑا کریں گے۔

''قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا، قَالَ: فُوابِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ'' (لوگوں نے عرض کیا، پھر آپ ہم کو کیا حکم کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس سے پہلے

بیعت کرلو اسی کی بیعت پوری کرو، اور ان کا حق ادا کرو اللہ ان سے سمجھ لے گا جو اس نے ان کو دیا ہے۔'')

یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

*** یہ کلّی اصول ہے کہ مسلمان حاکم کی اطاعت واجب ہے جسے بیان کیا گیا، اس سے لازم آتا ہے کہ: مسلمان حاکم کی** مخالفت حرام ہے سوائے اس وقت جب وہ معصیت کا حکم کرے، چنانچہ صرف اسی صورت میں مخالفت جائز ہوگی، اور مسلمان حاکم کی مخالفت کی کئی قسمیں ہیں:

* **پہلی قسم:** اگر معصیت الٰہی کا حکم دے تو اس کی اطاعت میں مخالفت ہوگی، اور یہ مخالفت واجب ہے، چنانچہ اگر حاکم وقت کسی کو معصیت کا حکم دے تو اس پر مخالفت واجب ہے، وہ معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا، اور ایسی صورت میں بھی سمع و طاعت باقی رہے گی ختم نہیں ہوگی، ''**عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ**'' ترجمہ: ''مسلمان پر سننا اور ماننا واجب ہے (حاکم کی بات کا) خواہ اس کو پسند ہو یا نہ پسند ہو مگر جب حکم کیا جائے گا گناہ کو تو نہ سننا چاہئے نہ ماننا چاہئے۔''

* **دوسری قسم:** گناہ کرنے والے حاکم کی مخالفت جو معصیت کا حکم نہ دے، ایسی صورت میں مخالفت کرے گا، مگر حکومت واقتدار کے لئے جھگڑا نہیں کرے گا۔

یہاں متنبہ ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ بعض لوگ یہاں تلبیس میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، یہاں حقیقت یہی ہے کہ جو معصیت کا حکم نہ دے مگر گناہ کا ارتکاب کرے تو اس کی مخالفت تو ہوگی مگر نہ بیعت جائے گی اور نہ ہی وہ حکومت واقتدار کے لئے لڑے گا۔

اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو: حاکم وقت حکم دے کہ اپنی گاڑی سو کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلاؤ، اب ایسی صورت میں ایک مسلمان پر کیا واجب ہے؟ اس کی اطاعت واجب ہے، کیونکہ اس نے معصیت کا حکم نہیں دیا ہے، مگر جو ایک سو بیس کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی چلائے گا وہ نافرمان ہوگا، مگر ایسی صورت میں کیا وہ حاکم وقت سے لڑائی کرے گا اور اس کے خلاف خروج کرے گا؟

جواب: نہیں، یہ معصیت اور برائی ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''**مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ يَعْصِنِي فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ**

فَقَدْ عَصَانِي ''ترجمہ:''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو کوئی اطاعت کرے حاکم کی (جس کو میں نے مقرر کیا) اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''(متفق علیہ)

اس حدیث کے اندر رسول اللہ ﷺ نے واضح کیا کہ امیر کی نافرمانی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی برائی ہے۔

* **تیسری قسم:** سمع و طاعت میں حاکم وقت کی مخالفت کی جائے اور اس کے حکم کی نافرمانی کی جائے گرچہ وہ معصیت کا حکم نہ دے، ساتھ ہی حکومت و اقتدار کے لئے جھگڑا بھی کیا جائے، چنانچہ بندہ نہ تو اس کی بات سنے اور نہ ہی اطاعت کرے اور اس کی حکومت میں اس سے جھگڑا بھی کرے، تو یہ بدعت ہے جیسا کہ پہلے میں نے کہہ دیا ہے: برائی اور گناہ دونوں ہے، اور یہ بدعت معصیت سے بھی بری ہے۔

اب اگر یہ مخالفت مسلح خروج کے ساتھ نہ ہو بلکہ صرف خطبوں، مظاہروں اور لوگوں کو بھڑکانے کے ذریعے ہو، تو انہیں قعدہ خوارج کہا جائے گا جو بیٹھ کر اپنی تقریروں اور خطبوں کے ذریعے عوام کو حکمرانوں کے خلاف بھڑکاتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارا مظاہرہ پُر امن ہے، یہ کوئی مسلح جھڑپ نہیں، ہم صرف حاکم کو گرانا چاہتے ہیں۔ان شاء اللہ اس پر گفتگو ہوگی۔

اس طرح یہ خروج و بغاوت پر ابھارتے ہیں، اور عوام کو اکٹھا کر کے نظام حکومت کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں، تو یہی قعدہ خوارج ہیں، یہ مسلح جھڑپیں تو نہیں کرتے مگر مقصد وہی ہوتا ہے۔اس لئے یہ بھی خروج ہی کی ایک قسم ہے۔

اور اگر مخالفت تلوار کے ذریعے مسلح ہو اور مسلمان حاکم کی تکفیر ہو تو یہ خالص خروج ہے جس پر تمام احادیث منطبق ہیں، اور خروج کے اندر کبھی بھی امت کے لئے بھلائی نہیں رہی ہے، ایسی صورت میں صبر کرنا اور نصیحت کرنا ضروری ہے، جب تک کہ مسلمان حاکم دو صفتوں سے متصف ہو؛ ایک اسلام اور دوسرے عقل، یعنی اگر وہ مسلمان ہے تو کوئی اس کی تکفیر نہیں کرسکتا، رہا معاملہ ان تکفیریوں کا تو ان کی باتوں کی کوئی حقیقت نہیں، یہ تو ہر ایک کی تکفیر کرتے ہیں۔

انہیں میں سے ایک نے مجھ سے ایک بار حج میں کہا: میں بیس لاکھ حاجیوں کو دیکھ رہا ہوں۔میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: ان میں سے کوئی اللہ کو نہیں پہچانتا، سب کافر ہیں۔چنانچہ ان کی باتوں کی کوئی قیمت نہیں، حاکم وقت جب تک مسلمان اور باعقل ہے تو اس کی ولایت باقی رہے گی اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں، ہاں خیر خواہی کے لئے

نصیحت کی جائے گی۔

لیکن اگر صراحت کے ساتھ اپنے کفر کا اعلان کر دے، اور کہے: میں نے دین اسلام کو ترک کر دیا، اب میں ملحد ہوگیا، یا یہ کہ علماء امت یہ فیصلہ کر دیں کہ وہ کافر اور مرتد ہوگیا ہے اب ایسی صورت میں اس کے خلاف خروج جائز ہوگا مگر تین شروط کے ساتھ:

* **پہلی شرط:** یہ کہ مسلمانوں کے پاس اس کے خلاف خروج کرنے کی طاقت ہو، اگر طاقت نہ ہوتو خروج جائز نہیں ہوگا بلکہ صبر کرے گا۔

* **دوسری شرط:** اس خروج سے پہلے کے مقابلے زیادہ شر وفساد لازم نہ آئے، اور قتل وخونریزی اور انسانی مصلحتوں کے ضیاع، لوٹ مار سے بڑھ کر اور کیا فساد ہوسکتا ہے، چنانچہ اگر یہ پتہ ہو کہ اس خروج سے فتنوں اور مفاسد کا امکان زیادہ ہے تو ایسی صورت میں صبر واجب ہوگا اور خروج جائز نہیں ہوگا۔

* **تیسری شرط:** کوئی دوسرا ایسا شخص موجود ہو جو حکومت کے لائق ہو، کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس طاقت ہو، اور یہ بھی ممکن ہو کہ خروج سے زیادہ فتنہ اور فساد لازم نہیں آئے گا، مگر ان کے پاس کوئی قیادت کا اہل نہ ہو، چنانچہ جب وہ خروج کریں گے تو ایسی صورت میں ملک کے اندر انارکی پیدا ہو جائے گی اور کوئی ملک کو سنبھالنے والا نہیں ہوگا، ایسی صورت میں بھی خروج جائز نہیں ہوگا۔

اور اس میں خروج کی تمام صورتیں شامل ہیں، وہ چاہے قعدہ خوارج کی شکل ہو، یا مسلح خروج کی شکل ہو۔

اس طرح اس کی تین شرطیں ہیں:

1- مسلمانوں کے پاس اس کی طاقت ہو۔

2- اس خروج پر فتنہ وفساد لازم نہ آئے۔

3- ملک کی قیادت کے لئے کوئی شخص موجود ہو۔

اور اگر حاکم وقت کی عقل زائل ہو جائے، ایسی صورت میں اسے معزول کرنا واجب ہوگا، اس لئے کہ وہ کیسے حاکم ہوسکتا ہے جس کی عقل نہ ہو، اس لئے پاگل پن کی صورت میں اسے معزول کرنا ضروری ہے۔

اصول سلف ۲

الحمدُ للهِ ربِّ العالَمِين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتَمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين.

حمد وثناء کے بعد!

میں اپنے بھائیوں کا اس پہلے شرعی دورے میں جزیرۂ لومبوک کے اندر (**منہج سلف کا تحقیقی جائزہ**) کے موضوع کے ساتھ استقبال کرتا ہوں، بروز منگل کی مجلسوں میں سے یہ تیسری مجلس ہے، اور''**اصول سلف**'' کے موضوع پر ہے اور اس موضوع پر یہ دوسری مجلس ہے۔ اس کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ جو اصول پر چلے گا وہ منزل تک پہنچے گا اور جو اس سے محروم ہوگا وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا، اور جو اصول سلف کی مخالفت کرے گا وہ ان کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔

ہم نے پچھلی مجلس میں یہ بیان کیا کہ اہل سنت والجماعت کے کچھ اصول عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں پائے جاتے ہیں: عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث یہ ہے: ''**أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**'' ترجمہ: ''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقۂ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچے رہنا، اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اور ہم نے یہ بھی کہا کہ وہ اصول یہ ہیں:

* **پہلا**: توحید کو پورا کرنا۔

* چنانچہ اہل سنت والجماعت اہل توحید ہیں، اسے پورا کرتے ہیں، اسی کو مانتے ہیں، اور اسی کے ارد گرد دعوت

دیتے ہیں، اسی کی طرف ہر چیز کو لوٹاتے ہیں، اس کی شان توحید ہی ہوتی ہے۔

* برخلاف دوسروں کے: یہ لوگ یا تو توحید کا بالکل اہتمام نہیں کرتے، یا اجمالی طور پر کرتے ہیں، اور اس طریقے سے نہیں جس پر صحابہ کا عقیدہ تھا بلکہ اشعری عقیدے، یا ماتریدی عقیدے پر اہتمام کرتے ہیں۔

* **دوسرا: اتباع رسول جو کہ شہادتین میں دوسرا حصہ ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں،** چنانچہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تک پہنچانے والے تمام راستے مسدود ہیں سوائے محمد ﷺ کے راستے کے، چنانچہ جو بھی کوئی ایسا راستہ اختیار کرے گا اللہ تک پہنچنے کے لئے جو محمد ﷺ کا راستہ نہیں ہوگا، اس راستے کے ذریعے وہ مقصد تک نہیں پہنچ سکتا، بلکہ وہ بدعت میں واقع ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں اس کا عمل مردود ہوگا، یہ سلف کے نزدیک بہت عظیم اصول ہے، برخلاف دوسروں کے۔

* **اور ہم نے تیسرا اصول بیان کیا جو کہ انہیں دونوں اصولوں کے تابع ہے:** اور وہ ہے اللہ کے لئے عبودیت کو پورا کرنا جس طرح اللہ چاہتا ہو، اور ہم نے کہا: عبادت کہتے ہیں ان تمام اقوال و اعمال ظاہرہ و باطنہ کو جنہیں اللہ پسند کرے اور ان سے راضی ہو، اور اہل سنت والجماعت توحید کے اہتمام اور اتباع رسول کے ساتھ ساتھ پورے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں، وہ صوم وصلاۃ، حج اور اخلاق سب کی طرف بلاتے ہیں، کیونکہ یہ اللہ کے راستے کا حصہ ہیں۔

برخلاف دوسروں کے، کیونکہ وہ اپنے افکار ونظریات کی طرف بلاتے ہیں نا کہ اللہ عزّوجل کی طرف، چنانچہ وہ اپنی مصلحتوں کو پورا کرتے ہیں، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے ذاتی مقاصد کے لئے دعوت دیتے ہیں، اور اگر عبادت کی طرف بلاتے بھی ہیں تو اسے سیاست میں بدل دیتے ہیں، اور کچھ لوگ اپنے زعم میں فضائل کی طرف بلاتے ہیں، اور توحید اور اس کے مسائل کی طرف نہیں بلاتے، جبکہ اہل سنت والجماعت اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں، کیونکہ ان کی دعوت خالص اللہ کی طرف ہوتی ہے۔

اور ہم نے چوتھا اصول بیان کیا اور اس دوران جانا کہ: مسلمان حاکم کی سمع وطاعت واجب ہے اگر وہ معصیت کا حکم نہ دے، اور جماعت کو لازم پکڑنا ہے، اہل سنت والجماعت اسی کو ثابت کرتے ہیں اور اسے دین کا حصہ سمجھتے ہیں نہ کہ سلطان کا تقرب اور جاہ ومال، برخلاف دوسروں کے کہ وہ نہ تو اسے پورا کرتے ہیں اور نہ ہی اسے مانتے ہیں الا یہ کہ اس بارے میں ان کی کوئی مصلحت ہو، چنانچہ یہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر اس میں بدلتے رہتے ہیں۔

* **اور اس اصول سے متعلق ہم نے بیان کیا کہ اہل سنت والجماعت کا اصول ہے کہ:** مسلمان حاکم کی ہیبت وجلال

کی محافظت ضروری ہے، ساتھ میں اسے نصیحت بھی کی جائے، چنانچہ سلف کے اصول میں سے ہے کہ مسلمان حاکم کی ہیبت و جلال کی محافظت کی جائے اور اسے ضائع نہ کیا جائے کہ اس کی تذلیل ہو، ساتھ ہی اس کے مقام و مرتبہ کے حساب سے اس کی نصیحت بھی ہو، نہ اس کے خلاف جھوٹ ہو اور نہ ہی اس کی چاپلوسی ہو، چنانچہ اہل سنت والجماعت حاکم سے جھوٹ نہیں بولتے اور نہ ہی چاپلوسی میں اس کے شریعت مخالف اعمال کو جائز ٹھہراتے، اور نہ ہی اس کے معاصی کو جائز ٹھہراتے، ساتھ ہی اس کے خلاف لوگوں کو ابھارتے بھی نہیں کہ فتنہ وفساد کا سبب بنیں۔

حاکم وقت کو نصیحت کرنا سلف کے نزدیک شرعی اصول میں شامل ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے نصیحت کو دین کہا ہے، ارشاد نبوی ہے: ''إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ , قَالُوا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: لِلهِ وَكِتَابِهِ وَرَسُولِهِ وَأَئِمَّةِ الْمُؤْمِنِينَ وَعَامَّتِهِمْ، أَوْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ'' ترجمہ: ''یقیناً دین خیر خواہی کا نام ہے، یقیناً دین خیر خواہی کا نام ہے، یقیناً دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کن کے لئے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مومنوں کے حاکموں کے لئے اور ان کے عام لوگوں کے لئے یا کہا مسلمانوں کے حاکموں کے لئے اور ان کے عام لوگوں کے لئے۔''

اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے، اس حدیث کے اندر نبی اکرم ﷺ نے حاکم المسلمین کی نصیحت کو دین قرار دیا ہے، اور اسی منہج پر سلفی قائم ہیں کہ حاکم وقت کی نصیحت کو دین کا حصہ سمجھتے ہیں، چنانچہ حاکم کو نصیحت کرتے ہیں اس کے ساتھ خیانت نہیں کرتے، بلکہ نصیحت کے ذریعے شرعی اصولوں کو واضح کرتے ہیں۔

مزید ارشاد نبوی ہے: ''ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مسلم: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلهِ، وَالنُّصحُ لأئمةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلُزُومُ جَمَاعَتِهِمْ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ'' ترجمہ: ''تین باتیں ایسی ہیں جن میں کسی مومن کا دل خیانت نہیں کرتا، ایک اللہ کے لئے عمل خالص کرنے میں، دوسرے مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی کرنے میں، اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ملے رہنے میں، اس لئے کہ ان کی دعا انہیں چاروں طرف سے گھیرے رہتی ہے۔''

اس حدیث کو امام احمد، ابن ماجہ، ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے اندر اللہ کے لئے اخلاص کا پتہ چلا جس پر ہم پہلے اصول میں گفتگو کر چکے ہیں، اور اللہ کے لئے

عبادت کو ثابت کرنا، جماعت کو لازم پکڑنا، اور اسی اصول کے بارے میں ہم گفتگو کریں گے، اور مسلم حکام کے لئے خیر خواہی۔

اس حدیث کو علماء نے دلوں کا امتحان کہا ہے، اگر آپ اپنے دل کا امتحان لینا چاہیں کہ وہ سلیم و پاک ہے تو اسے اسی حدیث پر پیش کر دو، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مسلم**'' ترجمہ: ''تین باتیں ایسی ہیں جن میں کسی مومن کا دل خیانت نہیں کرتا۔'' یعنی انہیں انکار نہیں کرتا بلکہ ان سے راضی ہوتا ہے، محبت کرتا ہے اور شرح صدر ہوتا ہے:

* **پہلی خصلت: (اخلاص العمل لله)** انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دل کو ٹٹولے کہ کیا اس کا دل اعمال میں اللہ کے لئے خالص ہے یا کچھ خلل پایا جاتا ہے؟

* **دوسری خصلت: (والنصح لائمة المسلمين)** یعنی ان کے ساتھ خیانت نہ کرے، اور ان کے مقام و مرتبے کا خیال کر کے ان کے سامنے حق کو واضح کرے۔ جماعت کو لازم پکڑے، اور نصیحت میں شرط یہ ہے کہ حاکم کی ہیبت و جلال کی محافظت ہو۔

صحابی رسول ابو بکرہ رضی اللہ عنہ منبر کے نیچے تھے، اور ابن عامر خطبہ دے رہا تھا، جس پر باریک اور ہلکا کپڑا تھا، اس زمانے میں اس طرح کا کپڑا فاسق لوگ زیب تن کرتے تھے، یہ دیکھ کر ابو بلال جو کہ خوارج میں سے تھا کھڑا ہو گیا، اور کہا: دیکھو! اپنے امیر کی طرف جو فاسقوں کا کپڑا زیب تن کرتا ہے، جی یہ سچ بول رہا تھا کہ فاسقوں کا کپڑا ہے، تو کیا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ بہت اچھا تو ٹھیک کہہ رہا ہے، اللہ تجھے برکت دے، ظالم بادشاہ کے پاس سچا کلمہ کہا ہے تم نے؟ ایسا کچھ نہیں کہا بلکہ یہ کہا: تم خاموش ہو جاؤ، میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ''**مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللهُ**'' ترجمہ: ''جو شخص زمین پر اللہ کے بنائے ہوئے سلطان (حاکم) کو ذلیل کرے تو اللہ اسے ذلیل کرے گا۔'' اس حدیث کو امام ترمذی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور البانی نے حسن کہا ہے۔

اس لئے مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ انکار منکر کو دلیل بنا کر حاکم وقت کو رسوا کرے، گرچہ وہ معصیت کا ارتکاب کرے، کیونکہ یہ انکار منکر کا طریقہ نہیں ہے جس میں حاکم وقت کی رسوائی ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**مَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللهِ، كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللهِ، وَمَنْ عَادَ**

مَرِيضًا، كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللهِ، وَمَنْ غَدَا إِلَى مَسْجِدٍ أَوْ رَاحَ، كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللهِ، وَمَنْ دَخَلَ عَلَى إِمَامٍ يُعَزِّرُهُ كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللهِ، وَمَنْ جَلَسَ فِي بَيْتِهِ لَمْ يَغْتَبْ إِنْسَانًا، كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللهِ" ترجمہ: "جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کی ضمانت میں ہوتا ہے، اور جس نے کسی مریض کی عیادت کی وہ اللہ کی ضمانت میں ہوتا ہے، اور جو مسجد میں صبح یا شام کے وقت گیا وہ اللہ کی ضمانت میں ہوتا ہے، اور جو حاکم وقت کے پاس گیا اس کی عزت کرنے وہ اللہ کی ضمانت میں ہوتا ہے، اور جو اپنے گھر میں بیٹھا رہا کسی کی غیبت نہیں کیا وہ اللہ کی ضمانت میں ہوتا ہے۔"

اسے ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

حدیث کا مفہوم:

(من جاهد في سبيل الله) یعنی جس کے اندر جہاد کی شرطیں پائی جائیں اور موانع نہ ہوں (كان ضامنا على الله) اگر وہ مارا گیا تو شہید ہوگا اور اگر واپس آیا تو سعادت مند ہوگا، یعنی اجر عظیم کے ساتھ آیا۔

(ومن عاد مريضاً، كان ضامناً على الله) علماء نے کہا ہے: اگر اسی کے پاس مر گیا تو جنت میں جائے گا، یعنی کوئی کسی مریض کے پاس عیادت کے لئے گیا اور مریض کے پاس انتقال ہو گیا تو جنت میں جائے گا، اور اگر واپس آ گیا تو اجر عظیم کے ساتھ واپس آئے گا۔

(ومن غدا الى المسجد او راح، كان ضامناً على الله) اسی طرح یہاں بھی علماء نے کہا ہے: اگر مسجد ہی میں انتقال ہو گیا تو جنت میں جائے گا، اور اگر واپس آ گیا تو اجر عظیم کے ساتھ واپس آئے گا۔

(ومن دخل على امام) یعنی امیر کے پاس جائے، وہ کسی علاقے کا امیر ہو یا ملک کا حاکم ہو، (يُعزِّزُه) یعنی اس کی توقیر کرے، اور اس کی ہیبت کو ظاہر کرے مگر کسی باطل پر اس کی مدد نہ کرے، اور نہ ہی کسی باطل پر اقرار کرے۔

بھائیو! معلوم رہے کہ سلف کا یہ طریقہ رہا ہے کہ امراء وحکام کے پاس کبھی جاتے تھے اور کبھی نہیں جاتے تھے:

- چنانچہ جب شرعی مصلحت کا تقاضہ ہوتا تھا اس کی توقیر وعزت کی خاطر تو جا کر اسے نصیحت کرتے تھے۔
- البتہ کسی باطل کی تائید کرنے یا اقرار کرنے کی غرض سے کبھی نہیں جاتے تھے۔

اہل سنت والجماعت حاکم وقت کے پاس جا کر باطل پر خاموش نہیں رہتے تھے اور نہ ہی اس کا اقرار کرتے تھے،

بلکہ جا کر اس کی توقیر کرتے بغیر کسی چاپلوسی اور جھوٹ کے، نہ باطل کا اقرار کرتے اور نہ اس کی تصدیق کرتے۔

* (کان ضامناً علی اللہ) یعنی اگر وفات پا گیا تو جنت میں جائے گا اور اگر واپس آیا تو اجر و ثواب کے ساتھ واپس آئے گا۔

(وَمَنْ جَلَسَ فِي بَيْتِهِ لَمْ يَغْتَبْ إِنْسَانًا، كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللهِ) یعنی اگر ان مجالس سے پرہیز کیا جن میں معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے بلکہ گھروں میں بیٹھا رہا تو وہ اللہ کی ضمانت میں ہوتا ہے۔

اس طرح ہمارے یہاں یہ قطعی مسئلہ ہے کہ حاکم کی ہیبت کی محافظت سنت اور سلف صالح کے اصول میں سے ہے اسی عمدہ منہج کے ساتھ جس کا ذکر میں نے کیا ہے۔

*** اس اصول -مسلمان حاکم کی سمع وطاعت بغیر معصیت کے اور جماعت کو لازم پکڑنا واجب ہے- سے کچھ اصول نکلتے ہیں:**

* **پہلی چیز:** مسلمان حاکم کے ساتھ معاملہ اور سلوک ایک شرعی عبادت ہے نہ کہ ایسی سیاست جو مصلحتوں کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے، یہ تعامل اور برتاؤ لین دین کی طرح نہیں ہوتا، بلکہ شرعی حق کی ادائیگی ہوتی ہے یا تو وہ آپ کا حق ادا کرے گا یا نہ ادا کرے گا، یہی اہل سنت کے اندر اصل ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا: یا نبی اللہ! اگر ہمارے امیر ایسے مقرر ہوں جو اپنا حق ہم سے طلب کریں اور ہمارا حق نہ دیں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟

یہ سن کر آپ ﷺ نے جواب نہ دیا، پھر پوچھا، آپ جواب نہ دیا، پھر پوچھا، تو آپ نے فرمایا: "اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ" ترجمہ: "سنو اور اطاعت کرو ان پر ان کے عملوں کا بوجھ ہے اور تم پر تمہارے اعمال کا۔" اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

یعنی وہ گرچہ تمہارے حقوق ادا نہ کریں پھر بھی تم ان کا حق ادا کرو، ان کی بات سنو اور اطاعت کرو اس شرط کے ساتھ کہ وہ معصیت کا حکم نہ کرتے ہوں، پھر یہیں سے یہ قاعدہ آیا: "فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ" ترجمہ: "ان پر ان کے عملوں کا بوجھ ہے اور تم پر تمہارے اعمال کا۔"

یعنی نبی اکرم ﷺ ہمیں اللہ کا مراقبہ اور تقویٰ کی تربیت دے رہے ہیں، کہ اگر ہم نے اپنے حقوق ادا کر دئے تو اللہ ہمیں ان پر ثواب دے گا، اور اگر انہوں نے ہمارے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو اللہ انہیں اس کی سزا دے گا، اس لئے یہاں مسئلہ لین دین کا نہیں ہے، بلکہ شرعی حق کی ادائیگی کا مسئلہ ہے۔

اور مزید ارشاد نبوی ہے: ''سَتَكُونُ بَعْدِي أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا'' ترجمہ: ''میرے بعد حق تلفی ہوگی اور ایسی باتیں ہوں گی جن کو تم برا جانو گے۔'' یعنی میرے بعد صوبوں میں حق تلفی ہوگی، ان علاقوں میں اموال اور روزگار مستحقین کو نہیں دیئے جائیں گے، ''قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنَا؟'' لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس وقت ہمیں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟

ساتھیو! یہی اہل سنت کا طریقہ ہے کہ کسی بھی حکم کی معرفت کے لئے فوری طور پر سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں، جذبات سے فیصلہ نہیں کرتے، ایسا نہیں ہے کہ جیسے ہم حق تلفی اور منکر دیکھیں فوراً مظاہرات کے لئے نکل جائیں، بلکہ سنت کی طرف رجوع کریں کہ ہمیں سنت میں کیا رہنمائی ملتی ہے ایسے حالات میں؟ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَتَسْأَلُونَ اللهَ الَّذِي لَكُمْ'' ترجمہ: ''جو حقوق تم پر دوسروں کے واجب ہوں انہیں ادا کرتے رہنا اور اپنے حقوق اللہ ہی سے مانگنا (یعنی صبر کرنا اور اپنا حق لینے کے لئے خلیفہ اور حاکم وقت سے بغاوت نہ کرنا)۔''

یعنی سمع وطاعت کا جو حق تم پر واجب ہے اسے ادا کرنا بغیر خروج کے اور اپنے حقوق اللہ ہی سے مانگنا۔

اس طرح سمع وطاعت اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک شرعی حق ہے کوئی دنیاوی مصلحت نہیں۔

*** دوسرا مسئلہ جس کو لے کر ہر جگہ مسلمانوں کے اندر مشکلات کھڑی کی جارہی ہیں وہ یہ ہے کہ حاکم وقت کی قیادت و اقتدار میں لڑائی نہیں کی جائے گی:** بعض لوگ چاہتے ہیں کہ حاکم وقت کے ساتھ وہ بھی اقتدار میں شریک ہوجائیں اور وہ بھی ملک پر حکومت کریں، یہ بہت بڑی غلطی ہے، کیونکہ ہر چیز اسی کو سونپی جاتی ہے جس کو اس کی اہلیت ہو۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ ٱلْأَمْنِ أَوِ ٱلْخَوْفِ أَذَاعُوا۟ بِهِۦ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ ۗ﴾ [نساء: ۸۳] ترجمہ: ''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے اسے مشہور کردیتے ہیں اور وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں۔''

امام سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس میں ایک ادبی اور اخلاقی قاعدہ کی دلیل ہے، وہ یہ کہ جب کسی معاملے میں بحث ومباحثہ ہوجائے اس وقت اس معاملے کو اس شخص کے حوالے کردینا چاہیئے جو اس کا اہل ہو، اور ان سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے، یہی درستگی سے زیادہ قریب ہے اور غلطی سے سلامتی کے زیادہ لائق ہے۔''

چنانچہ ہر معاملے کو اسی کے حوالے کیا جائے جو اس کا اہل ہو، اس لئے حاکم کی ولایت میں جھگڑا مناسب نہیں، بلکہ اسے نصیحت کی جائے گی اور حق واضح کیا جائے گا، باقی اللہ اس کا حساب لے گا، اگر اس نے تقویٰ اختیار کیا تو محفوظ رہے گا بصورت دیگر اللہ کے سامنے اس کی جوابدہی ہوگی۔

***اس اصول سے ایک بہت ہی اہم معاملے کا پتہ چلا:** وہ یہ کہ حاکم کا بنانا واجب ہے، یہ قطعی نص سے ثابت ہے، اسے معطل کرنا جائز نہیں، گرچہ شروط میں کچھ نقص ہو، چنانچہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی ایسا حاکم بن جائے جس کے اندر تمام شروط نہ پائی جائیں البتہ دو شرطوں کا ہونا ہر حال میں ضروری ہے:

ایک اسلام اور دوسرا عقل، ان کے علاوہ اگر کسی شرط کا فقدان ہے تو اسے شرعی حاکم مانا جائے گا، یعنی اگر کسی حاکم کے اندر تمام شروط نہ پائی جائیں تو کیا اس ملک کو بغیر حاکم کے چھوڑ دیا جائے گا؟ نہیں، بلکہ حاکم بنایا جائے گا گرچہ شروط نہ پائی جائیں۔

***وہ شرائط جنہیں لے کر حکام کی حکومت کو باطل کرنے کے لئے حزبی بہت اچھلتے کودتے ہیں:** ایک مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ قریشی ہو نبی اکرم ﷺ کے اس قول کی وجہ سے: ''الأئمةُ مِنْ قُريش'' ترجمہ: ''حکام قریش سے ہوں گے۔'' اور حقیقت میں یہی جمہور کا قول ہے، جو کہتے ہیں: حاکم کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ قرشی ہو لیکن یہ شرط امکان کے وقت ہے، لیکن جب یہ ممکن نہ ہو تو ازخود ساقط ہو جائے گا، بھائیو! یہاں یہ معلوم رہے کہ یہ شرط اور دوسرے شرائط اسلام اور عقل کے علاوہ ہیں، سب امکان کے وقت ہوں گے لیکن جب ان کا امکان نہیں ہوگا تو ازخود ساقط ہو جائیں گی۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأمر عَلَيكم عَبْدٌ'' ترجمہ: ''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو۔'' اس حدیث کے اندر دو شرطوں کا فقدان ہے: قرشیت اور آزادی، اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ فرما رہے ہیں: ''وَإِنْ تَأمر عَلَيكم عَبْدٌ'' ''خواہ وہ کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو۔'' آپ نے یہ نہیں کہا کہ غلام کو حاکم بنا دو، بلکہ کہا اگر تم پر ایک غلام حاکم بن جائے، یا تو غلبہ حاصل کر کے جیسے مملوکوں کی حکومت تھی، یا ایک حاکم اسے متعین کر دے، یعنی ایسا جائز نہیں ہے لیکن اگر کر دے تو پھر ایسی صورت میں ہمیں اس کی اطاعت کرنا واجب ہوگی اس حدیث کی روشنی میں: ''أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأمر عَلَيكم عَبْدٌ'' ترجمہ: ''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی غلام

ہی کیوں نہ ہو۔''

چنانچہ شروط ولایت جنہیں علماء سیاست شرعیہ میں ثابت کرتے ہیں، وہ کبھی امکانی ہوتی ہیں اور کبھی اختیاری، ان میں سب ساقط ہوسکتی ہیں سوائے اسلام اور عقل کے۔

* **دوسری چیز اہل سنت والجماعت کے نزدیک:** جو حکومت پر قبضہ کرلے اور تمام امور اس کے حق میں ہوجائیں گرچہ ایسا وہ غیر مشروع طریقے سے کرے، پھر بھی اس کے لئے ولایت ثابت ہوجائے گی، بھائیو! یہاں حاکم بنانے اور حاکم بن جانے میں فرق ہے، چنانچہ غیر مشروع طریقے سے حاکم بنانا جائز نہیں ہے، یعنی ایک حاکم کو گرا کے دوسرے کو بنانا نہیں جائز ہے، یا جسے ہم پسند کریں اسے دوسرے کی جگہ حاکم بنا دیں، یہ سب جائز نہیں ہے۔

اسی طرح حاکم بنانے کے لئے انتخابات کرنا بھی مشروع طریقہ نہیں ہے، لیکن اگر کسی ملک میں اسی طریقے سے حاکم بنتے ہوں، اور اسی طریقے سے ملک کا صدر چن لیا جائے تو ایسی صورت میں فوج اور اقتدار اس کے حوالے کردیا جائے گا، اس طرح انتخابات کے ذریعے حکومت مانی جائے گی مگر یہ غیر مشروع ہے، اس وقت ہم یہی کہیں گے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

اگر کچھ لوگ آکر کہنے لگیں کہ ہم تلوار کے زور پر حاکم کو گرا کر خود حکومت کریں گے تو ہم کہیں گے: یہ حرام ہے، یہ بدترین خروج ہے، لیکن اگر عملاً انہوں نے ایسا کرڈالا اور حکومت پر قبضہ کرلیا تو ایسی صورت میں فوج اور اقتدار ان کے حوالے کردیا جائے گا لیکن یہ غیر مشروع اور حرام طریقہ ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر ان پر تلوار کے زور پر کوئی خلیفہ بن جائے اور امیر المؤمنین کا لقب اختیار کرلے تو ایسی صورت میں اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والے کے لئے یہ بالکل جائز نہیں ہوگا کہ وہ اسے امام نہ مانے خواہ وہ نیک ہو یا فاجر۔''

خلیفہ اور امیر المؤمنین جیسے القاب اس وقت رائج تھے اس لئے اسی لقب کا استعمال کیا۔

اور امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا: ''اور میں ہر اس حاکم کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں جو غالب آکر حکومت کرے۔''

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے اندر ابن بطال سے نقل کیا ہے: ''مسلط سلطان کی اطاعت کے وجوب اور اس کے ساتھ جہاد کرنے پر فقہاء کا اجماع ہے، اور یہ کہ اس کی اطاعت اس کے خلاف خروج کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ

اس سے خون بہے گا اور فتنہ وفساد ہوگا۔'' یعنی اسی میں مصالح عامہ پورے ہوں گے، یہاں تک کہ کہا: ''اور اس سے کوئی چیز مستثنیٰ نہیں ہے سوائے اس کے کہ حاکم کی طرف سے صریح کفر کا صدور ہو، ایسی صورت میں اس کی اطاعت جائز نہیں ہوگی، بلکہ بقدر استطاعت اس سے جہاد واجب ہوگا۔'' یعنی اگر اسے اقتدار حاصل ہو گرچہ تسلط کے ذریعے، تو ایسی صورت میں اس کی ولایت ثابت ہو جائے گی، اور اس کے ساتھ ہی اس کی اطاعت بھی واجب ہوگی الا یہ کہ معصیت کا حکم کرے، یا صریح کفر میں واقع ہو جائے، یا کھلا کافر ہو، یعنی مسلمانوں پر ایک کافر حاکم مسلط ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کی حکومت تسلیم نہیں کی جائے گی۔ درج ذیل شروط کی وجہ سے:

* مسلمانوں کے پاس اس کی طاقت ہو۔
* اس خروج پر فتنہ وفساد لازم نہ آئے۔
* ملک کی قیادت کے لئے کوئی شخص موجود ہو۔

اور ہم نے پہلے ہی یہ بیان کیا ہے کہ یہ وہ شروط ہیں جن سے مسلمانوں کی عام مصلحت پوری ہوتی ہے، اس لئے کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ ان کے پاس طاقت نہیں ہے یا طاقت تو ہے مگر کسی اندر اہلیت نہیں ہے جیسے کہ صومال میں کہ لوگوں نے دیکھا کہ سیاد بری اسلام سے نکل چکا ہے تو اس کی حکومت گرادی، اس وقت ان کے پاس طاقت تھی مگر اہلیت نہیں تھی، اور آج تک اہلیت نہیں ہے ملک سنبھالنے کے لئے، آج تک ملک انارکی کا شکار رہے، پورے ملک پر آج تک امن وامان قائم نہیں ہوسکا، ایک گروپ کچھ علاقوں پر حکومت کر رہا ہے اور ایک گروپ کچھ علاقوں پر۔

اسی طرح اگر حاکم کی طرف سے کفر صریح کا صدور ہو یا کافر ہو تو ایسی صورت میں بھی اس کی ولایت ساقط ہو جائے گی، گرچہ وہ مسلط ہوگیا ہو، اب ایسی صورت میں مسلمانوں کے پاس اسے ختم کرنے کی طاقت ہے اور انہیں پتہ ہے کہ اسے گرانے سے زیادہ فساد اور فتنہ پیدا ہوگا تو ساتھ ہی حکومت سنبھالنے کے لئے اہلیت بھی ہے تو اس کی حکومت گرادی جائے گی۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تمام مذاہب کے ائمہ اس بات پر متفق ہیں جیسا کہ ابن بطال نے کہا ہے کہ ملک پر اگر کوئی حاکم مسلط ہو جائے تو تمام امور میں اسے حاکم مان لیا جائے گا۔''

تیسری چیز جو ان اصول پر مرتب ہوتی ہے جس کا ذکر کیا گیا اور جن سے مسلمانوں کی مصلحت پوری ہوتی ہے اور جس پر سلف صالح قائم ہیں: وہ یہ کہ موجودہ دور میں ممالک کے متفرق ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے معاملات

سے متعلق ولایت یعنی سیاست شرعیہ کو معطل نہیں کیا جائے گا، بعض لوگ آ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان حاکم کی اطاعت واجب ہے، لیکن اس سے مراد وہ خلیفہ ہے جو تمام مسلمانوں کا ہوتا ہے، لیکن جو حاکم انڈونیشیا کا ہے، ملیشیا کا ہے، سنگاپور کا ہے، سعودی عرب کا ہے یا مصر کا ہے تو ان کی اطاعت ضروری نہیں، یہ غلط بیانی ہے، بعض اسے خطار کار کہتے ہیں اور بعض اسے گمراہ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سنت یہی ہے کہ مسلمانوں کا حاکم ایک ہو، اور باقی اس کے نائب ہوں''۔ یعنی ایک سب سے بڑا حاکم ہو اور باقی صوبوں میں اس کی طرف سے نائب ہوں جس طرح ابوبکر صدیق، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تھے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا: ''لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ امت اپنی کسی معصیت کی وجہ سے اس سے نکل چکی ہے اور باقی سے عاجز آ چکی ہے''۔ یعنی ان کا کوئی ایک امام نہیں رہ گیا ہو، یا تو کسی معصیت کی وجہ سے، کہ بعض علاقوں پر کسی کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس علاقے کا امیر بن بیٹھا جیسا کہ امویوں کے دور میں ہوا اندلس کے اندر، کہ اندلس امویوں کے دور میں ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، اور وہاں مستقل حکومت بن گئی تھی جیسا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں ہے۔

''لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ امت اپنی کسی معصیت کی وجہ سے اس سے نکل چکی ہے اور باقی سے عاجز آ چکی ہے اور اس طرح کئی حکام ہو گئے مختلف جگہوں پر جس طرح آج ہمارا حال ہے، ایسی صورت میں واجب ہو گا کہ جس بھی علاقے میں جو حاکم ہے اس پر واجب ہے وہ حدود کو قائم کرے، اور رعایا کے حقوق ادا کرے''۔ یعنی اس جگہ اس کی حکومت مانی جائے گی۔

ابن ازرق مالکی کہتے ہیں: ''امام کی وحدت کی شرط بایں طور کہ دوسرا کوئی حاکم نہ ہو، کوئی ضروری نہیں اگر ایسا ممکن نہیں''، یعنی اگر ایسا ممکن ہو تو یہ شرط کوئی ضروری نہیں، اور اس وقت یہ ممکن نہیں ہے بلکہ دشوار ہے، اب ایسی صورت میں اگر اس شرط کو لاگو کیا جائے تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ ہر طرف انارکی ہو گی اور حاکم بنانے کی جو مصلحت عامہ ہے وہ فوت ہو جائے گی۔

*** چوتھا اصول جسے اہل سنت والجماعت نے ثابت کیا ہے اسے ان اصولوں میں سے مانا جاتا ہے جو عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہم پاتے ہیں:**

*** پہلا اصول: توحید کو پورا کرنا۔**

* **دوسرا اصول:** اتباع رسول۔

* **تیسرا اصول:** اللہ کے لئے عبادت کو خالص کرنا اسی طرح جیسا اللہ کو پسند ہے۔

* **چوتھا اصول:** مسلمان حاکم کے لئے سمع وطاعت جب تک کہ معصیت کا حکم نہ کرے اور جماعت کو لازم پکڑنا۔

* **پانچواں اصول جس پر حدیث دلالت کرتی ہے:** بدعتوں اور بدعتیوں سے آگاہ رہنا، اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“ ترجمہ: ”اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہرنئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

* **حدیث کا مفہوم:** میں تمہیں نئی چیز نکالنے سے ڈراتا ہوں، خبردار! کوئی بدعت ایجاد نہ کرنا، کیونکہ یہ تمہیں گمراہی تک لے جائے گی۔ سلف کے اصول میں سے ہے: بدعت سے آگاہ رہنا اور اس سے ڈرنا، اور یہ بیان کرنا کہ بدعت کا وجود زمین کے اندر شر وفساد کی جڑوں میں سے ہے، اور بدعت سنت کو مٹا دیتی ہے فرد و جماعت ہر ایک کے یہاں، جہاں بدعت کو زندہ کیا گیا وہاں سنت کو مٹایا جائے گا، اور جس کے دل میں بدعت سما گئی اس کے دل سے سنت کی محبت ختم ہو جاتی ہے۔

اسی لئے دیکھیں گے بدعتی اکثر داڑھی سے محبت نہیں کرتے، انہیں آپ بدعتوں کا حریص پاؤ گے، لیکن انہیں داڑھی پر حریص نہیں پاؤ گے، جبکہ داڑھی اجماعی طور پر رسول اللہ ﷺ کی صفت ہے، اور اجماعی طور پر نبی اکرم ﷺ باریش تھے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، لیکن ان کے اندر داڑھی کی محبت نہیں پاؤ گے، بلکہ اس کے برعکس اگر یہ باریش شخص کو دیکھتے ہیں تو بغض کے ساتھ دیکھتے ہیں، حقیر سمجھتے ہیں، آپ کو اسامہ بن لادن کہیں گے مذاق اور استہزاء کے طور پر۔

سبحان اللہ! سنت کی محبت بھی عجیب چیز ہے، جب کسی انسان کی تربیت سنت کی محبت پر ہو جاتی ہے تو اسے جب بھی کسی سنت سے آگاہی ہوتی ہے اس سے محبت کرنے لگتا ہے، اور جہاں تک بدعت کا تعلق ہے تو یہ انسان کے دل سے سنت کی محبت کو مٹا دیتی ہے، ایسا شخص بدعتوں کا اس قدر حریص ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے سب کچھ لٹانے کے لئے تیار رہتا ہے، لیکن اس کے اندر سنت بال برابر بھی حرکت پیدا نہیں کر سکتی، اسی طرح سماج کا حال ہے۔

✶ **اسی لئے اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے:** بدعتوں اور انہیں ایجاد کرنے سے آگاہ رہنا، چنانچہ یہ بدعتوں کو ایجاد نہیں کرتے، بلکہ اس سے ڈراتے ہیں، بدعتوں کا پوسٹ مارٹم اور اس کی تردید کرتے ہیں، ساتھ ہی

امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے اصولوں کا خیال بھی رکھتے ہیں۔

بھائیو! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ملک کے اندر بدعت ہی کا غلبہ ہوتا ہے اور حکومت واقتدار انہیں بدعتیوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اگر آپ نکیر کریں گے تو آپ ہی پر سنت کے راستوں کو روک دیں گے، اس لئے میں ایسی صورت میں پوری صراحت کے ساتھ کہتا ہوں: مثلاً میرے پاس معہد ہے، اور میں اہل بدعت کے علاقے میں رہتا ہوں جہاں انہیں کا اقتدار ہے، یا تو حکومت انہیں کے ہاتھ میں ہے، یا فوج ان کی ہے، یا لوگوں کی اکثریت ان کے ساتھ ہے، لیکن اللہ نے مجھے توفیق دی کہ میں نے ان کے علاقے میں ایک سلفی معہد کھول دیا ہے، جشن میلاد کا وقت آیا، میں نے کھڑے ہو کر کہا: میلاد منانا بدعت ہے، گمراہی ہے، دین کے اندر ایک نئی چیز ہے، میں نے سچ کہا اور ایک بدعت پر نکیر کی، لیکن لوگوں نے کھڑے ہو کر میرے معہد کو جلا دیا، یا مجھے وہاں سے جلاوطن کر دیا، یا میرے معہد کو بند کر دیا، یہاں یہ قاعدہ لاگو نہیں کیا جائے گا کہ جب بہت سارے مفاسد جمع ہو جائیں تو ان میں جو ہلکا ہو گا اسی کا ارتکاب کیا جائے گا، یہ ارتکاب مشارکت کے باب سے نہیں ہوگا، کہ میں ان کے ساتھ جا کر ناچوں اور گانا گاؤں، بلکہ دل میں برا سمجھ کر خاموش رہوں گا اور اس پر نکیر کے لئے موقع کی تلاش میں رہوں گا۔

بھائیو! یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ ایسا باب ہے جس کے اندر شرعی قواعد پر غور کرنا ضروری ہے، اور یہ کہ تمام ملکوں کو ایک ہی طریقے پر نہ سمجھا جائے، کیونکہ سعودیہ مصر کی طرح نہیں ہے، انڈونیشیا مصر کی طرح نہیں ہے، اصل یہی ہے کہ بدعت پر نکیر کیا جائے، اس کی تردید کی جائے اور اس سے ڈرایا جائے، لیکن اگر اس کی وجہ سے بدعت کے مقابلے بڑے فتنے اور مفسدے کا خطرہ ہو تو اس وقت خاموش رہا جائے گا، مصلحت کی وجہ سے بدعت کو اچھا نہیں کہے گا، کہ ماشاء اللہ میلاد بہت اچھا ہے، اس کے اندر بھلائی ہے، یہ جائز نہیں ہے، یا ان کے ساتھ جا کر شریک ہو جائے اور 12 ربیع الاول کی صبح ان کے ساتھ نکل جائے کھانے پینے کے لئے، ایسا بالکل جائز نہیں ہے، بلکہ اس موقع پر خاموش رہے گا، دل میں انکار کے ساتھ، ساتھ ہی موقع کی تلاش میں رہے گا کہ جیسے ہی موقع ملے گا زبان سے نکیر کرے گا۔

میں اس لئے کہہ رہا ہوں: کیونکہ بعض سلفی بھائی جب اس مسئلے میں سلف کا منہج دیکھتے ہیں تو متحمس ہو جاتے ہیں، بسا اوقات اپنے لئے شر مول لے لیتے ہیں اور اسی وجہ سے بہت سارے خیر سے محروم ہو جاتے ہیں، اور بسا اوقات قانون بھی ضائع ہو جاتا ہے، یعنی قانون کے اعتبار سے بسا اوقات جرم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، کہ اگر عدالت میں لے جایا

جائے تو وہاں محاکمہ ہوجائے، اس لئے قاعدے کی رعایت کی جائے اور آدمی کو دشمنوں کے جال میں نہ ڈال دے۔

✷ **اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے:** اہل بدعت پر رد کیا جائے، اور اسے اہل سنت فرائض اور جہاد فی سبیل اللہ میں شمار کرتے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اور جیسے اہل بدعت ہیں اہل مقالات میں سے جو کتاب وسنت کے مخالف ہیں، یا وہ عبادات جو کتاب وسنت کے مخالف ہیں۔‘‘ اہل مقالات سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: قرآن مخلوق ہے، اور عبادات سے مراد جشن میلاد وغیرہ ہے۔

’’چنانچہ ان لوگوں کی حالت سے امت کو آگاہ کرنا واجب ہے اجماعی طور پر، یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل سے کہا گیا: جو آدمی نماز پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے، اعتکاف میں بیٹھتا ہے وہ بہتر ہے یا وہ آدمی جو اہل بدعت کے بارے میں کلام کرتا ہے وہ بہتر ہے؟ یعنی ایک جو خود عبادات کرتا ہے اور ایک جو اہل بدعت پر رد کرتا ہے دونوں میں کون بہتر ہے؟ اس پر امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: جو نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے اور اعتکاف میں بیٹھتا ہے وہ صرف اسی کے لئے ہے، اور جو اہل بدعت پر رد کرتا ہے یہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے، اور یہی افضل ہے۔‘‘

کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کے لئے متعدی مصلحت ہے، اور بلاشبہ بدعتوں سے ڈرانا اور بدعتیوں پر رد کرنا فرض کفایہ ہے، چنانچہ اگر کچھ لوگ یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں تو دوسروں سے اس کا گناہ ساقط ہوجائے گا، یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے: ضروری نہیں سب لوگ اس مسئلے میں کلام کریں، لیکن یہ ضروری ہے کہ عدم انکار کو سبھی لوگ اپنا منہج بنائیں، لیکن جب کوئی دیکھے کہ کچھ لوگ بدعتوں کی تردید کر رہے ہیں تو حجت قائم ہوجائے گی، معاملہ واضح ہوجائے گا اور مقصود پورا ہوجائے گا، ایسی صورت میں اس کا خاموش رہنا درست ہے، لیکن یہ کہ وہ اپنا منہج ہی سکوت بنالے یہ جائز نہیں، یہ منہجی غلطی ہے۔

بھائیو! خاموشی سے اہل بدعت کی رعایت ہوگی یہاں تک کہ وہ بدعت میں امام ہوجائے گا اور بدعت پر کبھی بھی نکیر نہیں کرے گا اور نہ ہی اس سے ڈرائے گا، یہی اس کا منہج بن جائے گا، اور یہ غلط ہے، لیکن اگر میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگوں نے بدعتوں پر نکیر کردی ہے تو حجت قائم ہوجائے گی، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے، اگر کچھ لوگ اسے ادا کردیتے ہیں تو باقی سے ساقط ہوجاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’امام احمد نے واضح کردیا کہ یہ مسلمانوں کے لئے ان کے دین میں عام نفع ہے، یہ جہاد فی سبیل اللہ کی جنس سے ہے، کیونکہ اللہ کے دین،

اس کے منہج، اس کی شریعت کو غالب کرنا، دشمنوں کو مغلوب کرنا بالاتفاق فرض کفایہ ہے، اگر اللہ ان دشمنوں کے نقصان کو ختم کرنے کے لئے کچھ لوگوں کو نہ لگا دے تو دین بلاشبہ فاسد ہو جائے، اور دین کا فساد مسلمانوں کے ملکوں پر دشمنوں کے غالب آنے کے فساد سے زیادہ عظیم ہے۔'' کیونکہ یہ اصلی فساد ہے دین کا فساد ہے۔

اور شیخ رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: ''اور اگر آدمی بدعتی ہو ایسے عقائد کی طرف دعوت دے جو کتاب وسنت کے مخالف ہو، اور یہ ڈر ہو کہ لوگ اس سے گمراہ ہو جائیں گے، ایسی صورت میں اس کا معاملہ لوگوں کے سامنے واضح کیا جائے گا تاکہ لوگ اس کی گمراہی سے بچ سکیں اور اس کی حقیقت جان سکیں، اس لئے نہیں کہ اس سے اس کو ذاتی نفرت ہے اس لئے اسے گرانا چاہتا ہے، بلکہ نصیحت اور اللہ کی رضا جوئی کی خاطر، کیونکہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ دونوں میں دشمنی ہو، اب ایسی صورت میں وہ بظاہر نصیحت کر رہا ہو مگر حقیقت میں وہ اسے گرانا چاہتا ہو تاکہ وہ اس کی جگہ لے لے مثلاً وہ کسی ادارے کا مالک تھا اب اس کی جگہ وہ مالک بن جائے، تو یہ حرام ہے جائز نہیں ہے۔

جیسا کہ علماء نے کہا ہے: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے بارے میں دو لوگ کلام کرتے ہیں، ایک کو اجر ملتا ہے اور دوسرے کو تکلیف، یہ نیت سے ہوتا ہے:

- چنانچہ جو نصیحت اور خیر خواہی کے طور پر کلام کرے گا اسے اجر ملے گا۔
- اور جو نصیحت اور اللہ کی رضا جوئی کی خاطر کلام نہیں کرے گا اسے گناہ ملے گا۔

یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔

اور اہل سنت کی نشانیوں کو بیان کرتے ہوئے علامہ صابونی کہتے ہیں: ''یہ ان اہل بدعت سے بغض رکھتے ہیں جو دین کے اندر ایسی بدعتوں کا ایجاد کرتے ہیں جو اس کا حصہ نہیں ہوتے، ان سے محبت نہیں کرتے، نہ ہی انہیں اپنا ساتھی بناتے ہیں، نہ ہی ان کا کلام سنتے ہیں، نہ ہی ان کے ساتھ بیٹھتے ہیں، نہ ہی دین کے معاملے میں ان سے مجادلہ اور مباحثہ کرتے ہیں، نہ ہی ان سے مناظرہ کرتے ہیں، وہ ان کے پاس سے جب گزرتے ہیں تو ان کے باطل امور کو سننے سے اپنے کان کو بند کر لیتے ہیں، اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِىٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ﴾ [انعام:٦٨] ترجمہ: ''اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں (فضول) بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کر، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہو جائیں۔''

✷ علامہ صابونی اس باب میں سلف کے اصول کو واضح کرتے ہیں:

* **پہلا:** (وہ اہل بدعت سے بغض رکھتے ہیں) یعنی وہ دل سے بغض رکھتے ہیں ان کی بدعت کی وجہ سے، انہیں اپنا ساتھی نہیں بناتے، (نہ ہی ان کا کلام سنتے ہیں، نہ ہی ان کے ساتھ بیٹھتے ہیں) یعنی نہ ہی ان کی مجلسوں میں جاتے ہیں، (نہ ہی دین کے معاملے میں ان سے مجادلہ اور مباحثہ کرتے ہیں، نہ ہی ان سے مناظرہ کرتے ہیں۔) یعنی عوام کے سامنے، کیونکہ اہل بدعت کے ساتھ عوام کے سامنے مناظرہ کرنا' شبہات کو جنم دینا ہے اور انہیں نشر کرنا ہے، اس لئے یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ بعض احباب ٹیلی ویژن پر آ کر عوام کے سامنے اہل بدعت سے مناظرہ کرتے ہیں اور ایک بدعتی اپنے وقت مقرر میں جو چاہتا ہے ثابت کرتا ہے، ممکن ہے بعض عوام اس کی باتیں سن کر کہنے لگیں: اس کی بات صحیح ہے، کیونکہ ان کی بہت سی باتیں منطقی ہوتی ہیں، اور اہل بدعت کی اکثر باتیں جذباتی ہوتی ہیں، جبکہ اہل سنت کی باتیں عقلوں کو اپیل کرتی ہیں کیونکہ ان کی باتیں علمی ہوتی ہیں، اور شبہات دلوں میں بیٹھتے ہیں۔

اسی لئے بہتر یہی ہے کہ اہل بدعت سے علانیہ مناظرہ نہ کیا جائے یہ مشروع نہیں ہے، اہل بدعت سے مناظرہ دو حالتوں میں مشروع ہے:

* **پہلی حالت:** اہل بدعت کے پاس مناظرہ وہ کرے: جو علم میں پختہ ہو کمزور علم والا نہ ہو، وہ اہل بدعت کے پاس جا کر مناظرہ کرے اہل بدعت کے سامنے، جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج کے ساتھ کیا تھا۔

* **دوسری حالت:** یہ کہ ان کے شبہات لوگوں میں پھیل چکے ہوں، اور لوگ انہیں جان چکے ہوں، ایسی صورت میں ایک ماہر شخص ان سے مناظرہ کرے تاکہ ان کے شبہات کو توڑ سکے، ایسی صورت میں علانیہ مناظرے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ جو رکاوٹ تھی وہ ختم ہوگئی ہے، کیونکہ شبہات کو لوگ اب جان چکے ہیں اور ان کے درمیان پھیل گئے ہیں ان کا توڑ ضروری ہے۔

علامہ اصفہانی نے کہا: ''اہل سنت سے محبت کرنا ضروری ہے چاہے وہ کہیں بھی ہوں۔'' اور یہی واجب ہے، اور ہمیں کرنا چاہئے، اہل سنت کا آدمی چاہے انڈونیشیا میں ہو وہ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو سعودی عرب میں ہے، مصر میں موجود اہل سنت امریکہ میں موجود اہل سنت سے محبت کرتا ہے، اسے پتہ چلتا ہے کہ فلاں شخص اہل سنت میں سے ہے تو اس سے محبت کرنے لگتا ہے، اس لیے کہ وہ صاحب سنت ہے اور ہمیں چاہئے کہ اس رشتے کو مضبوط کریں۔

مگر افسوس کہ اہل سنت کے درمیان محبت کا مسئلہ کمزور پڑتا جارہا ہے، حتیٰ کہ ایک ہی شہر کے اندر، ملاقات، مشورے اور ملنا جلنا کم ہوتا جارہا ہے، حتیٰ کہ یہ صورت حال دعاۃ کے اندر بھی کمزور ہوتی جارہی ہے، بسا اوقات ایک ہی محلے میں یہ چیز پائی جاتی ہے، کہ دو دُعاۃ آپس میں ملتے جلتے نہیں ہیں، بسا اوقات پورے سال تک نہیں ملتے، یہ حقیقت ہے اس کا علاج بہت ضروری ہے۔

* **اہل سنت کے اصول اور ان کی علامتوں میں سے:** اہل سنت کا آپس میں محبت کرنا بھی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہوں، پھر پڑوسی کے ساتھ کیسا معاملہ ہوگا؟ اس شخص کے ساتھ محبت کیسی ہوگی جس کے دل میں دعوت کے میدان میں خیر کا جذبہ اور تعاون بھرا ہوگا؟ بلاشبہ اس کا خیال کرنا ضروری ہے۔

فرماتے ہیں: ''اہل سنت سے محبت کرنا ضروری ہے چاہے وہ کہیں بھی ہوں اللہ کی محبت کی امید میں، اسی طرح اس پر واجب ہے کہ اہل بدعت سے بغض رکھے خواہ وہ کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہوجائے جو اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں اور اللہ کی خاطر بغض رکھتے ہیں، کہتے ہیں: اہل سنت سے محبت کی نشانی ہے، اور اہل بدعت سے بغض کی بھی نشانی ہے؛ جب آپ دیکھیں کہ آدمی مالک بن انس، سفیان ثوری، عبدالرحمٰن اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، محمد بن ادریس شافعی اور اچھے ائمہ دین کا تذکرہ کرتا ہے تو جان لو وہ ٹھیک آدمی ہے۔''

اور ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ: جب کسی کو دیکھو کہ وہ البانی، ابن باز، ابن عثیمین، وادعی رحمہم اللہ کا تذکرہ کر رہا ہے تو جان لو وہ ٹھیک آدمی ہے، اسی طرح باحیات لوگوں میں شیخ صالح الفوزان، سماحۃ المفتی، شیخ صالح آل الشیخ، شیخ ربیع بن ہادی کا تذکرہ کر رہا ہو، اور یہ شرط نہیں ہے کہ جو وہ کہتے ہیں ان سب میں ان کی موافقت کرے، لیکن ان کا تذکرہ خیر کے ساتھ کرے اور ان کی تعریف کرے تو جان لو کہ وہ ٹھیک آدمی ہے۔

آگے کہتے ہیں: ''اور جب کسی کو دیکھو کہ وہ اللہ کے دین میں جھگڑا کر رہا ہے، کتاب اللہ کے بارے میں مجادلہ کر رہا ہے، لیکن جب اس سے کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو وہ کہتا ہے کہ کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے، تو جان لو کہ وہ بدعتی ہے، اور جب دیکھو کہ وہ فلسفہ کی تعریف کرتا ہے۔ متقدمین کے نزدیک فلسفہ سے مراد منطق ہے، اور ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جنہوں نے اس فن میں کتابیں تالیف کی ہیں، تو جان لو کہ وہ گمراہ ہے، اور جب دیکھو کہ وہ اہل حدیث کو حشویہ یا مجسمہ، یا ناصبی کہتا ہے تو جان لو کہ وہ بدعتی ہے۔''

ساتھیو! اہل بدعت ہمیشہ اہل سنت کو برے القاب سے نوازتے رہے ہیں، اور یہ ان کی بڑی نشانی ہے، یہ چاہتے

ہیں کہ اہل سنت کو منہج سلف سے الگ کر دیں، مثلاً یہ اسماء وصفات کے باب میں آ کر کہیں گے: اس باب میں لوگوں کے تین مناہج ہیں:

*سلف کا منہج جو کہ صفات کے باب میں تفویض کا ہے، یہ صفات کے پیچھے نہیں پڑتے، صرف ان کے الفاظ پر ایمان لاتے ہیں معانی کو چھوڑ کر، یہی ان کا گمان ہے، اور سلف کا منہج زیادہ سلامتی والا ہے۔

*خلف کا منہج جو کہ صفات کی تاویل کرتے ہیں ایسے معانی پر جیسا وہ چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں: خلف کا منہج زیادہ علم والا اور زیادہ پختگی والا ہے۔

*مجسمہ اور حشویہ بعض انہیں کافر بھی کہتے ہیں، جو کہ صفات کو ان کے ظاہری معنیٰ پر ثابت مانتے ہیں جیسا اللہ عزوجل کے جاہ و جلال کے لائق اور مناسب ہو، اور یہی اہل سنت والجماعت ہیں قدیم زمانے سے۔

اسی طرح آج بھی اہل بدعت کی طرف سے اہل سنت کے لئے مذموم صفات سنیں گے جو متنفر کرنے والے ہیں، چنانچہ اگر کسی کی طرف سے ایسے لوگوں کے بارے میں- جو سنت میں معروف ہیں اور ان کے اقوال و افعال میں یکسانیت ہے- برے القاب سنیں تو سمجھ لیں کہ یہ لوگ بدعتی اور خواہشات کے بندے ہیں۔

* **اور سلف کے اصول میں سے ہے**: اہل بدعت کی مجلسوں میں نہ بیٹھا جائے، سلف بار بار یہ کہتے تھے کہ بدعتی کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ وہ تمہارے دل کو مریض بنا دے گا۔

ابوالحسن اشعری- جنہیں اللہ نے اہل بدعت کی صفوں سے نکال کر اہل سنت علماء میں شامل کر دیا، گرچہ اشاعرہ اس بات سے انکار کرتے ہیں اور ان کے پہلے عمل ہی پر قائم ہیں- اپنی کتاب ''**مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین**''، میں فرماتے ہیں: ''اصحاب الحدیث سنت کے منجملہ اعتقاد میں سے یہ ہے کہ یہ بدعت کے داعیوں سے دور رہتے ہیں۔''

اور ابن ابی زمنین رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اہل سنت برابر خواہشات کے گمراہ بندوں پر نکیر کرتے رہے ہیں، اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے روکتے رہے ہیں، ان کے فتنوں سے ڈراتے رہے ہیں، اور ان کے بارے میں خبر دیتے ہیں، اور اسے وہ نہ تو غیبت سمجھتے ہیں اور نہ ہی طعن و تشنیع یعنی نہ ہی کوئی برا طعن و تشنیع۔''

سفیان ثوری نے کہا: ''جس نے بدعتی کی بات سنی وہ اللہ کی حفاظت سے نکل چکا اور بدعت کی طرف ڈال دیا گیا۔'' یعنی صاحب سنت ہمیشہ اللہ کے حفظ و امان میں رہتا ہے، لیکن جب اہل بدعت کو اپنا کان دے دیتا ہے تو اسی کے

حوالے کر دیا جاتا ہے۔

اسی لئے بھائیو! یہ تجربے کی بات ہے کہ جو اہل بدعت کے قریب ہوا وہ اہل سنت سے دور ہوگیا اور بدعتوں میں واقع ہوگیا، اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ'' ترجمہ: ''قریب ہے کہ فتنے ہوں گے جن میں بیٹھنے والا بہتر ہوگا کھڑے ہونے سے اور کھڑا رہنے والا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے، جو اس کو جھانکے گا تو اس کو وہ کھینچ لے گا۔''

حدیث کا مقصود یہی ہے کہ تم اہل بدعت سے جس قدر دور رہو گے اسی قدر بھلائی میں رہو گے اور تمہارا دین محفوظ رہے گا۔

فضیل بن عیاض نے کہا: ''بدعتی کے پاس نہ بیٹھا کرو، مجھے خوف ہے کہ تم پر لعنت نہ برسے۔''

*سفیان ثوری کے کلام میں فتنوں کا خوف ہے۔

*فضیل کے کلام میں نزول لعنت کا خوف ہے، کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنے سے انہیں میں مانے جاؤ گے اور یہی لوگ اللہ کی لعنتوں کے مستحق ہیں۔

آپ نے آگے کہا: ''جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے منہدم ہونے میں مدد کی۔''

اسی لئے سلف صالح اہل بدعت کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے روکتے تھے، اسی لئے اصول ہے کہ سلفی اہل بدعت سے ممتاز ہوتا ہے خاص کر بدعت کی طرف دعوت دینے والوں سے، اور وہ ان کے ساتھ نہیں بیٹھتا ہے۔

بھائیو! اہل بدعت کے ساتھ بیٹھنے کا معاملہ ان لوگوں کا ہے جو بدعت کی دعوت دیتے ہیں یا بدعت کر رہے ہوتے ہیں، لیکن وہ بدعتی جو بدعت انجام نہ دے رہے ہوں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ایک اجتہادی مسئلہ ہے، کیونکہ ایک شخص کے پڑوسی عوام الناس ہوتے ہیں جن کے ساتھ بیٹھتا ہے تالیف قلب کے لئے تاکہ سنت کے قریب کردے، وہ ان کے ساتھ اس وقت نہیں بیٹھتا ہے جب وہ بدعت کر رہے ہوتے ہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ اجتہادی معاملہ ہے۔

لیکن ان بدعتیوں کے پاس بیٹھنا جو بدعت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس کے لئے مناظرہ کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں، اسی طرح بدعتی عوام الناس جس وقت بدعت کر رہے ہوں اس وقت ان کے ساتھ بیٹھنا

بھی جائز نہیں، لیکن جس وقت یہ عوام الناس بدعتی بدعت نہ کر رہے ہوں اس وقت ان کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں، یہ اجتہادی معاملہ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کسی نے امام احمد بن حنبل سے کہا: مجھے بھاری پڑتا ہے کہ میں کہوں کہ فلاں ایسا ہے فلاں ویسا ہے۔'' جس طرح آج کل بہت سارے لوگ کہتے ہیں: مجھے بھاری پڑتا ہے کہ میں فلاں سے ڈراؤں، میں پڑھاتا ہوں، تعلیم دیتا ہوں، ٹھیک ہے، لیکن کسی کو بدعتی کہوں یہ میرے لئے بھاری ہے، میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، اور اس طرح کے وسوسے اکثر ابلیس کی طرف سے ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کسی نے امام احمد بن حنبل سے کہا: مجھے بھاری پڑتا ہے کہ میں کہوں کہ فلاں ایسا ہے فلاں ویسا ہے، تو امام رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم خاموش ہو جاؤ گے اور میں خاموش ہو جاؤں گا تو ایک نادان کیسے پتہ پائے گا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟'' یہی اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے۔

* **اور آخری اصول جو حدیث عرباض سے پتہ چلا وہ یہ ہے کہ:** منہج سلف اور فہم سلف پر عمل کرنا، اور اسی کو ہم نے منہج سلف کے موضوع میں ثابت کیا ہے، اور آج ہم نے اس کے حکم کے بارے میں بیان کیا ہے، اور اس کے لئے کچھ دلیلیں پیش کی ہیں، اور کل ان شاء اللہ اس موضوع کو پورا کر دیں گے۔

اصول سلف ③

الحمدُ للهِ ربِّ العالمَين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

میں اپنے بھائیوں کا اس پہلے شرعی دورے میں جزیرہ لومبوک کے اندر "**منہج سلف کا تحقیقی جائزہ**" کے موضوع کے ساتھ استقبال کرتا ہوں، جمعرات کی مجلسوں میں سے یہ تیسری مجلس ہے، اور "**اصول سلف**" کے موضوع پر ہے، اہل سنت والجماعت کے وہ اصول جن کے اندر عدل ورحمت اور خیر وبرکت نیز تمام مصلحتیں ہیں، جو اسے لازم پکڑے گا وہ سلفی ہوگا، اور جس نے کسی بھی اصول کو چھوڑ دیا وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے سے خارج ہو کر اہل بدعت کی صف میں چلا جائے گا۔

آج ان شاء اللہ اہل سنت والجماعت کے بعض اہم اصولوں کے بارے میں کلام کریں گے:

* **اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے:** وہ اسی کی تکفیر کرتے ہیں جس کی تکفیر اللہ اور اس کے رسول نے کی ہے، وہ مسلمانوں میں سے اسی کی تکفیر کرتے ہیں جس کے عمل پر تکفیر لازم آئے اور اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے، جبکہ کبائر کے مرتکب کی تکفیر نہیں کرتے، ہاں ان سے ایمان میں نقص ضرور ہوتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے دل پاک اور روشن ہوتے ہیں، خیر سے محبت اور اہل خیر کی کثرت پر شاداں وفرحاں ہوتے ہیں، وہ کبھی نہیں چاہتے کہ مسلمانوں میں سے کوئی دین اسلام سے خارج ہو جائے، اسی طرح یہ اہل عدل ہیں، ان کے یہاں نہ ظلم ہے اور نہ زیادتی، یہ بغض ومخالفت اور دشمنی کی بنا پر کسی پر کفر کا حکم نہیں لگاتے، وہ صرف اسی کی تکفیر کرتے ہیں جس کی تکفیر اللہ اور اس کے رسول سے ثابت ہو، بالکل واضح اور صریح دلیل سے ثابت ہو کہ یہ کافر ہے۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک جس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اسے مسلمان کہا جائے گا، شبہات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی کہ اس نے حقیقت میں اسلام قبول نہیں کیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "**أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ , حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ , فَإِذَا قَالُوهَا عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ**" ترجمہ: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے

جنگ کروں جب تک وہ ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ'' نہ کہہ دیں، جب وہ ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ'' کا اقرار کرلیں (اور شرک سے تائب ہو جائیں) تو انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان کو مجھ سے بچا لیا، مگر ان کے حق کے بدلے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔''

نبی اکرم ﷺ فرمارہے ہیں کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس وقت تک لوگوں سے جنگ کروں، یعنی جن لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت مجھے دی گئی ہے، جب تک کہ جنگ بندی کی حد تک پہنچ نہ جاؤں، اور وہ ہے: ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ'' کا کہنا، چنانچہ جس نے ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ'' کہہ دیا اس کا اسلام ثابت ہوگیا، اس پر اسلام کے احکام جاری ہوں گے، اس کا خون اور مال محفوظ ہوگا، الا یہ کہ ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جس کی بنا پر قتل کا مستحق ٹھہرے، تو اسے اس کے جرم کے حساب سے سزا دی جائے گی، چنانچہ جس نے اسلام کا اظہار کر دیا اس کا اسلام اہل سنت والجماعت کے نزدیک قبول ہوگا، اس کے دل کو پھاڑ کر نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ بظاہر اس کے اسلام پر حکم لگایا جائے گا، اور دلوں کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے قصے میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا: ''بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ، قَالَ: فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ، قَالَ: وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ، قَالَ: فَلَمَّا غَشِينَاهُ، قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ: فَكَفَّ عَنْهُ الْأَنْصَارِيُّ، فَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتَّى قَتَلْتُهُ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا، بَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ: فَقَالَ لِي: يَا أُسَامَةُ، أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا، قَالَ:أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَالَهَا أَمْ لَا. أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ؟'' قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ، حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ'' ترجمہ: ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ کی طرف (مہم پر) بھیجا۔ بیان کیا کہ پھر ہم نے ان لوگوں کو صبح کے وقت جالیا اور انہیں شکست دے دی۔ راوی نے بیان کیا کہ میں اور قبیلہ انصار کے ایک صاحب قبیلہ جہینہ کے ایک شخص تک پہنچے اور جب ہم نے اسے گھیر لیا تو اس نے کہا ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ'' انصاری صحابی نے تو (یہ سنتے ہی) ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اپنے نیزے سے اسے قتل کر دیا۔ راوی نے بیان کیا کہ جب ہم واپس آئے تو اس واقعہ کی خبر نبی کریم ﷺ کو ملی۔ بیان کیا کہ پھر نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''اسامہ! تم نے اس کا دل پھاڑ

کر دیکھ کیوں نہیں لیا کہ اس نے کلمہ تلوار کے ڈر سے پڑھا ہے یا (تلوار کے ڈر سے) نہیں (بلکہ اسلام کے لیے)؟ کیا تم نے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ‘‘ کا اقرار کرنے کے بعد اسے قتل کر ڈالا۔‘‘ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے صرف جان بچانے کے لیے اس کا اقرار کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے پھر فرمایا ’’تم نے اسے ’’لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ‘‘ کا اقرار کرنے کے بعد قتل کر ڈالا۔‘‘ بیان کیا کہ نبی کریم اس جملہ کو اتنی دفعہ دہراتے رہے کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ کاش میں اس سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔‘‘

اور ایک روایت میں ہے: ’’فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، اسْتَغْفِرْ لِي، قَالَ: وَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: فَجَعَلَ لَا يَزِيدُهُ عَلَى أَنْ يَقُولَ: ’’كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟‘‘ ترجمہ: ’’تم کیا جواب دو گے ’’لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ‘‘ کا جب وہ آئے گا دن قیامت کے۔‘‘ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! دعا کیجیے میرے لیے بخشش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تم کیا جواب دو گے ’’لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ‘‘ کا جب وہ آئے گا قیامت کے دن‘‘، پھر آپ ﷺ نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ اور یہی کہتے رہے۔ ’’تم کیا جواب دو گے ’’لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ‘‘ کا جب وہ آئے گا قیامت کے روز۔‘‘

سبحان اللہ! یہ کافر ہے جو مسلمانوں سے پوری طاقت سے لڑ رہا ہے، بلکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جو بھی اس کے قریب جاتا اسے مار گراتا لیکن جب کافروں کو شکست ہوگئی تو وہ کلمۂ شہادت کہے بغیر بھاگ کھڑا ہوا لیکن اسامہ اور ایک انصاری نے اسے پکڑ لیا اور جیسے ہی مارنا چاہا اس نے ’’لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ‘‘ پڑھ لیا، اب یہاں شبہہ ہوتا ہے، ایک آدمی یہی کہے گا کہ اس نے تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے لیکن انصاری صحابی نے سمجھ لیا حقیقت کو اور کلمہ سنتے ہی اپنا نیزہ روک لیا جبکہ اسامہ نے تلوار سے مار دیا، ایسا کیوں؟ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اس نے سچے دل سے کلمہ نہیں پڑھا ہے، لیکن جب بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی ملامت کی اور کہا: ’’أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا، قَالَ: أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟ أين تذهب من لا إله إلا الله يوم القيامة؟‘‘ ترجمہ: ’’کیا تم نے کلمہ ’’لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ‘‘ کا اقرار کرنے کے بعد اسے قتل کر ڈالا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے صرف جان بچانے کے لیے اس کا اقرار کیا تھا، اسامہ! تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ کیوں نہیں لیا کہ اس نے کلمہ تلوار

کے ڈر سے پڑھا ہے یا (تلوار کے ڈر سے) نہیں (بلکہ اسلام کے لیے)؟ **قیامت کے روز تم "لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ"** سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟"

چنانچہ جو اسلام کا اظہار کرے اور نواقض اسلام کا ارتکاب نہ کرے ایسی صورت میں ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کے اسلام کو قبول کریں، اسی پر اہل سنت والجماعت قائم ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کفر ایک شرعی حکم ہے جس کی بنیاد دلیل پر ہے۔

✶ **اہل سنت والجماعت کے نزدیک مذکورہ مسائل سے اس کا بھی تعلق ہے کہ:** تکفیر کا کوئی بدلہ نہیں، اس کا کیا معنیٰ ہے؟ یعنی اصل تو یہی ہے کہ برائی کا بدلہ برائی ہے اسی کے مقابل، لیکن ایک شخص آ کر کہے: یا کافر! تو آپ کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ آپ بھی اسے یا کافر کہیں، چنانچہ اہل سنت والجماعت یہ مانتے ہیں کہ کفر ایک شرعی حکم ہے، بدلے سے ثابت نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی بدلہ ہے، اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک اگر کوئی کفریہ عمل کرے تو فوراً اس کی تکفیر نہیں کرتے یہاں تک کہ اس کے پاس تکفیر کے شروط جمع نہ ہو جائیں اور موانع ختم نہ ہو جائیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس باب میں اہل سنت والجماعت کے اصول کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اسی لئے اہل سنت والجماعت اپنے مخالفین کی تکفیر نہیں کرتے، گرچہ ان کا مخالف ان کی تکفیر کرتا ہے، اس لئے کہ کفر ایک شرعی حکم ہے، اس لئے کسی کے لئے یہ درست نہیں کہ اس کا بدلہ لے، ایسے ہی اگر کوئی تم پر جھوٹ بولے یا تمہارے گھر والوں کے ساتھ زنا کرے -نعوذ باللہ- تو تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم بھی اس پر جھوٹ بولو اور اس کے گھر والوں کے ساتھ زنا کرو، کیونکہ جھوٹ اور زنا حرام ہیں، اللہ کے حق میں ان کا شمار ہوتا ہے، اسی طرح تکفیر بھی اللہ کا حق ہے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مقصود یہی ہے کہ اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حکم شرعی جو کہ اللہ کا حق ہے اس کا کوئی بدلہ نہیں، ایک شخص آپ پر جھوٹ بولتا ہے، تو آپ اس پر جھوٹ نہیں بول سکتے، اسی طرح اگر کوئی آپ کی تکفیر کرتا ہے تو اس کے بدلے میں اس کی تکفیر کرنا جائز نہیں۔

اور اہل سنت والجماعت کے یہاں یہ ثابت ہے کہ ہر وہ گناہ جس کے کفر پر دلیل نہ ہو اس کے کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جا سکتی مگر اسی وقت جب اسے حلال سمجھ کر کرے جبکہ اس کی حرمت معلوم ہو، جیسے سود ایک عظیم گناہ ہے کہ جس نے سودی کاروبار کیا گویا اس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ مول لی۔

اس کے باوجود اہل سنت والجماعت سودی کاروبار کرنے والے کی تکفیر نہیں کرتے، بلکہ جو سودی بینک کھولے اس کی بھی تکفیر نہیں کرتے، مگر اس وقت جب وہ اسے حلال سمجھ لے، اور ہمیں اس کا پتہ چل جائے، شبہات اور احتمالات کے ذریعے نہیں بلکہ یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ وہ سود کو حلال سمجھ رہا ہے یہ جانتے ہوئے کہ سود حرام ہے، اس وقت وہ کافر ہوجائے گا، ساتھ ہی اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ بڑے خطرے پر رہتا ہے، اس کا ایمان کم ہوجاتا ہے، اس طرح اہل سنت والجماعت کے یہاں میانہ روی ہے جبکہ ایک طرف مرجئہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد گناہ نقصان نہیں کرتا، اور معاصی سے ایمان کم نہیں ہوتا، اور دوسری طرف تکفیری معتزلہ اور خوارج ہیں جو مرتکب کبیرہ کی تکفیر کرتے ہیں۔

اس اصول میں یہ تمام فرقوں کے خلاف ہیں، چنانچہ وہ:

* یا تو تکفیری ہیں جیسے کہ موجودہ دور میں اخوان المسلمین جماعت کے لوگ ہیں، جن کے بارے میں آج بیان کریں گے، جو لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں بغیر شرعی کفر کے اور جو تکفیر میں یقین رکھتے ہیں۔

* یا تو وہ مرجئہ ہیں جو گناہوں میں تساہل سے کام لیتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ گناہ کچھ نقصان نہیں کرتے۔

یہ کلی اصول ہے جسے ہم درج ذیل اصولوں سے واضح کریں گے:

***تکفیر کے باب میں اہل سنت والجماعت کا پہلا اصول:** تکفیر شرعی حکم ہے، جس کی دلیل ضروری ہے، یہ ایک بڑا اصول ہے، کہ تکفیر ایک شرعی حکم ہے، یہ بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کفر ایک شرعی حکم ہے، یہ شرعی دلیلوں سے ثابت ہوگا۔''

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کفر ایک شرعی حکم ہے، اس کا مرجع اللہ اور اس کے رسول ہیں، چنانچہ جس پر کتاب وسنت سے دلیل ہوگی وہی کفر ہوگا، اور جس پر کتاب وسنت سے دلیل نہیں ہوگی وہ کفر نہیں ہوگا، چنانچہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی پر تکفیر کا حکم لگائے جب تک کہ اس کے کفر پر کتاب وسنت سے دلیل نہ قائم ہوجائے۔''

چنانچہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بدگمانی اور شبہات کی بنا پر تکفیر جائز نہیں، بھائیو! آج کل لوگوں کی تکفیر خاص کر مسلمان حکمرانوں کی تکفیر میڈیا کے اندر عام ہے، سو یاد رہے کہ شبہات اور بدگمانیوں کی بنا پر تکفیر جائز نہیں، اس میں اصل تکفیر کا نہ ہونا ہے۔

***تکفیر کا معاملہ بہت خطرناک ہے:**

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ'' ترجمہ: ''جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہہ کر پکارے تو دونوں میں سے ایک پر کفر آجائے گا۔ اگر وہ شخص جس کو اس نے پکارا کافر ہے تو خیر (کفر اس پر رہے گا) ورنہ پکارنے والے پر لوٹ آئے گا۔'' (متفق علیہ)

لوگ اس وقت تک خیریت میں ہیں جب تک کلمۂ تکفیر نہیں نکلتا لیکن جب یہ کلمہ نکل جاتا ہے:

- اس وقت یا تو وہ کافر ہو جاتا ہے جس کے بارے میں یہ کلمہ کہا گیا ہے۔
- یا وہ کلمہ خود کہنے والے کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''مَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ'' ترجمہ: ''جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے تو وہ ایسا ہے جیسے اس کا خون کیا۔'' اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ ''مَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ'' ترجمہ: ''جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے۔'' یعنی اسے کفر کے لفظ سے گالی دے، یہ اس کا حال ہے تو اگر کوئی کسی کے کافر ہونے کا اعتقاد رکھے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ یہ اور ہی سنگین ہوگا، بھائیو! قذف اصل میں سبّ وشتم کو کہتے ہیں، اور یہ ہمیشہ اعتقادی نہیں ہوتا، کوئی آپ کو کہے: اے کافر! تو ضروری نہیں کہ کہنے والا آپ کو کافر مانتا ہو، یہی حرام ہے مسلمان کے خون کرنے کی طرح، پھر آخر اس کا کیا حال ہوگا جو دل سے کسی مسلمان کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور جب سبّ وشتم کے طور پر تکفیر معین مومن کے قتل کی طرح ہے تو آخر اعتقاد کے طور پر اس تکفیر کا کیا حال ہوگا؟ یہ اس کے قتل سے بھی بڑھ کر ہوگا۔''

بھائیو! اگر کوئی یہ کسی مسلمان کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھے بغیر دلیل اور بغیر تکفیری شروط کے اور بغیر موانع کے ختم ہونے کے، تو اس کا گناہ جان بوجھ کر قتل مومن سے بڑھ کر ہوگا، اسی لئے تکفیر اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس کے لئے سورج کی طرح واضح دلیل نہ ہو۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے جب صحابہ سے بیعت کی کہ وہ حکمرانوں سے جھگڑا نہیں کریں گے تو فرمایا: ''إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ'' ترجمہ: ''جب تک ان کو اعلانیہ کفر کرتے نہ دیکھ لیں، اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس اس پر واضح دلیل ہو۔''

(عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيهِ بُرْهَانٌ) برہان کے بارے میں علماء نے کہا ہے: اس سے وہ دلیل مراد ہے جس

کے اندر کسی تاویل کا احتمال نہ ہو۔

اسی لئے اہل سنت والجماعت کے یہاں یہ اصول ہے کہ کسی کے ایمان کے ثابت کرنے میں غلطی کرنا زیادہ آسان ہے بالمقابل کسی کی تکفیر کرنے سے، کیونکہ اسلام کا ہونا ہی اصل ہے، اس اصول کو فقہائے اسلام نے ثابت کیا ہے مثلاً غزالی جو شافعی فقیہ ہیں گرچہ وہ اشعری تھے مگر اہل سنت والجماعت کا اصول مان کر لکھتے ہیں: ’’ایک ہزار کافر کے چھوڑ دینے میں غلطی کرنا ایک مسلمان کے خون بہنے میں غلطی کرنے سے زیادہ آسان ہے۔‘‘

اور یہ فطری چیز ہے کہ جس نے تکفیر کی اس نے بربادی کی، کیونکہ تکفیر قتل کا پُل ہے، اسی لئے غزالی کہتے ہیں: ’’ایک ہزار کافر کے چھوڑ دینے میں غلطی کرنا ایک مسلمان کے خون بہنے میں غلطی کرنے سے زیادہ آسان ہے۔‘‘

✷ **تکفیر کے باب میں اہل سنت والجماعت کا دوسرا اصول:** ایک مسلمان کے اندر اصل اسلام کا ہونا ہے، یہ یقین کے بعد ہی زائل ہوگا، چنانچہ اصل یہی ہے کہ جس نے اسلام کا اظہار کر دیا وہ مسلمان ہے، اس کا اسلام اسی وقت ختم ہوگا جب اس کے ختم ہونے پر یقین ہو، اسی لئے جب ایسے شخص پر غور کریں گے تو وہ تین حالتوں سے خالی نہیں ہوگا:

* **پہلا احتمال:** آپ کو یقین ہو کہ وہ کافر ہے، اس پر بعد میں کلام کریں گے ان شاءاللہ۔

* **دوسرا احتمال:** آپ کو یقین ہو کہ وہ کافر نہیں ہے، وہ مسلمان ہے، ایسی صورت میں اس کے لئے اسلام کو وجوبی طور پر ثابت کریں گے۔

* **تیسرا احتمال:** آپ کو اس کے اسلام میں شک ہے، پھر بھی اس کے لئے اسلام کو ثابت مانیں گے، کیونکہ اصل اسلام ہے، اور یہ شک سے زائل نہیں ہوگا، چنانچہ جب شک آگیا تو اصل کی طرف لوٹا دیں گے اور وہ یقینی طور پر اسلام ہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’قرآن وسنت دونوں کسی مسلمان کو فاسق یا کافر کہنے سے روکتے ہیں ایسی وضاحت کے ساتھ جس میں کوئی اشکال نہیں۔‘‘ یعنی اصل یہی ہے کہ کسی مسلمان کی تکفیر اور تفسیق نہیں کی جائے گی، اس لئے کہتے ہیں: ’’قرآن وسنت دونوں کسی مسلمان کو فاسق یا کافر کہنے سے روکتے ہیں ایسی وضاحت کے ساتھ جس میں کوئی اشکال نہیں، اور حقیقت میں اگر کسی کا اسلام ثابت ہو تو مسلمانوں کا اس کے مسلمان ہونے پر اجماع ہے، پھر اگر وہ گناہ کرتا ہے، یا تاویل کرتا ہے تو پھر اس کے بعد اس کے بارے میں اختلاف ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام سے خارج ہوگا یا نہیں، چنانچہ ایسی صورت میں اسی وقت اسلام سے خارج ہوگا جب اس کے خارج ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق

ہوگا۔“

یعنی اس کے کافر ہونے پر اتفاق کرلیں، جس طرح اس کے مسلمان ہونے پر اتفاق کیا تھا اسی طرح اس کے کافر ہونے پر بھی اتفاق ضروری ہے، یا سنت سے ثابت ہو، یعنی دلیل سے ثابت ہو کہ وہ کافر ہوگیا، ان شاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جس کا اسلام یقینی طور پر ثابت ہو وہ شک کی وجہ سے ختم نہیں ہوگا۔“

حنفی فقیہ ابن نجیم کہتے ہیں: ”کسی پر مرتد کا حکم شک کی بنا پر نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ ثابت شدہ اسلام شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگا۔“

بعض علماء کہتے ہیں: ”جب حدود کو شبہات کی بنا پر ختم کردیا جاتا ہے تو کفر تو بدرجہ اولیٰ چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ یہ تو حدود سے بھی زیادہ سنگین ہے۔“

بھائیو! جیسا کہ میں نے کہا جب کسی کی تکفیر کی جائے خواہ کوئی عام آدمی ہو یا حاکم ہو یا عالم ہو:

* پھر یا تو ثابت ہوگا کہ وہ کافر ہے، اس کے کچھ احکام ہیں۔
* یا تو اس کے کفر میں شک ہوگا، تو ایسی صورت میں اسے اصل کی طرف یعنی اسلام کی طرف لوٹا دیں گے۔
* یا اسلام ثابت ہوگا، ایسی صورت میں اسی پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

✶ **تکفیر کے باب میں اہل سنت والجماعت کا تیسرا اصول:** کسی پر تکفیر کا حکم لگانے سے پہلے شروط تکفیر کا پایا جانا اور موانع تکفیر کا ختم ہونا ضروری ہے، چنانچہ علماء کے یہاں قاعدہ یہی ہے کہ: جس پر بھی کفر کا حکم لگایا جائے اس کے لئے اس کے شروط کا ہونا اور موانع کا ختم ہونا ضروری ہے، یہ پورے دین میں ہوگا، یعنی کوئی آکر کہے: میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں، کیا میرے لئے نماز پڑھنا جائز ہے؟ تو ہم پہلے اس سے پوچھیں گے: کیا تم نے وضو کرلیا ہے؟ جب وہ کہے کہ ہاں، تو ہم غور کریں گے، اور کہا: نہیں، تو ہم کہیں گے: کہ بغیر وضو کے نماز جائز نہیں ہے، پہلے جا کر وضو کرو، اس کے لئے شروط کا پایا جانا ضروری ہے، اسی طرح پوچھیں گے کہ نماز کب پڑھو گے؟ وہ کہے گا: عصر کے بعد نفل پڑھوں گا، ہم کہیں گے: نہیں، یہ ممانعت کا وقت ہے، اس وقت مانع پایا جاتا ہے، اسی طرح تمام احکام میں ہوگا، اسی طرح تکفیر کا بھی مسئلہ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کفر کبھی مطلق ہوتا ہے اور لوگ اس سے تکفیر کردیتے ہیں۔“ یعنی

اطلاق کے اعتبار سے تعیین کے اعتبار سے نہیں ،یعنی ایسا کہے کہ اس نے کفر کیا، یا وہ کفر پر ہے،اور حکم کہتے ہیں کہ کہے وہ کافر ہے، یہ الگ مسئلہ ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کے یہاں معروف ہے، کہتے ہیں : جو خلق قرآن کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے، یہ اطلاق کے باب سے ہے، کسی معین شخص پر حکم لگانے کے باب سے نہیں ۔

آگے کہتے ہیں: ’’لیکن شخص معین پر کفر کا حکم نہیں لگا ئیں گے جب تک حجت قائم نہ ہو جائے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو۔‘‘

آگے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’شخص معین کی تکفیر اور اس کا قتل موقوف ہے حجت نبویہ پر جس کا مخالف کافر ہوتا ہے۔‘‘

*** یہ مسئلہ کہ کسی پر کفر کا حکم نہیں لگا سکتے جب تک کہ اس کے شروط مکمل نہ ہوں اور موانع ختم نہ ہوں، اس پر بہت بہت سی دلیلیں ہیں:**

انہیں میں سے نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث: ’’**لَلهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتَى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ فَبَيْنَا هُوَ كَذَلِكَ، إِذَا هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ: مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ**‘‘ ترجمہ: ’’البتہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ خوشی ہوتی ہے اپنے بندہ کی توبہ سے جب وہ توبہ کرتا ہے تم میں سے اس شخص سے زیادہ جو اپنے اونٹ پر سوار ہو ایک صاف بے آب ودانہ جنگل میں، پھر وہ اونٹ نکل بھاگے اسی پر اس کا کھانا اور پانی ہو۔ آخر وہ اس سے ناامید ہو کر ایک درخت تلے آ کر لیٹ رہے اس کے سایہ میں اور اونٹ سے بالکل ناامید ہو گیا ہو، وہ اسی حال میں ہو کہ یکا یک اونٹ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے اور وہ اس کی نکیل تھام لے، پھر خوشی کے مارے بھول کر غلطی سے کہنے لگے : یااللہ! تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں خوشی کے سبب سے ایسی غلطی کرے۔‘‘ (یعنی یوں کہنا تھا یااللہ! تو میرا رب ہے میں تیرا بندا ہوں پر خوشی سے زبان میں الٹا نکل جائے)۔‘‘

یہ حدیث صحیح مسلم کے اندر ہے۔

یہاں اللہ کے رسول ﷺ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کیسے اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندے سے بھی خوش ہوتا ہے جب وہ گناہ سے تائب ہو جاتا ہے، اس وقت ان سخت دل والوں پر تعجب ہے کہ کیسے ایک گنہگار مومن کہ جس کے بارے میں

معلوم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرنے والا ہے اور اللہ اس پر کس قدر خوش ہے؟

اس مثال کے اندر دلیل: ایک آدمی صحراء میں ہے، اس کی سواری جس پر کھانا پانی تھا اسے کھو دیا، تلاش بسیار کے باوجود مایوس ہو چکا ہے، موت کا انتظار کر رہا ہے، اس وقت ایک درخت کے نیچے جا کر لیٹ جاتا ہے اور موت کا انتظار کرنے لگتا ہے، اسی وقت اس کی اونٹنی آجاتی ہے، اسے پکڑ کر بہت خوش ہوتا ہے اور اسی خوشی میں کہہ جاتا ہے: یا اللہ! تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں۔ یقیناً یہ جملہ قصد ویقین کے ساتھ کہا جائے تو آدمی کافر ہو جائے گا، لیکن چونکہ غلطی سے کہا' اس لئے اس پر کفر کا حکم نہیں لگا، مانع کی وجہ سے اور وہ ہے بے انتہاء خوشی کا ہونا۔

اسی لئے محققین فقہاء نے کہا ہے: انسان کو اس قول کی وجہ سے مواخذہ نہیں ہوگا جس وقت اس کا ذہن مشغول ہو، ایک شخص خوشی میں اس قدر ڈوب گیا کہ اس کا ذہن مشغول ہو گیا کہ کیا کہہ رہا ہے، چنانچہ وہ اپنی بیوی سے کہہ دیا: تجھے طلاق ہے، خوشی سے غلطی کر گیا، وہ کہنا چاہ رہا تھا: تو بہت مبارک بیوی ہے، مگر خوشی کے مارے الٹا کہہ گیا۔

ایک شخص سخت غصے میں ہے یہاں تک کہ اس کا ذہن مشغول ہو گیا اور اسی دوران کہہ گیا اپنی بیوی سے: تجھے طلاق ہو۔ اسی دوران اس کی ماں آگئی اور اسے بھی کہہ دیا: تجھے طلاق ہو، اس وقت مانع کی وجہ سے طلاق نہیں ہوگی، اور مانع اس کی بے انتہاء غصہ ہے جس کی وجہ سے اس کا ذہن مشغول ہو گیا۔

شاہد: کسی پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے جب تک کہ اس کے شروط نہ پائے جائیں اور موانع کی نفی نہ ہو۔

اسی طرح صحیحین میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**أَسْرَفَ رَجُلٌ عَلَى نَفْسِهِ، فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَوْصَى بَنِيهِ، فَقَالَ: إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اسْحَقُونِي ثُمَّ اذْرُونِي فِي الرِّيحِ فِي الْبَحْرِ، فَوَاللهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبُنِي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ بِهِ أَحَدًا، قَالَ: فَفَعَلُوا ذَلِكَ بِهِ، فَقَالَ لِلْأَرْضِ: أَدِّي مَا أَخَذْتِ، فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ، فَقَالَ لَهُ: مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟، فَقَالَ: خَشْيَتُكَ يَا رَبِّ أَوَ قَالَ مَخَافَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ بِذَلِكَ**'' ترجمہ: ''ایک شخص نے گناہ کیے تھے جب مرنے لگا تو اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد مجھ کو جلانا، پھر میری راکھ باریک پیسنا، پھر دریا میں، ہوا میں اڑا دینا کیونکہ اللہ کی قسم! اگر پروردگار نے مجھ کو پکڑا' تو ایسا عذاب کرے گا کہ ویسا عذاب کسی کو نہ کیا ہوگا، چنانچہ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا: جو تو نے اس کی خاک لی ہے وہ اکٹھی کر دے، پھر وہ پورا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ بولا: تیرے ڈر سے اے پروردگار، پھر اللہ تعالیٰ نے

اس کو بخش دیا۔‘‘

بھائیو! اس شخص نے بہت گناہ کیا تھا، اپنے نفس پر ظلم کیا تھا، جب اس کی موت آئی تو اپنے لڑکوں سے کہا: جب میں مرجاؤں تو مجھے آگ میں جلا دینا، اور باقی حصہ پیس کر دریا کے اوپر ہواؤں میں اڑا دینا، اس سے اس کا کیا مقصد تھا؟ کیا اس کا یہ گمان تھا کہ اس طرح اللہ اس سے حساب نہیں لے گا، یقینی طور پر یہ کفریہ اعتقاد ہے، اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے، بہر حال لڑکوں نے ویسا ہی کیا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، چنانچہ زمین کو حکم دیا کہ جو کچھ تیرے اندر ہے اسے نکال دے اور دریا نے بھی تمام اجزاء کو نکال دیا یہاں تک کہ اس کا بدن اکٹھا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: ایسا تم نے کیوں کیا؟ عرض کیا: میرے رب! تیرے خوف نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ گویا اس نے کہا کہ تیرے خوف نے میری عقل کو ڈھانپ لیا یہاں تک کہ میں نے جو کہا وہ کہا، چنانچہ اللہ اسے معاف کر دیا۔

بھائیو! معلوم رہے کہ اگر وہ ایسا کہنے سے کافر ہو جاتا تو اللہ اسے معاف نہیں کرتا، کیونکہ اللہ کفر کو معاف نہیں کرتا، پتہ چلا کہ وہ کافر نہیں ہوا باوجودیکہ اس نے کفریہ بات کہی اور اسی کا اعتقاد بھی کیا تھا، لیکن چونکہ مانع موجود ہے اور وہ ہے اللہ سے شدت خوف جس نے اس کی عقل کو ڈھانپ لیا یہاں تک کہ اللہ نے اسے معاف کر دیا۔

اس عظیم اصول پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تحریم خمر سے قبل سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بعض اصحاب کے ساتھ گھر میں بیٹھ کر شراب نوشی کر رہے تھے، ایک لونڈی ان کی خدمت پر مامور تھی، حمزہ نے لوگوں کو ستّو پیش کیا، تو لونڈی نے کہا: حمزہ! کیا ہم ستّو پئیں گے جبکہ اونٹنیاں دروازوں پر بندھی ہوئی ہیں؟

علی رضی اللہ عنہ نے باہر دو اونٹنیاں باندھ رکھی تھیں تاکہ ان پر سفر کیا جائے، گویا لونڈی حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہہ رہی تھی: حمزہ! تم ہمیں ستّو دے رہے ہو جبکہ دروازے ہی پر اونٹنیاں بندھی ہوئی ہیں، کیوں نہ انہیں کو ذبح کر ڈالو، یہ سن کر حمزہ نے چاقو اٹھایا اور ایک اونٹنی ذبح کر ڈالی اور کہا: آؤ سب اسے کھاؤ۔

حقیقت میں یہ اونٹنی علی رضی اللہ عنہ کی تھی اور سب لوگ اسے کاٹ کاٹ کر بھون کر کھا رہے تھے، جب علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور سارا ماجرا دیکھا، تو واپس نبی اکرم ﷺ کے پاس شکایت کرنے گئے، تو نبی اکرم ﷺ انس اور علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان لوگوں کے پاس آئے اور جب حمزہ سے اس موضوع پر گفتگو کی تو حمزہ نے کہا: کیا تم لوگ میرے باپ کے غلام نہیں ہو؟ گویا نبی ﷺ سے کہہ رہے ہیں کہ تم مجھ سے بات کرنے آئے ہو کیا میرے باپ کے غلام نہیں ہو؟ یہی بات اگر ہوش و حواس کے ساتھ کہی جائے تو آدمی کافر ہو جائے گا، لیکن انس رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کہہ

رہے ہیں: جب معلوم کیا گیا تو پتہ چلا کہ حمزہ مدہوش تھے اس لئے نبی اکرم ﷺ واپس چلے گئے اور ساتھ میں ہم بھی نکل گئے۔

یہ قصہ صحیحین میں ہے، یہاں نبی اکرم ﷺ نے مانع کا پتہ لگایا اور حمزہ کو کافر نہیں کہا، اور کل جب ملاقات ہوئی تو یہ نہیں کہا: تم نے کل ایسا ویسا کہا تھا، یہ کفر ہے، دوبارہ کلمۂ شہادت پڑھ کو اسلام میں آجاؤ۔

✶ **اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس باب سے متعلق اصولوں میں سے یہ بھی ہے:** عام احکام میں علماء کی طرف رجوع کیا جائے گا، کہ یہی امت کا قلعہ ہیں اور امت محمدیہ کے لئے شر سے بچاؤ ہیں: عام سنگین معاملات میں کبار علماء ہی بات کرنے کے مجاز ہیں، اور بلا شبہ تکفیر کا تعلق انہیں سنگین معاملات سے ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس مسئلے میں عام لوگوں کو یا طالب علموں کو بات نہیں کرنی چاہئے۔

برخلاف دوسروں کے جو کہ تکفیر کے مسئلے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں، ان میں سے ہر کسی کو تکفیر کرتے ہوئے دیکھیں گے؛ بڑھئی تکفیر کر رہا ہے، ٹیکسی ڈرائیور تکفیر کر رہا ہے، انجینئر تکفیر کر رہا ہے، طبیب تکفیر کر رہا ہے، ان کے یہاں سب سے آسان چیز تکفیر ہے، جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ سب سے خطرناک مسئلہ ہے اور اس باب میں ان کے یہاں مرجع علماء ہوتے ہیں، ارشاد باری ہے: ﴿وَإِذَا جَآءَهُمۡ أَمۡرٞ مِّنَ ٱلۡأَمۡنِ أَوِ ٱلۡخَوۡفِ أَذَاعُواْ بِهِۦۖ وَلَوۡ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسۡتَنۢبِطُونَهُۥ مِنۡهُمۡ﴾ [نساء:۸۳] ترجمہ: ''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں۔''

یہاں اللہ نے منافقوں پر نقد کرتے ہوئے کہا کہ جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے، تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، اور پھر واضح کیا کہ ایسی صورت میں مومنوں پر کیا واجب ہے، وہ یہ کہ سنت اور علماء ربانیین کی طرف رجوع کرنا تاکہ ایسے حساس مسئلے میں وہی لوگ بات کریں۔

اس لئے عام مسلمانوں اور طالب علموں پر واجب ہے کہ اس باب میں علماء ربانیین کی پیروی کریں، اور ہر کوئی تکفیر کا حکم نہ لگائے، خاص طور پر نوجوانوں کو اس سے دور رہنا چاہئے جن کے پیچھے شیطان زیادہ لگا رہتا ہے، مگر افسوس کہ یہ اصول اکثر کے یہاں غائب ہے اسی لئے تکفیر کے باب میں ظلم و زیادتی دکھنے میں آرہی ہے، یہاں تک کہ آج

کے نوجوان علماء تک کی تکفیر کرنے لگے ہیں۔

*تشدد پسندوں کو نصیحت: ایک نوجوان تھا، ثانویہ کی ڈگری تھی اس کے پاس، مشائخ کے بیچ میں بیٹھا، مشائخ نے کہا: تمہیں علماء کا کلام بتاتے ہیں، اس نے کہا: کون علماء؟ کہا: شیخ ابن باز، شیخ ابن عثیمین، اس نے کہا: استغفر اللہ! اللہ کی لعنت ہو اس پر، یہ تو اس سے بڑا کافر ہے۔ ایک ثانوی کا طالب علم اس طرح بات کر رہا ہے جسے روٹی کے بارے میں بھی فتویٰ دینے کا حق نہیں۔

انہیں میں سے ایک میرے ساتھ ایک بار حج پر تھا، میں نے کہا: بھائی میرے پاس آؤ، اس نے کہا: میں تمہارا بھائی نہیں، میں نے کہا: تم میرے بھائی ہو، اب تم مجھے کیا سمجھتے ہو یہ تمہارا مسئلہ ہے، میں تمہیں کافر نہیں سمجھتا ہوں، گرچہ تم مجھے کافر سمجھو، بہر حال بات لمبی ہوئی، اسے منطق سے محبت تھی کسی مدرسے میں منطق پڑھ رکھا تھا، مگر ثانویہ ہی کی ڈگری تھی اس کے پاس، اس لئے میں اس سے منطق میں مناقشہ کرنے لگا، پھر میں وضو کے لئے جانے لگا تو اس نے شیخ سے جو میرے ساتھ تھے کہنے لگا: رُحیلی تم سے زیادہ جانکار ہے، لیکن تم سے بڑا کافر ہے، کیونکہ اللہ نے اسے علم و بصیرت کی بنیاد پر گمراہ کیا ہے، مگر تم جاہل ہو۔

بھائیو! میں نے یہ بتایا تا کہ معلوم رہے کہ تکفیر کا مسئلہ کس قدر سنگین ہے جو عقلوں کو فاسد کر رہا ہے، پھر وہی مجھ سے کہنے لگا: میں بیس لاکھ حاجیوں کو دیکھا جب ہم جدہ میں تھے موسم حج میں، مگر ان میں کوئی اللہ کو نہیں پہچانتا تھا۔

اس طرح بہت ملیں گے جو بھٹک چکے ہیں، ان کے دل تاریک ہو گئے، علماء سے استفادہ کرنے کی بجائے ان پر کفر کا فتویٰ لگا رہے ہیں۔

✷ **تکفیر جیسے عظیم باب میں اہل سنت والجماعت کا پانچواں اصول:** گناہوں کی کئی قسمیں ہیں، اہل علم کے نزدیک گناہ ایک درجے پر نہیں ہیں، گرچہ سب معصیت ہیں لیکن سب کا ایک مقام نہیں ہے:

* کچھ گناہ ایسے ہیں جو اسلام سے نکال دیتے ہیں، اور یہ کفر ہے۔ جیسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دینا۔

* کچھ گناہ ایسے ہیں جو دین اسلام سے نہیں نکالتے، جیسے زنا، اور زنا اپنی تمام تر قباحت کے باوجود اسلام سے خارج نہیں کرتا، چنانچہ اگر کوئی مسلمان نعوذ باللہ روزانہ زنا کرے پھر بھی ہم اسے کافر نہیں کہہ سکتے، گرچہ وہ بہت ہی خطرناک پوزیشن میں ہے۔

* گناہ صغیرہ، جو کبیرہ گناہوں سے کمتر ہوتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا کوئی خطرہ نہیں، بلکہ ان کا بھی خطرہ

ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ، صُقِلَ قَلْبُهُ، فَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّى تَرِينَ عَلَى قَلْبِهِ'' ترجمہ: ''جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ (داغ) لگ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کرے، باز آجائے اور مغفرت طلب کرلے تو اس کا دل صاف کردیا جاتا ہے، اور اگر وہ (گناہ میں) بڑھتا چلا جائے تو پھر وہ دھبہ بھی بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔''

اس لئے بھائیو! تمام گناہ خطروں سے خالی نہیں، ایک عقلمند کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام صغیرہ کبیرہ گناہوں سے محفوظ رہے، لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ہر گناہ کفر نہیں ہوتا، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مسلمان گناہ پر گناہ کرتا ہے پھر بھی کافر نہیں ہوتا۔

***تکفیر کے باب میں اہل سنت والجماعت کے طریقے پر اس بحث کو ختم کریں گے:**

- **ایک مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی پر کفر کا حکم لگائے مگر صحیح طریقے سے، اور اس کا سب سے پہلا صحیح طریقہ یہ ہے:**

جس قائل یا فاعل کی طرف اس کی نسبت کی جارہی ہے اس کی تحقیق ہونی چاہئے کہ کیا اس نے واقعی ایسی بات کہی ہے یا نہیں؟ کیا واقعی اس نے ایسا کام کیا ہے یا نہیں؟ کیونکہ کوئی ضروری نہیں کہ جو چیز جس کی طرف منسوب کی جارہی ہے وہ صحیح ہو، بطور خاص اِس زمانے میں کہ بعض لوگوں کے نزدیک جھوٹ بولنا ہی دین ہوگیا ہے، اس وقت آپ ایک باریش شخص کو دیکھیں گے جو سب سے زیادہ جھوٹ بولتا اور لکھتا ہوگا دین سمجھ کر، حکام کے خلاف جھوٹ بولتا ہے، ہر ایک کے خلاف جھوٹ بولتا ہے، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر جھوٹ ہی جھوٹ بھرا ہے، اس لئے تحقیق ضروری ہے۔

ٹھیک ہے، تحقیق کرنے کے بعد بھی نتیجہ تین امور سے خالی نہیں ہوگا:

*** پہلا امر:** یہ ثابت ہوجائے کہ اس نے یہ بات کہی ہے یا یہ کام کیا ہے، تو اسے ہم دوسرے مقام پر لیں گے۔

*** دوسرا امر:** یہ ثابت ہوجائے کہ اس نے یہ بات نہیں کہی ہے اور یہ کام اس نے نہیں کیا ہے، تو اس پر ایک مومن خوش ہوگا، کیونکہ جیسا کہ میں نے کہا کہ ایک مسلمان پسند کرتا ہے کہ لوگ اسلام پر باقی رہیں، وہ کہے گا: اللہ کا شکر ہے جس نے اسے اس قول سے محفوظ رکھا۔

* **تیسرا امر:** اسے شک ہو، یعنی کچھ پتہ نہ چلے کہ کہا ہے یا نہیں، ایسی صورت میں ہم اصل کی طرف رجوع کریں گے، اور اصل یہی ہے کہ وہ اسلام پر باقی رہے گا۔

● **دوسرا درجہ:** جس پر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے یہ بات کہی ہے یا یہ کام کیا ہے، تو ایسی صورت میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم تحقیق کریں کہ کیا واقعی یہ قول یا یہ فعل کفر ہے، کیونکہ کوئی ضروری نہیں کہ لوگ جو کچھ کہیں اسے کفر مان لیا جائے، ہمیں کتاب وسنت سے دلیل کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، یہاں تک کہ بعض فقہاء اس باب میں غلو کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر کوئی مسجد کے بارے میں (مسیجد) کہہ دے یا مصحف کے بارے میں (مصیحف) کہہ دے تو وہ کافر ہو جائے گا، جبکہ یہ درست نہیں ہے، آج تکفیری بہت سی ایسی چیزوں کو کفر مانتے ہیں جبکہ وہ کفر نہیں ہوتیں۔

تحقیق کرنے کے بعد بھی نتیجہ تین امور سے خالی نہیں ہوگا:

* **پہلا امر:** یہ ثابت ہو جائے دلیل سے کہ یہ قول یا یہ فعل کفر ہے، اس وقت ہم اسے تیسرے درجے میں لیں گے۔

* **دوسرا امر:** دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ کفر نہیں ہے، بلکہ معصیت ہے، اس وقت ہم اصل کی طرف یعنی عدم کفر کی طرف جائیں گے۔

* **تیسرا امر:** یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے جو کہا ہے یا کیا ہے کفر ہے، اس وقت ہم تیسرے درجے کی طرف منتقل ہوں گے:

کیا جو اس نے کہا ہے یا کیا ہے کفر ہے؟ اور کس جہت سے کفر ہے؟ کیونکہ بعض کے کئی جہات ہوتے ہیں، ایک جہت سے کفر ہو سکتا ہے اور ایک جہت سے کفر نہیں ہو سکتا ہے۔

* **اس کی ایک مثال پیش ہے:** کچھ سال پہلے کی گھڑیاں آج کی طرح نہیں ہوتی تھیں، ایک گھڑی سوئز رلینڈ کی ہوا کرتی تھی جو سب سے اچھی مانی جاتی تھی اس کے اندر صلیب ہوتی تھی، لوگ اسے بہت پسند کرتے تھے، کیونکہ وہ اصلی ہوتی تھی، لیکن اسے لوگ صلیب کی وجہ سے نہیں پہنتے تھے اور نہ ہی صلیب کی تعظیم کرتے تھے، بلاشبہ یہ کفر نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں جبکہ میرے نزدیک یہ محل نظر ہے کہ چیورلی نشانی صلیب ہے، کوئی کہتا ہے کہ چیورلی گاڑی میں موجود صلیب ہے جو اسٹیرنگ پر بھی موجود ہے، لیکن کیا اس گاڑی کو چلانے والا اس کی تعظیم کرتا ہے، یا کیا اس نشانی کے بنانے والے نے اسے صلیب سمجھ کر بنایا ہوگا؟ جواب: نہیں، اس سے کوئی کافر نہیں ہوگا، کیونکہ یہ عموم بلویٰ

میں سے ہے۔

ابھی اگر آپ دھوپ میں کھڑے ہو جائیں اور دونوں ہاتھوں کو پھیلا دیں تو صلیب جیسا سایہ بن جائے گا، لیکن کیا آپ صلیب بنانا چاہتے ہیں؟ اس پر وہ حکم نہیں لگے گا، یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ اس نے کس لئے ایسا کیا ہے؟ اگر ثابت ہو جائے کہ اس نے اسی طریقے سے کیا ہے جس کی وجہ سے کفر ثابت ہوتا ہے تو اسے ہم چوتھے درجے کی طرف منتقل کر دیں گے، یعنی جس میں کفر کے تمام شروط پائے جاتے ہیں اور موانع نہیں ہوتے، اگر ایسا ہوتا ہے تو ہم پانچویں درجے کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

جس میں کفر کے تمام شروط پائے جاتے ہیں اور موانع نہیں ہوتے اس وقت ہم پانچویں درجے کی طرف منتقل ہوں گے:

اور اس پر مرتب ہونے والے احکام دو قسم کے ہیں:

* **پہلی قسم:** وہ احکام جو اس اعتقاد رکھنے والے کے ساتھ خاص ہیں۔

* **دوسری قسم:** وہ احکام جو متعدی ہوتے ہیں۔

* **وہ احکام جو اس اعتقاد رکھنے والے کے ساتھ خاص ہیں:** مثلاً اس پر نماز جنازہ، جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں پڑھوں گا یا نہیں پڑھوں گا، یہ استغفار کی طرح ہے، تو میں اپنے عقیدے پر کروں گا۔

* **وہ احکام جو متعدی ہوتے ہیں:** جیسے اس کا قتل کرنا، اور جیسے اسے میراث سے محروم کرنا وغیرہ، تو اس تعلق سے علماء اور حکام کی طرف رجوع کیا جائے گا، کسی عالم یا قاضی کے فیصلے کی ضرورت ہے۔

* **اس مسئلے کو ایک مشہور مسئلے سے قریب کرتا ہوں:** اور یہ مسئلہ تارک صلاۃ کا ہے، اگر میرا یہ اعتقاد ہو کہ تارک صلاۃ کوتاہی کی بنا پر کافر ہے، مگر وہ برابر ترک کرتا ہے، اور مجھے معلوم ہے کہ وہ نہ گھر میں پڑھتا ہے اور نہ مسجد میں یہاں تک کہ وفات پا گیا، میں جانتا ہوں کہ وہ کافر ہے۔

* **اب میں اپنے اعتقاد کے اعتبار سے:** اس پر لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھوں گا، کیونکہ میرا اعتقاد ہے کہ وہ کافر ہے کیونکہ کافر پر نماز جنازہ نہیں ہے، لیکن میں لوگوں کو منع بھی نہیں کروں گا، اگر اس سے مجھے میراث ملنے والا ہو گا تو میں نہیں لوں گا، مگر دوسروں کو منع بھی نہیں کروں گا۔

* **مگر وہ احکام جو متعدی ہوتے ہیں:** جیسے اسے قتل کرنا، تو اس میں مجھے اختیار نہیں، اس میں قاضی کی طرف رجوع

کیا جائے گا، اسی لئے سب متفق ہیں کہ تارک صلاۃ کو قتل کرنا جائز نہیں سوائے حاکم کے لئے، اور وہ بھی تین بار توبہ کرانے کے بعد، اگر اس کے بعد بھی نماز پڑھنے سے انکار کرے تو قتل کیا جائے گا، بعض لوگ کہتے ہیں: کفر کی وجہ سے، اور بعض کہتے ہیں: حد کی وجہ سے، بعض کہتے ہیں: تعزیراً، مجھے اس مسئلے میں کوئی اختیار نہیں، اس میں قاضی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

کیا میں اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کروں گا؟ میں اس کی بیوی کو نصیحت کروں گا کہ اس کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے، اس سے جدائی کے لئے اپنا معاملہ عدالت میں لے جاؤ، لیکن میں فیصلہ نہیں کروں گا، علماء اور قاضیوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اس قدر واضح طریقے کو جو کہ اہل سنت والجماعت کا ہے اگر آج کے نوجوان سمجھ جائیں تو آج ہم تکفیر کی آفت سے محفوظ ہو جائیں جس نے بہت سی مصلحتوں کو ضائع کر دیا ہے، اور بہت سارے فساد کا سبب بنا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ آج صوفیوں نے تکفیر و تفجیر اور دہشت گردی کو اہل سنت والجماعت سے جوڑ کر رکھ دیا ہے، اور مغربی قوموں کے سامنے بھی ثابت کر رہے ہیں کہ اہل سنت والجماعت ہی اہل تکفیر ہیں وہی تباہی مچاتے ہیں، جبکہ یہ زمین اہل سنت والجماعت ہی کے سائے میں محفوظ رہ سکتی ہے تکفیر و تفجیر اور فتنہ وفساد سے، کیونکہ اہل سنت والجماعت اسے حرام سمجھتے ہیں دین مان کر نہ کہ مصلحت مان کر، چنانچہ یہ لوگوں کی حرمتوں کے محافظ ہیں۔

اس لئے بھائیو! ضروری ہے کہ ہم اس منہج کو واضح کریں، اور اسے خطبوں میں بیان کریں جو کہ اہل سنت والجماعت کے عظیم اصولوں میں سے ہے، تاکہ تکفیر کی جڑ کو ختم کرنے میں مدد ملے۔

اصول سلف ④

الحمدُ للهِ ربِّ العالَمِين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتَمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

جمعہ کی مجلسوں میں سے تیسری مجلس میں تمام احباب کا استقبال کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل ہمیں سمجھ عطا کرے اور نفع بخش بنائے اور باعمل عالموں میں سے بنائے۔

اس علمی دورے کے ذمیداروں سے مشورے کے بعد یہ طے پایا ہے کہ آج ہی رات اس دورے کو ختم کر دیا جائے تخفیف کرتے ہوئے، الحمدللہ ان تمام اصولوں اور امور کو بیان کر دیا گیا ہے، جو بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، اور باقی کو سنیچر کے روز بیان کریں گے، جو کہ تتمہ کی حیثیت ہوں گی۔

بھائیو! آج کی مجلس کا موضوع جس امور سے متعلق ہے وہ بہت ہی اہم ہیں اور اہل سنت والجماعت کے عام اصولوں سے متعلق ہے، منہج سلف صالح کے اصولوں سے متعلق ہے، جن سے یہ ممتاز ہیں، اور جن سے عدل، امن وامان اور خیر ثابت ہوتے ہیں، اور تقویٰ ثابت ہوتا ہے، اگر لوگ ان اصولوں پر عمل کریں تو سعادت مند زندگی گزاریں، اور خود مامون رہیں اور دوسرے بھی مامون رہیں گے، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم انہیں جان لیں پھر سمجھ لیں، پھر ان پر عمل کریں، پھر اس کی طرف دوسروں کو بلائیں، پھر ان پر صبر کریں۔

آج ہم اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے دو اہم اصولوں پر بات کریں گے جن کے اندر تمام فرقوں کے نزدیک بطور خاص معاصرین کے نزدیک بہت ہی خلط ملط ہے:

* **پہلا اصول:** ولاء اور براء کا ہے:

چنانچہ اہل سنت والجماعت کے اصول میں ولاء ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے محبت کرتا ہو اور اس کی اطاعت کرتا ہو، اور برآت ہے، ہر اس شخص سے جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو، اور یہ معلوم ہے کہ مومن اپنے دین میں ممتاز ہوتا ہے، سب سے بڑی محبت اس کے نزدیک اللہ کی محبت ہوتی ہے، پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی محبت ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک مومن اللہ سے محبت کرتا ہے، اور اللہ سے محبت مطلق طور پر کرتا ہے، اور دوسروں سے محبت اللہ کی خاطر کرتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ سے لے کر سب سے کم تر محبوب چیز تک، سب سے اللہ کی خاطر محبت کرتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے محبت آپ کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کی جاتی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور مومن کے نزدیک اس کی ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

پھر ہر اس شخص سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ محبت کرتا ہے، ان میں سب سے پہلے صحابہ ہیں، اور ہر اس شخص اور ہر اس چیز سے نفرت کرتا ہے جس سے اللہ نفرت کرتا ہے، چنانچہ وہ کفر اور شرک سے نفرت کرتا ہے اور مشرکین سے نفرت کرتا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ﴾ [مجادلہ:۲۲] ترجمہ: ''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے۔''

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا﴾ بھائیو! یہاں ملاحظہ کریں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے وجود کی نفی کردی ہے، اور حقیقت میں یہ حقیقی وجود نہیں ہے، کیونکہ آپ بعض لوگوں کو پائیں گے جو اللہ اور اس کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہیں، اور ایسے بہت سے حضرات کو پائیں گے جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہیں، لیکن یہ وجود حکمی ہے، چنانچہ حکمی طور پر آپ کسی ایسے مومن کو نہیں پائیں گے جو اللہ اور اس کے دشمنوں سے محبت رکھتا ہو:

* یا تو وہ مومن ہوگا جو اللہ اور اس کے دشمنوں سے محبت نہیں رکھتا ہوگا۔
* یا وہ اللہ اور اس کے دشمنوں سے محبت رکھتا ہو، پھر وہ مومن نہیں ہوگا۔

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ﴾ [مجادلہ:۲۲] ترجمہ: ''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔''

اور ان شاء اللہ آگے اسی محبت کے اصول وضوابط کو درج ذیل اصولوں کی روشنی میں واضح کریں گے۔

ارشاد باری ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَـٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ﴾ [مائدہ:۵۱] ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے۔''

باوجود یکہ اللہ عزّوجل نے اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے لئے کچھ ایسے احکام بیان کئے ہیں جو دوسرے کافروں کے لئے نہیں بیان کئے، چنانچہ ایک مسلمان کے لئے یہ جائز کیا کہ وہ کتابیہ یعنی یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کرے، اور یہ بھی جائز کیا کہ اہل کتاب کے ذبیحوں کو کھائے مگر مومنوں پر دوسری طرف یہ حرام کر دیا کہ یہود ونصاریٰ سے دوستی کریں، اس لئے کہ یہود ونصاریٰ نے دین میں تحریف کی اور اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی۔

ارشاد باری ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوٓا۟ ءَابَآءَكُمْ وَإِخْوَٰنَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ ٱسْتَحَبُّوا۟ ٱلْكُفْرَ عَلَى ٱلْإِيمَـٰنِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ﴾ [توبہ:۲۳] ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر سے محبت رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

یہاں اللہ عزّوجل نے مومنوں پر حرام کیا کہ وہ ان لوگوں کو دوست بنائیں جنہوں نے کفر کیا گر چہ وہ باپ یا بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**مَنْ أَحَبَّ فِي اللهِ وَأَبْغَضَ لِلهِ وَأَعْطَى لِلهِ وَمَنَعَ لِلهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ**''، ترجمہ: ''جس نے اللہ ہی کے رضا کے لیے محبت کی، اللہ ہی کے رضا کے لیے دشمنی کی، اللہ ہی کے رضا کے لیے دیا، اللہ ہی کے رضا کے لیے منع کر دیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔''

اسے ابو داوٗد نے روایت کیا اور البانی نے صحیح کہا ہے: (**مَنْ أَحَبَّ فِي اللهِ**) یعنی جس نے اللہ ہی کی رضا کے لیے محبت کی، (**وَأَبْغَضَ لِلهِ**) یعنی اس نے دشمنی کی اس سے جس سے اللہ کو دشمنی ہے، (**وَأَعْطَى لِلهِ**) اور اللہ ہی کے رضا کے لیے دیا، صدقہ کیا اور خرچ کیا، (**وَمَنَعَ لِلهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ**) اور اللہ ہی کی رضا کے لیے منع کر دیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**أَوْثَقُ عُرَى الْإِيمَانِ الْحُبُّ فِي اللهِ، وَالْبُغْضُ فِي اللهِ**'' ترجمہ: ''ایمان کا سب سے مضبوط کڑا اللہ کی خاطر محبت کرنا اور اللہ کی خاطر نفرت کرنا ہے۔''

جیسا کہ مسند احمد وغیرہ میں ہے جسے شیخ ناصر الدین البانی نے سلسلۃ الصحیحۃ میں قوی کہا ہے۔

*** یہ ولاء کیا ہے؟ اور یہ براء کیا ہے؟ اور اس کا ضابطہ کیا ہے؟**

*** ولاء :** حقیقت میں محبت کو کہتے ہیں جس میں چند امور شامل ہیں، اور یہ ولاء مشروع بھی ہے اور ممنوع بھی:

***مشروع :** اللہ کی محبت، ہر اس چیز اور شخص سے محبت جس سے اللہ محبت کرتا ہو۔

***ممنوع :** ہر اس چیز اور شخص سے محبت جس سے اللہ بغض کرتا ہو۔

براء : حقیقت میں بغض کو کہتے ہیں، جس میں چند اعمال شامل ہیں:

مثلاً مدد نہ کرنا، کیونکہ مدد نہ کرنے میں براء شامل ہے، اور ولاء محبت کی طرف میلان کو کہتے ہیں، اس میں بھی کچھ مشروع ہے اور ممنوع:

***مشروع :** ہر اس چیز اور شخص سے بغض کرنا جس سے اللہ بغض کرتا ہو۔

***ممنوع :** ہر اس چیز اور شخص سے بغض کرنا جس سے اللہ محبت کرتا ہو۔

✷ یہ ایک عظیم اصول ہے جسے ضبط کرنا ضروری ہے تاکہ ہم خطا میں نہ پڑیں جس طرح دیگر فرقے پڑ گئے:

*** اس بات کا پہلا ضابطہ یہ ہے:** ولاء اور براء دو شرعی اصول ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں دین پر قائم ہیں، چنانچہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان دونوں کو خواہشات اور آراء پر قائم کرے، اور یہ بھی جائز نہیں کہ ولاء اور براء کو اپنے سیاسی یا شخصی مقاصد کے حصول کے لئے وسیلہ بنائے، بلکہ یہ دونوں کا تعلق دین سے ہے چنانچہ دین کی روشنی ہی میں انہیں دیکھا جائے گا اور دونوں کے احکامات کو دین ہی سے لیا جائے گا اور عدم و وجود ہر دو اعتبار سے انہیں دین پر قائم کیا جائے گا۔

کافروں سے ولاء اور محبت حرام ہے اس پر بہت ساری دلیلیں ہیں، لیکن یہ محبت ایک درجے کی نہیں ہوتیں:

- کچھ سے ایمان میں کمی آتی ہے اور دین اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔
- کچھ سے ایمان میں کمی آتی ہے مگر دین اسلام سے خارج نہیں کرتا۔
- کچھ ایسے ہیں جو تحریم کے حکم سے خارج ہیں اس وجہ سے ان پر مواخذہ نہیں ہو سکتا۔

*** چنانچہ وہ محبت جس سے ایمان میں کمی ہوتی ہے:** وہ یہ ہے کہ کفار کے دین سے محبت کی جائے، تو یہ دین اسلام سے خارج کر دے گا، کیونکہ کفر سے محبت اسلام کے مخالف ہے، چنانچہ اگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں کافروں سے محبت

کرتا ہوں کیونکہ ان کے دین میں آزادی ہے کوئی قید نہیں، تو ہم کہیں گے کہ یہ کفر ہے جو دین اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔

* **وہ محبت جس سے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے مگر وہ ناقض ایمان نہیں:** کافر سے محبت گناہ کی وجہ سے ہو، اس لئے نہیں کہ وہ کافر ہے، بلکہ اس کے گناہ سے محبت کی وجہ سے، مثلاً کوئی کافر فنکار سے محبت کرتا ہے اس کے دین کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے فن کی وجہ سے جو کہ معصیت ہے، اور موجودہ دور میں یہ بہت ہوتا ہے، کتنے نوجوان ایسے کافر فنکاروں سے محبت کرتے ہیں ان کے فن کی وجہ سے، چنانچہ آپ پائیں گے بعض مسلم نوجوان کو یہ کہتے ہوئے: مجھے مائیکل جیکسن سے محبت ہے، بعض کہتے ہیں: مجھے میراڈونا سے محبت ہے، جبکہ یہ سب کفار ہیں، لیکن یہ نوجوان ان کے دین کو دیکھ کر محبت نہیں کرتے بلکہ ممکن ہے ان کے دین کا پتہ ہی نہ ہو ان نوجوانوں کو، بلکہ ان سے محبت کرتے ہیں ان کے گانے اور رقص کی وجہ سے، البتہ یہ محبت حرام ہے اور اس سے ایمان میں کمی آتی ہے۔

یہ محبت حرام ہے اس پر علماء کا اتفاق ہے دو وجہوں سے:

* **پہلی وجہ:** اس لئے کہ وہ کافر سے محبت ہے۔

* **دوسری وجہ:** اس لئے کہ وہ ایک معصیت کی وجہ سے محبت ہے۔

یہ محبت اس وقت بھی جائز نہیں اگر وہ ایک مسلمان سے بھی ہو اس معصیت کی وجہ سے، مثلاً کوئی آکر کہے کہ مجھے سعودی گلوکار محمد عبدہ سے محبت ہے اس لئے کہ ایک بہترین گلوکار ہے، تو یہ محبت بھی حرام ہے، کیونکہ کسی معصیت کی وجہ سے کسی سے محبت جائز نہیں ہے۔

* **اسی طرح کافر سے محبت جس سے ایمان میں کمی آتی ہے مگر وہ ناقض ایمان نہیں، میں یہ بھی ہے کہ:** کسی کافر سے محبت کسی دنیوی مصلحت کی خاطر کرے، مثلاً کسی کافر سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ تجارت میں اس کا ساجھی دار ہے، اس کی وجہ سے اسے نفع ہوتا ہے اس لئے وہ اس سے محبت کرتا ہے، یہ حرام اور معصیت ہے۔

اس کی مثال حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے مشرکین مکہ کو خط لکھا تھا جس میں انہیں خبر دی تھی کہ نبی اکرم ﷺ مکہ پر حملہ کرنے والے ہیں، یہ بھی محبت اور ولاء کی ایک قسم ہے، مگر انہیں اس چیز پر کس نے ابھارا؟ یہ حدیث سے ظاہر ہے، نبی اکرم ﷺ نے علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو اس خط کو لے جانے والی عورت کو پکڑنے کے لئے بھیجا اور کہا: "انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً مَعَهَا كِتَابٌ

فَخُذُوهُ مِنْهَا'' ترجمہ: ''تم لوگ جاؤ یہاں تک کہ روضہ خاخ پہنچو، وہاں ایک عورت کجاوہ میں بیٹھی ہوئی اونٹ پر سوار ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے تم اس سے اسے چھین لینا۔'' روضہ خاخ مکہ کے راستے پر ایک جگہ کا نام ہے۔ بہر حال وہ لوگ گئے اور وہاں پہنچ کر اس عورت کو دیکھا اور کہا: خط لاؤ، اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ میں نے کہا: خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ خط تمہارے پاس ہی ہے، کیونکہ ہمیں نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے، اب تمہیں دو چیزوں کا اختیار ہے: یا تم خط کو خود سے نکال دو یا ہم تمہیں ننگا کر کے خط نکالیں گے۔

چنانچہ اس نے خط کو چوٹی سے نکالا، اور اسے لے کر ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، وہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کچھ مشرکوں کے نام تھا، وہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے بعض امور سے آگاہ کر رہے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا: ''حاطب یہ کیا ہے؟'' آپ کو حقیقت میں معلوم تھا کہ کیا ہے، لیکن اس کی وجہ پوچھ رہے تھے، پتہ چلا کہ مجرد اس کام کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہوگا، بلکہ اس کی وجہ دیکھی جائے گی، کیونکہ اگر مجرد وہ عمل کفر ہوتا تو پھر آگے سوال نہ کرتے اور تفصیل نہ پوچھتے۔

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! میرے سلسلے میں جلدی نہ کیجئے، میں تو ایسا شخص ہوں، جو قریش میں آ کر شامل ہوا ہوں یعنی ان کا حلیف ہوں، خاص ان میں سے نہیں ہوں، اور جو لوگ قریش کی قوم سے ہیں وہاں ان کے قرابت دار ہیں، مشرکین اس قرابت کے سبب مکہ میں ان کے مال اور عیال کی نگہبانی کرتے ہیں، چونکہ میری ان سے قرابت نہیں تھی، میں نے چاہا کہ میں ان کے حق میں کوئی ایسا کام کر دوں جس کے سبب مشرکین مکہ میرے اہل وعیال کی نگہبانی کریں، قسم اللہ کی! میں نے یہ کام نہ کفر کے سبب کیا اور نہ ہی ارتداد کے سبب۔

یعنی یہ کام میں نے دنیوی مصلحت کی وجہ سے کیا ہے تاکہ میرا بھی ان کے پاس احسان ہو جائے، اگر آپ کو غلبہ مل گیا تو بہتر ہے، لیکن اگر غلبہ نہیں ملا تو وہ میرے اہل وعیال کی اسی وجہ سے حفاظت کریں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا'' یعنی نہ ہی کفر ہے اور نہ ہی ارتداد، پتہ چلا کہ اگر کافر کی مدد دنیوی مصلحت کی وجہ سے ہو تو یہ نہ ہی کفر ہوگا اور نہ ارتداد بلکہ ایک معصیت ہوگی۔

اس پر عمر رضی اللہ عنہ بولے: مجھے چھوڑ دیجئے، میں اس منافق کی گردن مار دوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یا عمر إنه قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ

فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ ''ترجمہ: ''عمر! یہ جنگ بدر میں شریک رہے ہیں، اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ نے اہل بدر کو جھانک کر نظر رحمت سے دیکھا، اور فرمایا: تم جو چاہو کرو میں تمہیں معاف کر چکا ہوں۔''

یہ قصہ صحیحین میں موجود ہے۔

یہاں حاطب رضی اللہ عنہ نے قریش کو خط لکھا دنیوی مصلحت کی وجہ سے، اور یہ معصیت ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ ''ترجمہ: ''اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ نے اہل بدر کو جھانک کر نظر رحمت سے دیکھا، اور فرمایا: تم جو چاہو کرو میں تمہیں معاف کر چکا ہوں۔''

چنانچہ یہ ایک گناہ ہے جو بخشش کا محتاج ہے، اور یہ حرام ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر سے کسی دنیوی مصلحت کی بنا پر محبت کرے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر سے کسی مباح چیز کی وجہ سے محبت کرے، نہ دین کی خاطر اور نہ ہی کسی معصیت کی وجہ سے اور نہ ہی کسی دنیوی مصلحت کی خاطر بلکہ ایک امر مباح کی وجہ سے: مثلاً فٹبال کی وجہ سے جو کہ اصلاً مباح ہے، اب ایک مسلمان کسی کافر سے محبت کرتا ہے کہ وہ فٹبال اچھا کھیلتا ہے اور کہتا ہے: میں میسی سے محبت کرتا ہوں، میں رونالڈو سے محبت کرتا ہوں، یہ اس کی محبت نہ تو دین کی وجہ سے کرتا ہے، نہ ہی کسی معصیت کی وجہ سے اور نہ کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے بلکہ ایک امر مباح کی وجہ سے کہ وہ اچھا کھیلتا ہے، اسی طرح بعض نوجوان کھیل کے کچھ انجمنوں سے محبت کرتے ہیں، مثلاً کوئی کہتا ہے کہ مجھے ریال مدرید سے محبت ہے، کوئی کہتا ہے مجھے برشلونہ سے محبت ہے، اور اس سلسلے میں آپس میں جھگڑا بھی کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے: یہ اچھا ہے، اور کوئی کہتا ہے یہ اچھا ہے، یہ ایک کافر سے محبت ہے ایک امر مباح کی وجہ سے۔

میرے نزدیک بظاہر یہ بھی حرام ہوگا جیسا کہ اہل علم کے کلام سے واضح ہے، کیونکہ یہاں بھی مسئلہ کھیلنے والے سے محبت کا ہے نہ کہ کھیل سے، ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے میسی سے محبت ہے نہ کہ کھیل سے، کیونکہ یہ اس کے دین سے محبت کا ذریعہ اور سبب بن سکتا ہے، بلکہ ان امور کا ارتکاب کر سکتا ہے جو سب وہ کھیلنے والا کرتا ہے جس سے اس کو محبت ہے۔

یہ ساری قسمیں حرام ہیں البتہ حرمت میں درجات ہیں:

* ان میں سب سے خطرناک درجہ کافر سے اس کے دین کی وجہ سے محبت کرنا ہے، یہ اسلام کے مخالف ہے جو

دین سے خارج کر دیتا ہے۔

* پھر حرمت میں اس سے نیچے کا درجہ ہے' یعنی کافر سے محبت کسی معصیت کی وجہ سے، اور افسوس کہ یہ صورت بھی مسلمان نوجوانوں میں بہت ہے، سوشل میڈیا میں آپ اکثر لوگوں کو اسی قسم کے لوگوں کا فالور پائیں گے، اگر کوئی گلوکار ان کے یہاں آجائے تو لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں، جبکہ اگر کسی بڑے عالم دین کی آمد ہو' تو سینکڑوں میں بھی نہیں پہنچتے۔

* پھر اس کے نیچے درجہ ہے کافر سے محبت کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے کرنا۔

* پھر حرمت میں اس سے نیچے درجہ ہے کہ کافر سے محبت کرنا کسی امر مباح کی وجہ سے۔

اب ایک چیز اور رہ گئی ہے جس کا بندہ مکلف نہیں ہے، جو نہ قابل مذمت ہے اور نہ قابل تعریف: وہ فطری محبت ہے جس پر انسان کا کنٹرول نہیں، اس پر انسان کا مواخذہ بھی نہیں بشرطیکہ دینی اعتبار سے اس کافر سے بغض ہو، اس کی مثال: ایک لڑکا اپنے کافر باپ سے محبت کرے یا کافر ماں سے محبت کرے، اس پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں، کیونکہ یہ اس کے ہاتھ میں نہیں ہے، ارشار باری ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا ٱكْتَسَبَتْ ۗ﴾ [البقرة:٢٨٦] ترجمہ: ''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق، اسی کے لیے ہے جو اس نے (نیکی) کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے (گناہ) کمایا۔'' یہ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس کی استطاعت سے باہر ہے۔

اسی لئے جب طوفان نوح آیا اور لوگ ڈوبنے لگے، کشتی میں ایمان لانے والے تھے، نوح علیہ السلام نے ڈوبنے والوں میں سے کسی کو نہیں پکارا سوائے اپنے بیٹے کے کہا: ﴿يَٰبُنَيَّ ٱرْكَب مَّعَنَا﴾ [هود:٤٢] ترجمہ: ''اے میرے چھوٹے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔'' یہ ایک فطری محبت تھی جو باقی رہ گئی تھی یہاں تک کہ اللہ نے اس سے منع کر دیا یعنی اس بات سے کہ اس کے حق میں دعا کریں۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ماں کے قبر کی زیارت کرنا چاہی، اجازت مانگی تو اجازت دے دی گئی، اور ان کے لئے استغفار کی اجازت مانگی تو اجازت نہیں ملی، آپ رونے لگے اور دوسروں کو بھی رلا دیا، زیارت قبر کی اجازت ملی کیونکہ ساری قبریں برابر ہوتی ہیں، مگر استغفار کی اجازت نہیں دی گئی۔

علماء نے کہا: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مومنہ نہیں تھیں، اس لئے کہ استغفار سے ممانعت کافر کے حق میں ہے،

کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسی کوئی دلیل نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ماں کافرہ تھیں، جبکہ والد کے حق میں حدیث وارد ہے: ''إنَّ أبي وأباك في النّارِ''یعنی میرے اور تمہارے والد دونوں دوزخ میں ہیں۔اور یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے، ہم یہاں پر کہیں گے کہ یہ ان اصلی مسائل میں سے نہیں ہیں جن پر ہم تفصیلی گفتگو کریں۔

*محل شاہد: نبی اکرم ﷺ کا اپنی ماں سے تعلق ایک بیٹے کا تھا، اور انسان اپنے دل پر کنٹرول نہیں رکھتا، اسی لئے آپ ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان عدل کرتے ہوئے فرماتے: ''اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ قِسْمَتِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ''ترجمہ: ''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس پر میں قدرت رکھتا ہوں، لیکن جس کی قدرت تو رکھتا ہے، میں نہیں رکھتا، اس کے بارے میں مجھے ملامت نہ کرنا۔''

✷ **اور اسی قسم میں یہ بھی آئے گا:** ایک مسلمان کا اپنی کتابیہ بیوی سے محبت کرنا، یہ معروف ہے کہ میاں بیوی کی محبت قلبی ہوتی ہے، اور شادی کرنا ہی محبت کا نتیجہ ہوتا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ [روم:۲۱] ترجمہ: ''اور اس نے تمہارے درمیان دوستی اور مہربانی رکھ دی۔''

اور جب اللہ نے ایک کتابیہ سے شادی کرنے کی اجازت دے رکھی ہے تو یہ محال ہے کہ اس سے محبت کرنے سے روک دے، کیونکہ بلا آپسی محبت کے ایک ساتھ زندگی گزارنا ممکن نہیں، چنانچہ یہ ایک فطری امر ہے جس پر مواخذہ نہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی واجب ہے کہ وہ اس سے اس کے دین کی وجہ سے بغض رکھے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

✷ **اور اسی باب کی شکل میں یہ بھی آئے گا:** کافر سے محبت کرنا اس کے کسی اچھے کام کی وجہ سے، یہ محبت بھی قلبی ہوتی ہے جو اچانک بلا ارادہ پیدا ہوتی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص کا باپ سخت بیمار ہوا، اطباء نے کہا: ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں، اس وقت ایک کافر طبیب آیا اور اس کا آپریشن کرکے اسے ٹھیک کردیا، اب اس شخص سے قلبی محبت ہوجائے گی جو بلا ارادہ ہوگی، اس پر بھی انسان کا مواخذہ نہیں، البتہ یہاں بھی واجب ہے کہ اس کے دین کی وجہ سے اس سے بغض رکھے۔

اور اس سلسلے میں علماء بیان کرتے ہیں ابوطالب کی وفات کا واقعہ کہ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو نبی اکرم ﷺ ان کے پاس آئے اور کہا: ''أَيْ عَمِّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ''ترجمہ: ''چچا! کلمہ لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ کہہ دو، اللہ کی بارگاہ میں (آپ کی بخشش کے لیے) ایک یہی دلیل میرے ہاتھ آجائے گی۔''

لیکن ابو طالب نے اپنے کافر ہم نشینوں کی بات پر عمل کیا اور کلمہ نہیں پڑھا، اس پر نبی اکرم ﷺ بہت غمگین ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ [قصص: ٥٦] ترجمہ: ”بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔“

(مَنْ أَحْبَبْتَ) اس کی تفسیر میں دو قول ہے:

* **پہلا قول:** بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

* **دوسرا قول:** بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے یہ دوستی ہدایت کی ہوگی، اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

اور میرے نزدیک پہلا معنیٰ زیادہ قوی ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ چاہتے تھے کہ تمام کفار ہدایت پا جائیں صرف چچا ہی نہیں، لیکن چچا کے لئے ان کے احسان کی وجہ سے بھی چاہتے تھے، جنہوں نے بچپن میں آپ کی تربیت کی تھی اور بڑا ہونے پر آپ کا ساتھ دیا جس وقت قریش نے شعب ابی طالب میں محصور کیا تھا، چنانچہ یہ ایک فطری محبت ہے جس پر انسان کا مواخذہ نہیں۔

اس اصول سے فارغ ہونے سے پہلے ایک چیز کی تنبیہ ضروری ہے: وہ یہ کہ ولاء الگ چیز ہے اور اس کا اظہار کرنا الگ، چنانچہ کسی کافر سے زبانی محبت کا اظہار کرنا شرعی ضرورت کے وقت ساتھ ہی دل میں بغض ہو یہ شرعاً ممنوع نہیں ہے، یعنی ایک انسان کافر ملک میں رہتا ہے اور ان سے دشمنی کا اظہار نہیں کرسکتا، خاص طور پر موجودہ دور میں، اس لئے کہ کسی وجہ سے اسے زبانی ولاء کا اظہار کرنا پڑتا ہے، مثلاً کہتا ہے: مجھے اپنے ملک کے باشندوں سے محبت ہے، جبکہ دل میں کافروں سے بغض رکھتا ہے، تو یہ اس ولاء میں داخل نہیں ہوگا جو ممنوع ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ [آل عمران: ٢٨] ترجمہ: ”ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو کسی طرح بچنا۔“

یہاں اللہ عزوجل نے کافروں سے موالات اور محبت کو حرام کر دیا ہے مگر اس سے بچنے کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اللہ نے مومنوں کو منع کر دیا ہے کہ وہ کافروں سے محبت کریں یا مومنوں کو چھوڑ کر انہیں ساتھی بنائیں، الا یہ کہ کافر ان پر غالب ہوں، تو ایسی صورت میں ان کے لئے محبت کا اظہار کر سکتے ہیں البتہ

دین میں مخالفت کریں گے۔'' یعنی محبت کا اظہار کریں گے ان کے شر سے بچنے کے لئے، اور دین میں محافظت کریں دلوں کے اندر۔

ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے: ''اور اللہ نے محبت کرنے سے منع کیا ہے یہ ان کے دین میں ہے، چنانچہ اگر کوئی دینی اعتبار سے محبت کرے گا اور مسلمانوں کے راز نہیں بتائے گا تو وہ مشرک ہوجائے گا، اللہ نے اس سے برأت کا اظہار کیا ہے الا یہ کہ وہ ان چیزوں سے بچتا ہو۔''

ابن کثیر نے کہا: ﴿ إِلَّآ أَن تَتَّقُواْ مِنۡهُمۡ تُقَىٰةً ﴾ سے مراد یہ ہے کہ بعض ملکوں میں یا بعض اوقات میں ان کے شر سے بچنے کے لئے جو ایسا کرتا ہو تو جائز ہے کہ وہ بظاہر ایسا کرے البتہ باطن اور نیت میں نہیں۔

* **ولاء اور براء کا دوسرا ضابطہ:** ولاء کامل صرف مخلص مومنوں کے لئے ہوگا، ولاء کامل سے مراد کامل محبت جس میں بغض نہ ہو، اور یہ خالص مومنوں کے ساتھ ہوگا جس میں سب سے پہلے انبیاء پھر رسول کے صحابہ آئیں گے، انہیں صحابہ میں آل رسول بھی شامل ہیں، جن میں سب سے پہلے خلفاء اربعہ آئیں گے، ابو بکر، عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم، ان سب سے خالص محبت کی جائے گی، یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

* **اس باب سے متعلق تیسرا ضابطہ:** کامل برأت کفار سے ہوگی، کامل برأت سے مراد ایسا بغض جس میں محبت کا شائبہ نہ ہو، اور یہ برأت کافر سے ہوگی، چنانچہ ایک مومن کفار سے مطلق بغض رکھے گا اور ان سے محبت نہیں کرے گا، اسی تفصیل کی روشنی میں جیسا ہم نے بیان کیا۔

* **اس باب سے متعلق چوتھا ضابطہ:** ولاء اور براء دونوں ایک گنہگار مومن میں اکٹھا ہوجاتا ہے، یعنی وہ مومن جو گناہ کرے، وہ چاہے بدعت غیر مکفرہ ہو یا گناہ کبیرہ ہو، اس تعلق سے اہل سنت والجماعت کا یہی قاعدہ ہے کہ جس کے اندر ایمان ہے اس کے لئے محبت ثابت ہوگی، چنانچہ جو اسلام میں داخل ہوگیا اس سے محبت ہوگی:

-اب اگر وہ خالص مومن ہے جیسا کہ اوپر گزرا تو اس کے لئے کامل محبت ہوگی۔

-اور اگر گنہگار مومن ہے تو اس سے محبت اور بغض دونوں کی جائے گی۔ محبت اس کے ایمان کی وجہ سے اور بغض اس کی معصیت کی وجہ سے۔

اور کبھی یہ مختلف ہوتا ہے، محبت کا سبب زیادہ ہوتا ہے، اور بغض کا تھوڑا، اور کبھی برعکس ہوسکتا ہے، یعنی اس کے ایمان کی وجہ سے محبت کرے گا اور معصیت کی وجہ سے بغض کرے گا، اور اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ

ایک شخص کے اندر ایمان اور بغض دونوں جمع ہوسکتا ہے۔

ساتھیو! کوئی بھی مومن گرچہ وہ بدعتی ہو، ہم سے بغض رکھتا ہو، ہمارے خلاف بولتا ہو، سنت پر کلام کرتا ہو، اور بدعتوں کا ارتکاب کرتا ہو، اسے ہم کافر نہیں کہیں گے، اس کے ایمان کی وجہ سے ہم اس سے محبت کریں گے ایک پہلو سے، اور اس سے بغض رکھیں گے اس کی معصیت کی وجہ سے، لیکن اہل بدعت کے لئے بغض ہی کا اظہار کریں گے نہ کہ محبت کا۔

اسی طرح جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں جیسے سود خوری، اور اس پر اصرار بھی کرتے ہیں، زنا کاری، شراب خوری اور اس پر اصرار بھی کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں سے ہم بغض کا اظہار کریں گے نہ کہ محبت کا، تاکہ یہ ان کے لئے پھٹکار کا سبب بنے اور وہ ان گناہوں سے باز آجائیں۔

ایک چیز سے دوسری چیز یاد آجاتی ہے: ان کا جنازہ پڑھنا اور ان کے لئے استغفار کرنا اعلانیہ طور پر، تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایسے لوگوں کے لئے علانیہ طور پر استغفار نہیں کیا جائے گا ان کی بدعت کی وجہ سے، لیکن ان کے لئے استغفار منع بھی نہیں ہے گرچہ وہ بدعتی ہے، بس لوگوں کے سامنے نہیں کرے گا، کیونکہ اس کے گناہ عوام کے دلوں میں ہلکے ہوجائیں گے اور وہ بھی اس کے ارتکاب پر جری ہوجائیں گے۔

* **اسی طرح ان پر جنازہ پڑھنا:** چنانچہ اہل سنت والجماعت ایک بدعتی پر جنازہ پڑھنے سے منع نہیں کرتے، اسی طرح ایک زانی اور چور پر بھی جنازہ پڑھنے سے منع نہیں کرتے، بلکہ کہتے ہیں کہ اہل علم وفضل ان پر جنازہ نہ پڑھیں، بلکہ عوام پڑھ لے تاکہ اس بدعت اور گناہ کبیرہ کی شناعت کا پتہ چلے اور لوگوں کو عبرت ملے۔

اسی کی اصل ہمیں سنت میں ملتی ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی ایسا آدمی لایا جاتا جنازہ کے لئے جس پر قرض ہوتا جبکہ یہ کوئی معصیت نہیں ہے، تو آپ فرماتے: ''**صلوا على صاحبكم**'' ترجمہ: ''تم لوگ اپنے اس ساتھی پر جنازہ پڑھ لو۔'' پھر ایک بدعتی اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کا کیا حال ہوگا؟ یہ زیادہ اس لائق ہوں گے کہ اہل علم وفضل ان پر جنازہ نہ پڑھیں، یہ بہت اہم مسئلہ ہے، کہ اہل بدعت اور گناہ کبیرہ کے مرتکب سے بظاہر بغض ہی کیا جائے گا، الا یہ کہ کوئی مصلحت یا ضرورت ہو، البتہ دل میں مطلق بغض نہیں رکھا جائے گا۔

* **اس باب سے متعلق پانچواں ضابطہ:** دنیوی معاملات براء کے لئے قادح نہیں ہیں، دنیوی معاملات سے مراد بیع وشراء وغیرہ کرنا ہے، یعنی ان معاملات کا ولاء اور براء سے کوئی تعلق نہیں، یہ ساری چیزیں انسانی مصلحتوں پر قائم ہیں، اس لئے ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کافر سے بیع وشراء کرے، کافر سے قرض لے، اسی طرح ایک مسلم

ملک کے لئے جائز ہے کہ وہ کافر ملکوں سے خرید وفروخت کرے، اور ان کے ساتھ دنیوی معاہدات کرے، بلکہ مسلمان کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ کافر سے ہدیہ قبول کرے، اور اسے ہدیہ کرے، لیکن یہاں پر قلبی جذبات پر قابو رکھے، کیونکہ ہدیہ دلوں کی چابی ہے۔

*** اس کی دلیل:** نبی اکرم ﷺ کفار سے معاملات کرتے تھے، آپ کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن میں رکھا ہوتا تھا، تیس صاع جَو کے عوض جسے آپ نے اس یہودی سے ادھار لے رکھا تھا۔

*** وجہ استدلال:** آپ ﷺ کافروں کے ساتھ معاملات کرتے تھے۔

اور جب مدینہ ہجرت کر آئے، آپ ﷺ کو زمزم کا پانی پسند تھا، چنانچہ آپ ﷺ سہیل بن عمرو کے پاس اطلاع دیتے تو وہ آپ کو زمزم کا پانی ہدیہ کرتا، اس طرح آپ ﷺ ایک مشرک کا ہدیہ قبول فرماتے تھے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک مشرک سے ایک بکری خریدی تھی۔ اور آپ یہودیوں کے ہدایا قبول کرتے تھے، آپ لوگوں کو پتہ ہوگا کہ کس طرح ایک یہودیہ عورت نے آپ ﷺ کو ایک بکری ہدیہ کیا جس کے اندر زہر ملا ہوا تھا۔

اس طرح کے دنیوی معاملات میں صحابہ کرام کو بخوبی علم تھا۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بکری ذبح کرتے تو لوگوں پر صدقہ کرتے، جب گھر کے اندر آتے تو پوچھتے کہ کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ کیا؟ اور خاص کر جب ایسے ہدایا سے مقصود اسلام کا اخلاق عام کرنا ہو، جس سے کہ وہ متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیں۔

سعودی عرب کی دائمہ کمیٹی نے فتویٰ دیا ہے کہ مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے کافر پڑوسی کی زیارت کرے بشرطیکہ اس کے دین سے محبت نہ ہو، اور منکرات کا ارتکاب نہ کرے، یعنی زیارت کرے تو عورتوں کے ساتھ نہ بیٹھے، ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب ہو۔

اب ہم اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے اس دوسرے اصول کی طرف آتے ہیں جن دونوں اصولوں کو اس مجلس میں ذکر کریں گے، ویسے اصول بہت ہیں، لیکن آج انہیں دو اصولوں پر اکتفاء کریں گے:

*** پہلا اصول:** ولاء اور براء کے بارے میں۔

*** دوسرا اصول:** خون کی عظمت کے بارے میں۔

تمام انبیاء کا اتفاق ہے کہ خون کی حرمت اور اس کی حفاظت ضروریات دین میں سے ہے، اور جو بھی خون معصوم

ہے ایمان یا امان کی بنیاد پر اس کی حفاظت واجب ہے۔

* ارشاد باری ہے: ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ [نساء: ۹۳] ترجمہ: ”اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غصے ہو گیا اور اس نے اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے۔“

* ارشاد نبوی ہے: ”لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ، مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا“ ترجمہ: ”مومن اس وقت تک اپنے دین کے بارے میں برابر کشادہ رہتا ہے (اسے ہر وقت مغفرت کی امید رہتی ہے) جب تک ناحق خون نہ کرے۔“ یہاں ناحق خون کیا تو مغفرت کا دروازہ تنگ ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے اندر ہے۔

* اور ایک دوسری حدیث میں ہے: ”لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ“ ترجمہ: ”برابر مومن ہلکا پھلکا اور صالح رہتا ہے، جب تک وہ ناحق خون نہ کرے، اور جب وہ ناحق کسی کو قتل کر دیتا ہے تو تھک جاتا اور عاجز ہو جاتا ہے۔“ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

(مُعْنِقًا) بظاہر اس کا معنیٰ لمبی گردن والا ہے، مقصود یہ ہے کہ وہ نیک عمل کرتا رہتا ہے گرچہ اس کے پاس معاصی ہوتے ہیں، اس سے خیر کی امید باقی رہتی ہے، کہ وہ توبہ کرے گا۔ (مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ) جب تک خیر منقطع نہ ہو جائے، اور اس حدیث کے اندر خون کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

* ارشاد نبوی ہے: ”لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ“ ترجمہ: ”دنیا کی بربادی اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل ہونے سے کہیں زیادہ کمتر و آسان ہے۔“ امام ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

* اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ حرام خون کبھی کبھی ایک مسلمان اور جنت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے: ”وَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يُحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ بِمِلْءِ كَفِّهِ مِنْ دَمٍ أَهْرَاقَهُ فَلْيَفْعَلْ“ ترجمہ: ”اور جو کوئی طاقت رکھتا ہو وہ چلو بھر لہو بہا کر (یعنی ناحق خون کر کے) اپنے آپ کو بہشت میں جانے سے روکے۔“

خون کی عظمت پر دلیلیں بہت ہیں، اور اہل سنت والجماعت سنت کی تعظیم اور اس کے تھامنے کی وجہ سے خون کی عظمت کو مانتے ہیں۔

اسی اصول سے مزید بھی اصول نکلتے ہیں جن کی وضاحت کریں گے:

* **پہلا اصول:** خون کی عظمت اہل ایمان کی وجہ سے ہوگی، چنانچہ جس کا اسلام ثابت ہوگا اس کے لئے عصمت حاصل ہوگی، اس کا قتل جائز نہیں ہوگا مگر اسی حق کے ذریعے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان کیا ہے، اور اگر کوئی مرتد ہوجائے تو اسے عوام میں سے کوئی قتل نہیں کرسکتا۔

یعنی کوئی اپنے پڑوسی کو دیکھے کہ وہ اللہ کو، قرآن کو یا نبی ﷺ کو گالی دے رہا ہے، اس کے لئے یہ نہیں جائز ہے کہ ریوالر اٹھا کر لائے اور اس کو گولی مار دے اور کہے کہ اس نے ایسا کام کیا جس نے قتل کو واجب کر دیا تھا، کیونکہ یہ کام حاکم کا ہے، عام انسان کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں، اور ایک مسلمان کا قتل بہت بڑی چیز ہے، یہاں تک کہ مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: **''أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا ، فَضَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا، ثُمَّ لَاذَ مِنِّي بِشَجَرَةٍ''** ترجمہ: ''اگر کسی موقع پر میری کسی کافر سے ٹکر ہوجائے اور ہم دونوں ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش میں لگ جائیں اور وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار مار کر اسے کاٹ ڈالے، پھر وہ مجھ سے بھاگ کر ایک درخت کی پناہ لے لے۔''

بھائیو! یہ جنگ کا میدان ہے، ایک مسلمان کافر سے جنگ کر رہا ہے، کافر نے مسلمان کے بائیں ہاتھ کو کاٹ دیا ہے، پھر ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا اور کہنے لگا: میں اسلام لے آیا، عرض کرتے ہیں: تو کیا یا رسول اللہ! اس کے اس اقرار کے بعد پھر بھی میں اسے قتل کر دوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم اسے قتل نہ کرنا۔ یعنی اگر وہ اسلام لے آیا ہے تو اس وقت بھی قتل نہیں کرنا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ پہلے میرا ایک ہاتھ بھی کاٹ چکا ہے؟ اور یہ اقرار میرے ہاتھ کاٹنے کے بعد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے پھر بھی یہی فرمایا: **''لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ''** ترجمہ: ''اسے قتل نہ کرنا، کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر ڈالا تو اسے قتل کرنے سے پہلے جو تمہارا مقام تھا اب اس کا وہ مقام ہوگا اور تمہارا مقام وہ ہوگا جو اس کا مقام اس وقت تھا جب اس نے اس کلمہ کا اقرار نہیں کیا تھا۔''

کیونکہ وہ مسلمان ہوگیا، اور اگر تم مارو گے تو یہ گناہ عظیم ہوگا، مقصود یہ ہے کہ اس قتل سے کافر نہیں ہوگے، بلکہ یہ گناہ

عظیم ہوگا، اور حدیث صحیحین میں موجود ہے۔

*** اس اصول کو منضبط کرنے والا دوسرا ضابطہ اور دوسرا اصول:** خون کی حفاظت کے ساتھ معاہدہ اور امان کے ذریعے بھی ہوگی، اس لئے ہر کافر کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، کافر بھی معصوم الدم ہوسکتا ہے، اگر وہ معاہد ہو یا ذمی ہو یا امان والا ہو۔

*** معاہد:** یعنی اس کے ہاتھ معاہدہ ہو اور اسی معاہدے کے ساتھ داخل ہوا ہو، اور آج کل اس معاہدے کی شکل ویزا ہے، اگر آپ نے کسی کافر کو ویزا دے دیا یا بغیر ویزے کے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے دی تو اسے معاہد کہا جائے گا۔

*** ذمّی کافر:** وہ یہود و نصاریٰ جو مسلمانوں کے بیچ میں رہتے ہیں۔

*** امان دئے ہوئے کافر:** یہ امان اگر کسی کافر کو مل جائے حکومت کی طرف سے یا کسی بھی مسلمان کی طرف سے تو اسے عصمت دم حاصل ہو جائے گی۔

بلکہ فقہاء نے عدالت اسلام میں سے یہ ذکر کیا ہے کہ: اگر ایک کافر امان کو نہ بھی سمجھ پائے تو اس کے ساتھ عصمت حاصل ہوگی یہاں تک وہ امان واپس کر دے، ابن قدامہ نے اس سلسلے میں ایک عجیب چیز کا تذکرہ کیا ہے، کہتے ہیں: ''اگر ایک مسلمان صف (میدان جنگ کے اندر) میں ہوتے ہوئے کوئی اشارہ کرے جس سے کافر امان سمجھ بیٹھے۔'' مثلاً وہ سفید عمامہ پہن لے، اور کافر اسے دیکھ کر امان سمجھ لے، اور پاس میں آجائے، تو اسے جب پکڑا جائے تو کہے: اس نے مجھے امان دینے کا اشارہ کیا ہے، میں کہوں گا: نہیں، میں اپنے عمامے سے گرد و غبار جھاڑ رہا تھا، ابن قدامہ کہتے ہیں: ''ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ اسے اس کی محفوظ جگہ تک پہنچا دیں۔''

بھائیو! دیکھیں یہ میدان جنگ کا حال ہے کہ ایک کافر نے غلط سمجھا جس کی وجہ سے اس کے خون کو حلال نہیں کیا گیا۔

اور اسی میں اس کے برعکس بھی شامل ہوگا: ہم نے ان سے معاہدہ کرلیا ہے مثلاً ایک مسلمان کسی کافر ملک کا ویزا لے کر اس کے ملک میں جاتا ہے، اب اس عہد و پیمان کا پورا کرنا واجب ہوگا، ان کے ملک میں انہیں کوئی تکلیف نہیں دے سکتے۔

* ارشاد نبوی ہے: ''مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ'' ترجمہ: ''جس نے کسی ذمی کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔'' اس میں ہر کافر شامل ہوگا جسے مسلمانوں کی طرف سے امان دیا گیا ہوگا کسی بھی وجہ سے، وہ طبیب ہوگا، سفیر ہوگا، سیاح ہوگا، کچھ بھی ہوسکتا ہے، اب اسے جو بھی قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

مزید ارشاد باری ہے: ''مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ'' ترجمہ: ''جو کسی ذمی کو قتل کردے گا اسے جنت کی خوشبو تک نہیں ملے گی۔'' اسے امام احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

مزید ارشاد نبوی ہے: ''مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدَةً بِغَيْرِ حِلِّهَا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ أَنْ يَشُمَّ رِيحَهَا'' ترجمہ: ''جس نے کسی ذمی کی جان لی جب کہ اس کا خون جائز نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کی خوشبو حرام کردی ہے۔''

''مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدَةً بِغَيْرِ حِلِّهَا'' یہ بالکل ایک مسلمان کو قتل کرنے جیسا ہے کہ اسے ناحق قتل کرنا جائز نہیں، اسی طرح ایک معاہد کافر کو بھی ناحق قتل کرنا جائز نہیں۔ اور حدیث کو امام احمد، نسائی نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

بلکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ أَمِنَ رَجُلًا عَلَى دَمِهِ فَقَتَلَهُ، فَإِنَّهُ يَحْمِلُ لِوَاءَ غَدْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' ترجمہ: ''جس نے کسی کو جان کی امان دی، پھر اس کو قتل کر دیا تو قیامت کے دن دغا بازی کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوگا۔'' اس حدیث کو امام احمد، ابن ماجہ، نسائی نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

بلکہ نبی اکرم ﷺ نے مزید کہا: ''أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' ترجمہ: ''سنو! جس نے کسی ذمی پر ظلم کیا یا اس کا کوئی حق چھینا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا یا اس کی کوئی چیز بغیر اس کی مرضی کے لے لی، تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے "وکیل" ہوں گا۔'' اسے ابو داؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

اور معاہد میں ہر وہ کافر شامل ہے جسے امان دیا گیا ہو۔

یہ بعض مسائل تھے جن کا تعلق اہل سنت والجماعت اور سلف صالح کے اصولوں سے تھا، انہیں ہم نے بیان کیا تاکہ انہیں جانا جائے، سمجھا جائے اور ان پر عمل کیا جائے، ان کی طرف دعوت دی جائے، اور اس راہ میں آنے والی مصیبتوں پر صبر کیا جائے، دعا ہے کہ اللہ عزّوجل ہمیں دین کی سمجھ عطا کرے، ہمیں علم نافع سے نوازے، اور ہم سب کو امت کے لئے باعث رحمت بنائے، واللہ أعلم وصلى الله على نبينا وسلم۔

حصہ دوم

وہ شخصیات جنہوں نے اسلام کے مفہوم ومنہج کو بدل ڈالا:

’’سید ابوالاعلیٰ مودودی‘‘

الحمدُ للهِ ربِّ العالمَين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتَمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

فاضل ساتھیو! اس علمی دورے کے اندر جمعرات کی مجالس کی چوتھی مجلس میں آپ کا استقبال ہے، اللہ اسے مبارک بنائے، یہ موضوع بہت ہی پُر خطر ہے مگر اس کی بڑی اہمیت بھی ہے، اُن شخصیات سے متعلق گفتگو جنہوں نے اسلام کو بدنام کیا بایں طور کہ اس کی طرف ایسی چیزوں کو منسوب کیا جو اس کا حصہ نہیں ہیں، اور انہیں شخصیتوں کو عالم اسلامی کے لئے آئیڈیل بنا کر پیش کیا گیا جبکہ ان کے افکار وخیالات حق کے مخالف ہیں، بلکہ اہل سنت والجماعت کے بالکل موافق نہیں ہیں۔

آج کی گفتگو سید ابوالاعلیٰ مودودی پر ہوگی پھر اس کے بعد سید قطب پر کلام کیا جائے گا، کیونکہ مودودی ہی سید قطب کے آئیڈیل ہیں، اس لئے آپ سید قطب کو مودودی کی فوٹو کاپی کہہ سکتے ہیں یہاں تک کہ دقیق مسائل میں بھی انہوں نے مودودی کی موافقت کی ہے، ہاں سید قطب بلاغت اور ادب میں ممتاز ہیں۔ اس لئے اب ہم سید قطب سے پہلے مودودی پر گفتگو کرتے ہیں، ان شخصیات کے اندر ایک چیز مشترک ہے اور وہ ہے سیاست میں غلو۔

ابوالاعلیٰ مودودی کا مسئلہ بھی جمال الدین افغانی، حسن بنّا جیسا ہے جن کے بارے میں ہم نے گفتگو کی ہے، کہ جن پر سیاسی فکر غالب ہے، اور ان کی کوشش تھی کہ اپنے افکار وآراء کی بنیاد پر اسلامی خلافت کا قیام کیا جائے، لیکن اس کے لئے وسائل کچھ بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں، یعنی مقاصد کو پورا کرنے میں وسائل کے اندر تساہل برتا جاسکتا ہے، کیونکہ مقصد وسیلے کو جائز کرتا ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی ہندوستانی علماء میں شمار ہوتے ہیں، ان کی پیدائش 1321ھ میں ہوئی، 78/برس کی عمر پائی تھی، شروع میں صحافت سے منسلک تھے، 1360ھ میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی، اسی جماعت کے ایک لیڈر اور

مفکر تھے، ان کے ایسے افکار و نظریات تھے جو اہل سنت والجماعت کے مخالف ہیں، چنانچہ ان کے یہاں سیاست و حکومت کے مسئلے میں حد درجہ غلو پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے بعثت انبیاء کو اسی کا اصل مقصد قرار دیا جو کہ دلیلوں کے خلاف ہے اور اہل سنت والجماعت کے اس اجماع کے بھی مخالف ہے، جس میں یہ صراحت ہے کہ بعثت انبیاء کا مقصد توحید اور عبودیت کو پورا کرنا ہے۔

مودودی کہتے ہیں: ''اس دنیا کے اندر انبیاء کی رسالت کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی حکومت قائم کریں، اسی لئے ہر نبی اور ہر رسول نے اپنی بعثت کے وقت سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی...'' ان کے آخری کلام تک، جسے میں نے اخوان المسلمین کے خطرے کے تعلق سے کلام کرتے وقت ذکر کیا تھا۔

مزید کہا: ''حاکمیت الٰہیہ کا قیام ہی انبیاء کی بعثت کا اصلی مقصد ہے۔''

چنانچہ یہ لوگ جب حکومت پر گفتگو کرتے ہیں تو اسے صرف سیاست پر منحصر کر دیتے ہیں اپنی سوچ اور فہم کے اعتبار سے۔

یہاں شیخ البانی رحمہ اللہ کا ایک لطیفہ ذکر کرتا ہوں جس کو آپ نے ایک کیسٹ میں بیان کیا ہے کہ اُردن کی ایک مسجد میں آپ نے جمعہ کی نماز پڑھی، خطیب پینٹ شرٹ اور ٹائی پہنے ہوئے تھا، ساتھ ہی داڑھی مونڈے ہوئے تھا، اور بڑے حماس کے ساتھ حکومت غیر الٰہیہ کے بارے میں خطبہ دے رہا تھا، جب خطبے سے فارغ ہوا تو شیخ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: جزاک اللہ خیراً، آپ نے بڑے حماس کے ساتھ حکومت غیر الٰہیہ پر خطبہ دیا، لیکن آپ کو دیکھ رہا ہوں خود ربانی حکم کے مطابق نہیں ہیں، یہ انگریزی لباس اور شیو کئے ہوئے ہیں، جبکہ اللہ کا حکم ہے کہ داڑھی بڑھائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ شرعی حکومت بالکل چاہتے ہی نہیں، یہ نہیں چاہتے کہ شرعی حکومت قائم ہو اور حدود و قصاص کا نفاذ ہو، بلکہ ان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ شریعت کا نام لے کر حکومت و اقتدار تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

اسی لئے مودودی صاحب کے نزدیک حاکمیت کے باب میں حد درجہ غلو پایا جاتا ہے اور حاکمیت کے لئے پوری کوشش ہے، کہتے ہیں:

''انسانی زندگی کے مسائل سے جسے بھی کچھ شعور ہوگا اسے یہ امر مخفی نہیں کہ انسانی امور کی اصلاح اور بگاڑ کا مسئلہ انسانی امور کی ذمہ داری سنبھالنے میں ہے اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو حاکم ہیں۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس شخص اور اخوان المسلمین کے لوگوں کے نزدیک صرف اور صرف حکومت ہی ہے، یہ لوگوں کی دینی تربیت کے بارے میں نہیں سوچتے، اور نہ ہی توحید و سنت کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے بارے

میں فکر کرتے ہیں، جبکہ یہ معلوم ہے کہ اگر رعایا ٹھیک رہے تو حاکم بھی ٹھیک رہے گا، لیکن یہ لوگ یہ سب نہیں کرتے بلکہ ان کا اصل مقصد حکومت واقتدار پر قبضہ کرنا ہے۔

مودودی صاحب کہتے ہیں: ''قیادت وسیادت ہی انسانی زندگی کے مسائل میں سے اہم مسئلہ اور سب سے بنیادی معاملہ ہے۔''

بلکہ انہوں نے غلو کرتے ہوئے دعوت کا مقصد بھی اسی حکومت کو قرار دے دیا ہے، اور اسی مسئلے کے اردگرد بتایا ہے، اور کہا ہے کہ دعاۃ کا مقصد یہی ہے کہ وہ اسی کے لئے کوشش کریں۔

چنانچہ مودودی صاحب کہتے ہیں: ''کوئی داعی آتا ہے دنیاوی مسائل حل کرنے کے لئے اور اعتقاد رکھتا ہے کہ اسی میں فلاح ونجات ہے، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکومت وسلطنت کے حصول کے لئے کوشش کرے۔''

جبکہ نبی اکرم ﷺ کہہ رہے ہیں: ''لَا تَسأَلِ الإِمَارَة'' ترجمہ: ''امارت وحکومت طلب نہ کرو۔'' اور یہ لوگ کہہ رہے ہیں: ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا مقصد حکومت واقتدار کا حصول بنائے، چنانچہ یہ بھی دوسروں کی طرح حکام کے خلاف ابھارے اور لوگوں کو بھڑکائے، اور یہ خیال کرے کہ ظالم حاکم کی حکومت ناجائز ہے، برخلاف اہل سنت والجماعت کے جو کہ اسے جائز سمجھ کر اس پر صبر کرتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں۔

مودودی کہتے ہیں: ''اگر کوئی ظالم یا فاسق حکومت کے منصب پر قابض ہو جائے تو اس کی حکومت اسلام کی نظر میں باطل ہوگی۔''

اس طرح گویا یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کوئی خونی اور انقلابی دین ہے، چنانچہ کہتے ہیں: ''اسلام ایک انقلابی سوچ کا نام ہے۔'' پہلی بات یہ کہ اسلام کو ایک سوچ قرار دینا ان کی جہالت ہے، اسلام کوئی فکر یا سوچ کا نام نہیں ہے، اسلام ایک دین ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔

اور یہ ثابت کرنے میں لگ گئے کہ جہاد دراصل حکام کے خلاف جہاد کرنے کا نام ہے، اور یہ کہ جہاد کا مقصد اصلاح نہیں ہے، اس کا مقصد صرف اور صرف حکومت حاصل کرنا ہے، جیسا کہ کہتے ہیں: ''اسلامی جہاد لوگوں کے عقائد اور احکام نیز سماجی امور سے تعرض نہیں کرتا جسے لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے اور اپنے لئے اسی کو ترجیح دے رکھی ہے، لوگوں کو یہ اختیار ہے کہ جو چاہیں عقائد رکھیں، انہیں پوری آزادی ہے کہ جو منہج چاہیں اختیار کریں، لیکن انہیں بالکل یہ آزادی نہیں کہ جیسے چاہیں حکومت کریں۔''

انقلاب اور مسلح جھڑپ پر ابھارتے ہوئے اور منہج سلف اور اہل سنت والجماعت کے اصولوں (توحید وسنت اور عبادت الٰہی کی دعوت) کو ہلکا دکھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''عیسائی طرز پر اسلام کی دعوت ایک عبث شئی ہے۔'' اس کلام کے اندر کس قدر پُر امن دعوت کے منہج کی تذلیل وتحقیر ہے، گویا کہہ رہے ہیں کہ جو دعوت پُر امن طریقے پر ہے، توحید پر قائم ہے اور حکام سے چھیڑ چھاڑ پر قائم نہیں ہے عیسائی طرز پر ایک عبث دعوت ہے۔

کہتے ہیں: ''عیسائی طرز پر اسلام کی دعوت عبث شئی ہے، گرچہ لاکھوں کی تعداد میں کتابچے چھاپ دئے جائیں جو اسلام کی طرف دعوت دینے والے ہوں، اور چیخ چیخ کر صبح وشام لوگوں کو پکار رہے ہوں کہ اللہ سے ڈرو، پھر بھی وہ بے سود ہے، کیونکہ اس میں کوئی عملی فائدہ نہیں ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ اسلام ہر زمان ومکان کے لئے مناسب ہے، اور اس کے فوائد وخصوصیات کی کوئی نظیر نہیں ہے۔''

ٹھیک ہے پھر ان کا قصور کیا ہے؟

کہتے ہیں: ''وقت کی ضرورت کا تقاضہ ہے کہ ان خصوصیات کو عملی طور پر لایا جائے، ہم ایسے عالم میں جی رہے ہیں جو باہم کشمکش پر قائم ہے، خطابت اور وعظ ونصیحت اس کے دھارے کو نہیں بدل سکتے، اسے صرف مسلح کشمکش ہی بدل سکتی ہے۔''

اس طرح انہوں نے شرعی منہج کی دو عظیم مخالفت کر ڈالی ہے:

* **پہلی مخالفت:** پُر امن صحیح دعوت دین کی شان کو گھٹانا۔
* **دوسری مخالفت:** اسلامی ملکوں میں حکام کے خلاف مسلح جھڑپ کی دعوت دینا۔

دعوت دین کی شان کو گھٹاتے ہوئے اپنی اس مسلح جھڑپ کا نتیجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں: ''اے تاجروں کی جماعت! جو توحید کی کتابوں اور رسالوں کو چھاپتے ہو اس کے اندر اپنا مال ضائع نہ کرو، تم اپنا مال ہم کو دو کیونکہ ہم مسلح جھڑپ کر رہے ہیں۔''

مزید کہتے ہیں: ''شاید میری کتابوں اور رسالوں سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارا آخری مقصد مسلح جھڑپ کے ذریعے قیادت کے اندر انقلاب پیدا کرنا ہے، یعنی ہم اس کے ذریعے چاہتے ہیں کہ اس سرزمین کو فاسقوں اور فاجروں کی قیادت اور ان کی سیادت کی گندگی سے پاک کر دیں۔''

یعنی سرزمین کو شرک سے نہیں بدعتوں سے نہیں بلکہ فاسقوں اور فاجروں کی قیادت اور ان کی سیادت کی گندگی

سے پاک کرنا ہے، چنانچہ یہ لوگ موجودہ حکمرانوں کو جو ان کی نظر میں فاسق ہیں: وہ ایسے حکام ہیں جنہیں مٹانا ضروری ہے اور ان کے خلاف مسلح جھڑپ واجب ہے، اور اسی طریقے سے یہ اپنا کام منظم رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انسان کو اسی طریقے سے منظم ہونا چاہئے۔

مودودی کہتے ہیں: ''اگر کوئی آج چاہتا ہے کہ سرزمین کو پاک کردے، اور اس کے بگاڑ کو اصلاح میں، انارکی کو امن وامان میں، اباحیت کو اخلاق حسنہ میں اور برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے تو اس کے لئے صرف یہی نہیں کافی ہے کہ خیر کی طرف دعوت دی جائے، اللہ کے تقویٰ اور اس کی خشیت کی تعظیم کی جائے، لوگوں کو اخلاق حسنہ کی ترغیب دی جائے، بلکہ ضروری ہوگا کہ انسانیت کے نیک عناصر کو حتی الامکان جمع کیا جائے اور اسے اس لائق بنایا جائے کہ زمام حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے کر زمین کی سربراہی میں انقلاب برپا کردیں۔''

یہ فکر اور سوچ آج کل تقریباً تمام ممالک میں پائی جاتی ہے، حتی کہ آپ اسلامی جامعات کے بعض فارغین کو دیکھیں گے جو توحید اور سنت کی طرف دعوت نہ دے کر ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ سیاست میں مؤثر کردار ادا کریں، کیونکہ انہوں نے مودودی اور ان کے جیسے مفکرین سے افکار حاصل کئے ہیں۔

اسی لئے مودودی سمجھتے ہیں کہ حکومتوں کو گرانا فرائض دین میں سے ہے:

کہتے ہیں: ''ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو اور دین حق کو مانتا ہو اس کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اپنی پوری زندگی کو دین اسلام کے لئے وقف کردے، بلکہ ضروری ہے کہ وہ حکومت واقتدار کے حصول کے لئے اپنی پوری قوت صرف کردے۔''

جب وہ اپنی پوری قوت اور طاقت حکومت کے حصول کے صرف کردے گا تو پھر دعوت دین اور توحید وسنت کے لئے کیا بچے گا؟ آخر یہ طاقت اقتدار کے لئے صرف کرے گا، مگر یہ اقتدار کس سے چھینے گا؟ کافروں اور فاجروں وظالموں سے یعنی ان مسلم حکمرانوں سے۔

اس مسئلے میں بھی ان لوگوں کا غلو ہے کہ جس کی بنیاد پر مسلم حکومتوں کو گرانا جائز سمجھتے ہیں گرچہ وہ کافر نہ ہوں، جبکہ یہ فکر سلف صالحین کے منہج کے خلاف ہے، چنانچہ اہل علم وفضل کے نزدیک اس شخص کی کوئی قدر قیمت نہیں ہے، کیونکہ اس نے ان سیاسی افکار کے علاوہ صحابہ پر طعن وتشنیع بھی کی ہے، چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''خلیفۂ ثالث عثمان ان خصائص سے متصف نہیں تھے جن خصائص سے ان سے پہلے دو خلیفہ متصف تھے، اسی

لئے اسلامی نظام کے اندر جاہلیت نے راستہ بنالیا۔‘‘

مزید یہ بھی تحریر کیا ہے کہ: ’’بے شک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوئے تو دھیرے دھیرے ان کی سیاست سے ہٹنے لگے۔‘‘ یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیاست سے ہٹنے لگے، یعنی وہ منحرف ہو گئے، پھر آگے کہا: ’’اسی لئے اپنے اقرباء اور رشتہ داروں کو بڑے بڑے مناصب دینے لگے - اور یہ خیانت ہے - اور انہیں ایسے اعزاز سے نوازنے لگے جن پر لوگوں کو اعتراض تھا۔‘‘

مزید کہتے ہیں: ’’سنہرے دور - ابو بکر و عمر کے دور - کے بعد صدیوں میں الہ، رب، عبادت، دین اور طاغوت کے جو صحیح اور اصلی معانی تھے وہ تبدیل ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ قرآن کا جوہری اور حقیقی مقصد سمجھنے سے قاصر ہو گئے، چنانچہ جب قرآن کے مطلب کو سمجھ کر اس کا حق پورا کر دیا کیونکہ انہوں نے بتوں کی پوجا چھوڑ دی، جبکہ حال یہ ہے کہ بتوں کو چھوڑ کر الہ اپنے اندر جتنے مفہوم لئے ہوئے ہے اس کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے کہ وہ اب بھی اللہ کو چھوڑ معبود بنائے ہوئے ہیں۔‘‘

یہ چونکہ حکام سے راضی ہیں اور ان کی مخالفت نہیں کرتے اس طرح انہیں اپنا معبود بنالیا، اور مسلمانوں کے اندر اس طرح کا ارتداد بہت قدیم ہے کہ انہوں نے اس طرح کے حکام کو تسلیم کر لیا۔

بھائیو! ملاحظہ کریں ان کا یہ کلام امام احمد کے زمانہ کو بھی شامل ہے اسی طرح ائمہ اربعہ کا زمانہ بھی شامل ہے، گویا ان کی نظر میں ان ائمہ کی کوئی قیمت نہیں، کیونکہ ان ائمہ نے حکام کی مخالفت نہیں کی تھی۔

کہتے ہیں: ’’یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ لوگوں پر قرآن کی تعلیمات کا اکثر حصہ پوشیدہ رہا، بلکہ اس کی حقیقی روح اور مرکزی فکر غائب رہی۔‘‘

کہتے ہیں: ’’عمر بن عبد العزیز کے بعد حکومت و سیاست ہمیشہ کے لئے جاہلیت کے ہاتھوں میں چلی گئی۔‘‘ یعنی عمر بن عبد العزیز کے بعد حکومت جاہلی ہوگئی، حقیقت میں ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جاہلیت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہی شروع ہوگئی ہے، بلکہ عمر بن عبد العزیز کے بعد حکومت بھی جاہلیت کے ہاتھوں چلی گئی اور لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاہلیت کے دور میں واپس چلے گئے۔

کہتے ہیں: ’’عمر بن عبد العزیز کے بعد حکومت و سیاست ہمیشہ کے لئے جاہلیت کے ہاتھوں میں چلی گئی، چنانچہ بنی امیہ کی حکومت قائم ہوئی، پھر بنو عباس کی، پھر ترک بادشاہوں کی، اور پھر موجودہ حکومتیں۔‘‘

بھائیو! دھیان دینے کی بات یہ ہے کہ اسلامی خلافت کے قیام کا ان کا ڈھونگ محض جھوٹ ہے، کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی خلافت جو گزری ہے وہ جاہلیت تھی، اور یہ حقیقی خلافت قائم کریں گے، بلکہ یہ عثمانی خلافت کو شرعی خلافت نہیں سمجھتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں: ''بنو امیہ کی حکومت قائم ہوئی، جو کہ جاہلی تھی، پھر بنو عباس کی - جو کہ جاہلی تھی - پھر ترک لوگ پائے جاتے تھے۔''

اسی لئے وہ سمجھتے ہیں کہ تمام دیار مسلمین دیار کفر ہیں:

کہتے ہیں: ''برصغیر ہند سے باہر کہیں بھی ریاست مدینہ کی طرح کوئی دار الاسلام نہیں پایا جاتا، نہ ہی انڈونیشیا میں، نہ ہی ملیشیا میں، نہ ہی سعودی عرب میں، نہ ہی مصر میں اور نہ کسی جگہ۔'' گویا سب دار الکفر ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ہندوستان کے اندر دار الاسلام کے قیام کی کوشش کریں۔

مشہور اخوانی مفکر، صحافی اور اسکالر محمد عمارہ کہتے ہیں: ''دیگر مفکرین، مجتہدین، مجددین اور اسلامی صحوہ کے علماء میں مودودی بایں طور ممتاز ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کی حالت اور ان کے سماج کو جاہلیت کہا اور اس پر کفر کا فتویٰ لگایا۔''

لیکن ہم نے بتایا ہے کہ اس مسئلے میں جمال الدین نے پہلے ہی فتویٰ دے دیا تھا اور اسی فکر کو ان لوگوں نے آگے بڑھایا ہے۔

مودودی کی کتابوں اور ان کے افکار نے ہی سید قطب پر اثر کیا ہے، جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں یہ بات کہی ہے کہ سید قطب کو مودودی کا فوٹو کاپی اگر کہیں تو بیجا نہیں ہوگا، چنانچہ مودودی اصل ہیں اور سید قطب ان کی فرع، سید قطب اکثر لمبے لمبے فقرے مودودی کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور فکر بالکل وہی ہے، اور عبارتیں بھی مودودی کی پوری کی پوری نقل کر دیتے ہیں۔

مثال: محمد احمد راشد کہتے ہیں جو کہ ایک تحریکی نام ہے: ''سید قطب نے اپنی کتاب ''الظلال'' کے اندر مودودی کے ''رسالۃ الجہاد'' کا نصف حصہ ایک ہی جگہ نقل کر دیا ہے۔''

اور عدالتی تحقیق کے دوران سید قطب سے سوال کیا گیا: کیا آپ نے ان افکار - حاکمیت اور تکفیر - کو ابو الاعلیٰ مودودی کی کتابوں سے نقل نہیں کیا ہے؟ تو جواب دیا: اسلام کا مطالعہ کرتے وقت میں نے مودودی اور دوسروں کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔

اسی لئے ابو الحسن ندوی کہتے ہیں: ''ایک بڑے اسکالر سید قطب نے استاد مودودی کی کتاب ''قرآن کے چار

مصطلحات'' کو بہت پسند کیا، اور اس کتاب میں جو افکار و آراء موجود ہیں سب کی کلی طور پر موافقت کی۔''

استاد قرضاوی کہتے ہیں: ''مودودی کی کتابوں سے سید قطب نے ڈائریکٹ اثر لیا ہے۔''

ٹیونس کے اندر موجود اخوانی سربراہ راشد غنوشی کہتے ہیں: ''برصغیر ہند کے مشہور مفکر اسلام ابوالاعلیٰ مودودی کے فکر سے سید قطب نے کافی اثر لیا، عربوں نے مودودی سے اس قدر اثر لیا کہ بعد میں تمام سماج اور نظام حکومت کی تکفیر کر ڈالی۔''

اسی طرح ایک مشہور اخوانی صحافی فہمی ہویدی نے کہا: ''اور چونکہ مودودی ہی نے شہادتین کی فاعلیت میں نئی تاویل پیش کی ہے، تو یہ طبعی بات تھی کہ موجودہ سماج کو جاہلیت سے موسوم کیا جائے، اور ان کی کتاب ''قرآن کے چار مصطلحات'' کے منہج سے یہی مترشح ہو رہا ہے، اور اسی کتاب سے سید قطب نے کافی نقل کیا ہے بطور خاص اپنی مشہور کتاب ''معالم فی الطریق'' کے اندر، اس کے اندر اس تعلق سے صریح فقرات پائے جاتے ہیں، اور جب ستر کی دہائی میں تکفیر کے مسئلے کو اٹھایا گیا تو لوگوں کی نظریں مودودی اور سید قطب کی کتابوں کی طرف ہو گئیں۔''

اور چونکہ مودودی کے اوپر یہی سیاسی فکر غالب تھی اسی لئے وہ دینی امور کی طرف نظر نہیں دوڑاتے تھے، وہ کبھی بھی دینی معاملات کو شیعہ سنّی بنا کر نہیں دیکھتے، وہ صرف انقلاب کو دیکھتے تھے، اسی لئے وہ انقلاب کی تعریف کرتے مگر اس کے پیچھے کون ہیں انہیں نہیں دیکھتے، اسی لئے جب ایران کے اندر انقلاب اور بغاوت آئی تو مودودی نے اس کی تائید کی اور کہا: ''خمینی کا انقلاب اسلامی انقلاب ہے، اور اسے برپا کرنے والے اسلامی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان نوجوانوں نے اسلامی تحریکات کے زیر اثر تربیت حاصل کی ہے، اس لئے تمام مسلمانوں پر عمومی پیمانے پر اور اسلامی تحریکات پر خصوصی طور پر اس انقلاب کی تائید کرنا واجب ہے، اور ضروری ہے کہ ہر پیمانے پر اس کی مدد کریں۔''

یہیں سے آپ اس راز کو سمجھ سکتے ہیں کہ اخوانی جماعت کیسے شروع سے آج تک ایرانی گود میں کھیل رہی ہے، چنانچہ مودودی نے خمینی کی زیارت کی اور اس انقلاب کو شرعی انقلاب کے طور پر اسے مبارکباد دی۔

بھائیو! خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مودودی سیاست و حاکمیت سے اس قدر متاثر تھے کہ ان کے تمام افکار پر یہی اثر مسلط تھا، اور اسی وجہ سے بہت سارے گمراہ کن افکار نے جنم لیا، اور یہ گمراہ کن افکار ان کے بعد دوسروں میں بھی منتقل ہوئے، اور آج تک اسلامی تحریکوں کے نوجوانوں میں یہ اثر پایا جاتا ہے۔

وہ شخصیات جنہوں نے اسلام کے مفہوم و منہج کو بدل ڈالا:

”جمال الدین افغانی“

الحمدُ للهِ ربِّ العالمَين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ جس نے ہمیں اس ملاقات کی توفیق بخشی، اور الحمدللہ اس علمی دورے کی بہت ساری خصوصیات ہیں:

* ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ یہ علمی محاضرے آپ جیسے طالب علموں اور داعیوں کے سامنے اس جزیرۂ لومبوک میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

* انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ محاضرات بہت ہی اہم ہیں کہ جن پر دعوت دین قائم ہے اور اسی پر امت کے بہترین لوگ قائم تھے۔

* انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ پہلا شرعی دورہ ہے جو اس جزیرے میں قائم ہوا ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے ذخیرۂ خیر بنائے، اور بھائیوں کو اس طرح کے مزید علمی دوروں کے قیام کی توفیق دے، جیسا کہ گزرا کہ اہل سنت والجماعت کی خصوصیات میں سے ہے کہ یہ علم کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، اور علم ہی ہر خیر کا درخت ہے، جس طرح جہالت ہر شر کا درخت ہے، اس لئے علم کا حریص ہونا بہت اہم اور بڑا معاملہ ہے، اور ہمارے زمانے میں اس کی سب سے بڑی نشانی علمی دوروں کا عملی اور صحیح اصولوں پر قائم کرنا ہے۔ اللہ اس علمی دورے کو خیر و برکت اور نفع بخش بنائے، اور اس دورے کی سرپرستی کرنے والوں کو اجر عظیم سے نوازے۔

آج بروز منگل کی مجلسوں میں سے اس چوتھی مجلس کو ہم نے ایک اہم موضوع کے لئے خاص کر رکھا ہے، اور اس کا تعلق ان شخصیات سے ہے جنہوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے اور اسلام کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت کر دی ہے جن کا تعلق اس سے کچھ بھی نہیں ہے اور اس طرح مسلمانوں کو قبیح شکل میں پیش کیا ہے۔

چنانچہ ان لوگوں نے مسلمانوں کی اس طرح تصویر کشی کی ہے کہ منجملہ سب کے سب مرتد ہو چکے ہیں، اور یہ کہ مسلمانوں

کا یہ سماج جاہلی کافر سماج ہے، گرچہ اذان دیتے ہوں نماز پڑھتے ہوں، اوران لوگوں نے رعایا اور حکام کے درمیان دوری پیدا کردی، اسی طرح علماء اور عوام کے درمیان فاصلہ کردیا، بلکہ باپ اور بیٹے اور بھائی کو بھائی سے جدا کردیا، تکفیر کو سماج میں بڑھاوادیا، بلکہ معصوم جانوں کے قتل، تفجیر وتدمیر اور دہشت گردی کو جنم دیا' جس کی زد میں مسلمان اور غیر مسلمان سب آرہے ہیں۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ان شخصیات کو مسلمانوں کا آئیڈیل اور امام بنا کر پیش کیا جارہا ہے، ان کی کتابوں کو پھیلایا جارہا ہے، ان کے منہج کو ثابت کیا جارہا ہے، میں ثانویہ کے مرحلے میں تھا اسی وقت مجھے ان کی کتابوں کا ہدیہ دیا جاتا تھا، جب ہم ممتاز درجات سے پاس ہوتے تو ہمیں انہیں کی کتابوں کو ہدیے کے طور پر دئے جاتے، ان میں بطور خاص سید قطب کی کتاب ''معالم فی الطریق'' اور اس جیسی دوسری کتابیں ہوتیں۔

چونکہ اِس وقت ہم طلاب علم کی جماعت سے گفتگو کررہے ہیں، عوام سے نہیں، وہ بھی ایک علمی دورے کے اندر، اس لئے علم وحکمت کا تقاضا ہے کہ ہم آپ کے سامنے ان شخصیات کو پوری طرح ایکسپوز کریں' جنہوں نے اسلام کی شبیہ بگاڑ کر رکھ دی ہے، جبکہ عوام کے ساتھ گفتگو کرنے میں ان کی عقلوں کی رعایت ضروری ہوتی ہے:

* اگر عوام کی عقلیں ایسے علمی بیانات کی متحمل ہوں' تو ضروری ہے کہ ان کے سامنے گمراہ فرقوں اور گمراہ شخصیتوں کا نام لے کر بیان کیا جائے اور انہیں ایکسپوز کیا جائے۔

*لیکن اگر ان کی عقلیں اس کی متحمل نہ ہوں بلکہ ایسا کرنا ان کے لئے باعث فتنہ ہو، اور حالات متقاضی بھی نہ ہوں' تو ایسی صورت میں گمراہ فرقوں اور گمراہ شخصیتوں سے عمومی طور پر انہیں ڈرایا جائے گا مگر نام نہیں لیا جائے گا۔ مثلاً کہا جائے: اس طرح کے گمراہ افکار یہاں پائے جاتے ہیں' مثلاً یہ فکر اور گمراہ سوچ، مگر اخوانی جماعت، تبلیغی جماعت، سید قطب اور افغانی وغیرہ کا نام نہ لیا جائے، بلکہ ان کے افکار ونظریات سے ڈرایا جائے، یعنی ان کے نام کو مطلق ترک کرنا بھی درست نہیں اور ہمیشہ ان کے نام کے ساتھ انہیں ایکسپوز کرنا بھی درست نہیں ہے۔

بھائیو! چونکہ آپ لوگ داعی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آپ کے سامنے یہ واضح کیا جائے کہ طلاب علم اور عوام کے درمیان علمی مسائل کو بیان کرتے وقت فرق کرنا چاہئے:

چنانچہ طالب علموں کے سامنے علمی خطاب اور بیان کے لئے میدان کھلا ہوا ہے، اور مناسب یہی ہے کہ ناموں کی وضاحت کے ساتھ غلطیوں کو بیان کیا جائے، تاکہ ہمارے دلوں کے اندر باطل جگہ نہ بنائے۔

جبکہ عوام کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان کی عقلیں اس کی متحمل ہوں اور حالات اس کے متقاضی ہوں تو ایسی صورت میں ہم ان کے سامنے بھی ناموں کے ساتھ وضاحت کریں گے، لیکن اگر ان کی عقلیں متحمل نہ ہوں اور حالات اس کے متقاضی بھی نہ ہوں تو ایسی صورت میں گمراہ فرقوں اور گمراہ شخصیتوں سے انہیں ڈرایا تو جائے گا مگر نام نہیں لیا جائے گا۔

علمی مجلسوں کی اس قسم کے اندر ان شخصیتوں میں سے پہلی شخصیت "جمال الدین افغانی" سے شروع کریں گے:

یہ بہت ہی مشہور شخصیت ہے، مسلمانوں کے سامنے اس شخصیت کو آئیڈیل اور مفکر بنا کر پیش کیا جاتا ہے، جمال الدین افغانی کی ولادت 1838ء میں ہوئی، ان کے اصل میں کافی اختلاف ہے:

*بعض کہتے ہیں: یہ افغانی ہیں۔

*بعض کہتے ہیں: یہ ایرانی ہیں۔

اور چونکہ ان کے افکار میں کافی تضاد اور اختلاط ہے اس لئے ان کے عقیدے میں بھی شدید اختلاف ہے:

*بعض کہتے ہیں: وہ سنّی ہیں شیعوں کی طرف میلان تھا۔

*بعض کہتے ہیں: وہ شیعہ ہیں جو سنّیوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

اس کا سبب ان کے افکار کے اندر اختلاط اور اضطراب کا پایا جانا ہے۔

یہ ایک سیاح قسم کے شخص تھے، جنہوں نے خوب سفر کیا، بہت ہی نشیط اور چست تھے، ان کے کچھ گمراہ کن افکار ایسے تھے جنہوں نے اسلام کی صورت کو بگاڑ کر پیش کیا:

* انہیں میں سے سیاست اور حاکمیت میں غلو کرنا ہے، اور حکومت کو مسلمانوں کے درمیان باہمی کشمکش کا ذریعہ بنانا ہے، چنانچہ افغانی نے سیاست اور حکومت میں اس طرح غلو سے کام لیا کہ اسے اصل مقصد قرار دے دیا، ان کی پوری پلاننگ اور پروگرام اور روز مرّہ کے نشاطات اسی سیاسی مسئلے پر گھومتے تھے، وہ سیاسی سوچ کے حامل تھے اور ہر کسی کو معلوم ہے کہ اس فکر کے اندر مقصد اور غرض و غایت ہر وسیلے کو جائز کر دیتا ہے، جو کہ میکاولی کا اصول ہے، چنانچہ ان کا بھی یہی اصول تھا۔

جمال الدین افغانی کے مشہور شاگرد محمد عبدہ اپنے شیخ کے بارے میں کہتے ہیں: "آپ اپنے سیاسی مقصد میں بہت حریص تھے، جب بھی اس کی کوئی شکل نظر آتی اس کی طرف لپک پڑتے تھے، اور ان کی یہی عجلت پسندی ہی ان کی ناکامی کا سبب بنتی۔" چنانچہ جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں کہ جو عجلت پسند ہوتا ہے اس کا انجام محرومی ہوتی ہے۔

بھائیو! اخوانیوں کی یہ ایک بڑی صفت ہے کہ یہ واقعات اور حقائق سے سبق نہیں سیکھتے بلکہ عجلت پسند ہوتے ہیں، اسی لئے جمال الدین کی طرح واقعات ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ جمال الدین کے ساتھ ہوا، انور سادات کے ساتھ ہوا، حسنی مبارک کے بعد ہوا، یہ تاریخ سے سبق نہیں سیکھتے، ہمیشہ یہ بلی کا بکرا بن جایا کرتے ہیں اپنی عجلت پسندی کی وجہ سے:

* جمال عبد الناصر کے زمانے میں انہوں نے سر اٹھایا تو اس نے ان کا قلع قمع کر دیا۔

* انور سادات کے زمانے میں اسی طرح ہوا۔

* حسنی مبارک کے بعد بھی یہی ہوا کہ ان بے وقوفوں کو آگے لایا گیا، سیاست کے میدان میں کامیاب بھی ہوئے مگر چونکہ ان کا منہج فاسد ہے اس لئے جلد ہی اِس وقت بھی ہمیشہ کی طرح وہی ہوا۔

جمال الدین افغانی اپنے سیاسی مقصد میں بہت حریص تھے جب بھی اس کی کوئی شکل نظر آتی اس کی طرف لپک پڑتے تھے جیسا کہ ان کے شاگرد محمد عبدہ نے بیان کیا ہے۔ یہی حال اخوانیوں کا ہے۔

بھائیو! ایران کے دینی اور سیاسی رہنماؤں کے نزدیک جمال الدین افغانی کا مقام:

ایران کا دینی سربراہ خامنہ ای کہتا ہے: ”حاکمیت اور اسلامی تجدید کا مسئلہ پہلی بار عالمی فضاء میں سید جمال الدین افغانی کے بدست پیش کیا گیا۔“ اور اسی سیاسی حرص اور لالچ نے اور اپنے سیاسی مقاصد تک پہنچنے میں افغانی کو خوارج اور ان کے متبعین کی راہ پر لا کھڑا کیا۔

دوسرا ان کے وہ افکار جن کی وجہ سے دین اسلام کے چہرے کو بگاڑا گیا اور جن کا تعلق پہلی فکر سے جڑا ہوا ہے:

انہوں نے حکام کے خلاف انقلابی اور مسلح منہج کو اختیار کر رکھا تھا، چنانچہ وہ انقلابات کی تعریف کرتے تھے، فرانسیسی انقلاب کی تعریف کرتے ہوئے اور مسلمانوں کے لئے اسے آئیڈیل بنا کر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”فرانس کے اندر آزادی کی دعوت ایک مطلوب حق ہے، جس کے لئے بہت سے اہل حق آزمائش کا شکار ہوئے، اس کی خاطر خون کی ندیاں بہہ گئیں، مگر آج دنیا انہیں کو یاد کرتی ہے اور انہیں اپنا آئیڈیل مانتی ہے۔“

ان کے شاگرد انہیں اسی سے پہچانتے تھے یہاں تک کہ انہیں ابو الثورات کہتے تھے چنانچہ ان کا ایک شاگرد کہتا ہے: ”سید افغانی ایک انقلابی سوچ کے آدمی تھے، اس کے سوا کچھ نہیں تھے، جو شیلے تھے مگر علم و بصیرت کی بنیاد پر، وہ انقلاب و بغاوت کے داعی تھے، سخت دل اور سخت مزاج تھے۔“

محمد لطفی جمعہ کہتے ہیں: ''ملک کے اندر جو بھی انقلابات، قومی بیداری اور دستوری اختلاف نے جنم لیا ہے' میں ان سب کو جمال الدین افغانی کا اثر سمجھتا ہوں۔''

یہ اصلاً افغانستان کے ہیں یا وہاں ہجرت کر کے گئے نہیں معلوم، لیکن وہاں جا کر حکومت سے منسلک ہو گئے جس وقت وہاں دوست محمد خان کی حکومت تھی، جب اس کی وفات ہوگئی اس وقت اس کے دو لڑکے تھے، اس کے بعد افغانستان کی امارت ولی عہد شیر علی خان نے سنبھالی، جبکہ جمال الدین افغانی اس کے بھائی کی طرف میلان رکھتے تھے، اس لئے وہاں انقلاب برپا کروا دیا اور دونوں بھائیوں کے درمیان حکومت کو لے کر اختلاف ہوگیا اور اس طرح افغانستان کے اندر سیادت وقیادت کو لے کر بہت زیادہ خونریزی ہوئی۔

وہاں سے مصر منتقل ہو گئے، اس وقت مصر میں اسماعیلی پاشا کی حکومت تھی، وہاں پہنچنے پر بعض ازہریوں کی طرف سے ان کا تعارف ایک عالم کے طور پر کرایا گیا، وہاں پر لوگوں کو حکومت کے خلاف ابھارنے لگے، ازہری طلبہ کو ابھارتے کہ حکومت کے خلاف تحریریں لاؤ، اس طرح ان کی انقلابی فکر اس وقت کے اخبار ورسائل میں مشہور ہوگئی، یہ خود ہی وہاں کے اخبار ورسائل میں لکھنے لگے، اور اپنی انہیں تحریروں اور انقلابی سوچ کے ذریعے مشہور ہو گئے۔

کیا آپ لوگ سعوط کے بارے میں جانتے ہیں؟ یہ ایک قسم کا تمباکو ہے' جسے ناک کے ذریعے پیا جاتا ہے، افغانی صاحب اسے ہوٹلوں میں لاتے اور لوگوں میں تقسیم کرتے تاکہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں اور ان کی فکر کی ترویج کریں۔

مصری صحافی احمد بہاء الدین کہتے ہیں: ''جمال الدین ہر شام کو متاتیا ہوٹل میں آتے تھے، اور ایک ہاتھ سے تمباکو تقسیم کرتے اور دوسرے ہاتھ سے انقلاب تقسیم کرتے۔''

بھائیو! فطری طور پر یہی اخوانیوں کا منہج ہے، یہ مسلمانوں کے امیروں سے مال جمع کرتے ہیں چندہ اور مسلمانوں کی مدد کے نام پر، پھر اسے اپنی فکر کی ترویج میں استعمال کرتے ہیں۔

ان کے ساتھ وہ لوگ بھی بیٹھتے تھے جنہوں نے بعد میں مصر کے اندر انقلاب برپا کیا تھا، جیسے سامی بارودی، سعد زغلول وغیرہ، اور انہیں سے انقلابی فکر حاصل کیا تھا، پھر جمال الدین نے مصر کے اندر قوت اور طاقت کا استعمال کر کے سیاست میں مداخلت شروع کر دی کیونکہ اس وقت ان کے بہت سے پیروکار پیدا ہو چکے تھے اور ان کی ایک اچھی خاصی تحریک بن چکی تھی۔

*** چنانچہ یہ عوام میں خطاب کرتے اور انہیں حکومت کے خلاف ابھارتے:**

مثلاً ایک بار عوام کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہے تھے: ''مصری بھائیو! آپ کی پرورش غلامی میں ہوئی ہے، ظلم کی گود میں تربیت ہوئی ہے، شاہی دور کی صدیاں گزر گئی ہیں تم پر اور اس کا سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے، اور تم فاتحین کے جبر وتسلط کا شکار ہو، ظالم حکمرانوں کی ماتحتی میں گھٹ گھٹ کر زندگی گزار رہے ہو، ان کی جابرانہ حکومت کے ظلم و جور کو برداشت کر رہے ہو، ذلت ورسوائی کا کوڑا تم پر برس رہا ہے اور تم صبر ورضا کا پیکر بنے ہوئے ہو، تمہاری زندگی کی قوت کو مٹایا جارہا ہے، حکومت جابرانہ طریقے سے تم سے ٹیکس اور مال گزاری وصول کر رہی ہے، اور تم غفلت کی چادر اوڑھے ہوئے ہو، اگر تمہاری رگوں میں ذرا بھی حمیت باقی ہوتی اور تمہارے اعصاب میں کچھ بھی نخوت اور خودداری کی رمق موجود ہوتی تو تم کبھی اس ظلم سے راضی نہ رہتے اور اس مسکنت پر خوش نہ ہوتے۔''

ان کے اس خطاب نے عوام کو خوب بھڑکایا، اور یقینی طور پر یہی اخوانی طریقہ ہے: یعنی عوام کے جذبات سے کھیلنا اور انہیں بھڑکانا، نیز دھوکہ دیتے ہوئے دین کے لباس میں انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا، اس کے لئے یہ دو طریقہ استعمال کرتے ہیں:

* پہلا طریقہ: جذبات، جیسے تم غلامی کی زندگی گزار رہے ہو، تم غلاموں کے غلام ہو۔

* دوسرا طریقہ: دین کی محبت: آج کا سماج کافر ہو گیا، کیونکہ حکومت کافر ہے وغیرہ۔

اس باب میں ان کے بہت سے انقلابی اور بغاوتی خطاب موجود ہیں۔

اور اس کے لئے جن وسائل کو اختیار کیا: سیاسی جماعتوں کی تشکیل ہے، چنانچہ انہوں نے مصر کے اندر اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد ڈالی، کہا جاتا ہے کہ جمال الدین افغانی اور اخوانی سیاسی جماعتوں کی تشکیل، مشارکت کے لئے نہیں دیتے ہیں بلکہ غلبہ حاصل کرنے کے لئے تشکیل دیتے ہیں۔ اس وقت ہم جمہوریت جس کا گن گاتے ہیں یہ اخوانی کے بارے میں یہاں گفتگو نہیں کریں گے، لیکن یہ لوگ جب کوئی سیاسی جماعت بناتے ہیں تو اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ مشارکت کریں بلکہ ان کا مقصد اقتدار تک پہنچنا ہوتا ہے تا کہ سب پر غالب آجائیں اور پھر دوسروں کو روک دیں۔

جمال الدین اپنی فکر کو جواز بخشنے کے لئے مقالات لکھتے تھے، اور اپنے ساتھیوں کو ابھارتے تھے کہ اخبارات اور جرائد نکالیں، کیونکہ یہ جانتے تھے کہ میڈیا ہی اس وقت عوام پر اثر ڈالنے کے لئے بہت بڑا حربہ ہے، اور اسی طرح یہ

میڈیا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ عوام پر غلبہ حاصل کیا جائے، اسی لئے جب یہ میڈیا میں دیکھتے ہیں کہ کوئی ان کی مخالفت کر رہا ہے تو اسے ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ میڈیا سے اہل حق کو دور رکھیں، اس لئے ضروری ہے کہ اہل حق میڈیا کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں جیسے ریڈیو اسٹیشن کا قیام، ٹیلی ویژن کا قیام، اخبارات وغیرہ میں ممکن حد تک لکھتے رہنا۔

اسی لئے برما کے اندر جب ہمارے بھائیوں کے ساتھ مشکلات پیش آئیں تو میڈیا کے اندر انہوں نے اسے بھیانک شکل بنا کر پیش کیا، اور کہا: یہ جو کچھ ہمارے برما میں ہوا ہے وہ اس لئے کہ لوگوں کے دل حکام کے خلاف حقد وحسد سے بھر گئے وہ حکام جو ان کی مدد نہیں کرتے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں، جبکہ بعد میں واضح ہوا کہ جن تصویروں کو انہوں نے دکھایا تھا وہ برما کے واقعات کے نہیں تھے، ہم جانتے ہیں کہ برما کے اندر ہمارے بھائی بہت ہی مشکلات میں ہیں، لیکن ان لوگوں نے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا، بعض کوریا کی تصویروں کو لیا اور بعض دوسرے ممالک کے واقعات سے جڑی تصویروں کو لیا، اور یہ ظاہر کیا کہ یہ سب برما کے اندر ہو رہا ہے، تاکہ حکام کے خلاف لوگوں کو ابھارا جائے، اور یہی منہج تھا جس پر افغانی قائم تھے اور جس کی ترویج کرتے تھے اخبارات وجرائد کے ذریعے، جنہیں ان کے شاگرد نکالتے تھے، اور جو ایسے مقالات اور من گھڑت کہانیاں نشر کرتے تھے جو حکمراں طبقے کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتے تھے۔

اور جب توفیق پاشا کی حکومت آئی تو اس نے جمال الدین افغانی کے خطرے کو بھانپ لیا اور یہ کہ جمال الدین چاہتے ہیں کہ ایسی حکومت بنے جس کے صدر یہ خود ہو جائیں، اسی لئے مصری حکومت نے انہیں جلاوطن کر دیا، وہ اس کے بعد ہندوستان چلے گئے، بعد اس کے کہ مصری نوجوانوں کے اندر انقلابی اور بغاوتی فکر بھر دیا، جب وہ ہندوستان پہنچے تو انہیں نظر بند کر دیا گیا کیونکہ وہاں کے حکمران ان کے سیاسی خطرے کو سمجھ گئے تھے۔

مصر کے سارے انقلابات یہ مانتے ہیں کہ ان کا قائد جمال الدین افغانی ہیں:

سعد زغلول اپنے خطبہ میں کہتے ہیں: ''اس انقلاب کا خالق جیسا کہ بعض خطباء کہتے ہیں کوئی دوسرا نہیں بلکہ بہت قدیم ہے محمد علی، عرابی اور سید جمال الدین ہی کے زمانے سے ہے، اور ان کے تلامذہ کا بہت اثر رہا ہے، اسے ہمیں چھپانا نہیں چاہئے۔''

یقیناً جمال الدین افغانی کی یہ انقلابی فکر ایک امتدادی منہج ہے جو مصر سے لے کر ایران تک پہنچا ہوا ہے۔

*** جمال الدین افغانی کی فکر جس نے اسلام کے صحیح مفہوم ومنہج کو بدل دیا' اس طرح کہ انہوں نے اسلام میں ایسی چیزیں داخل کرنے کی کوشش کی جو اس کا حصہ نہیں ہیں، اور جو بعد میں اخوانی جماعت کے فکر کی بنیاد بن گئیں، جیسا کہ اس کی تفصیل آئے گی ان شاء اللہ۔**

افغانی کی سوچ تھی کہ سیاسی لیڈروں کا قتل کیا جائے، اپنے مخالفین کو ختم کیا جائے، تشدد اپنایا جائے، اور اقتدار وسیادت تک پہنچنے کے لئے ہر شرعی وغیر شرعی حربہ استعمال کیا جائے، ضروری ہے کہ مخالفین کا خاتمہ ہو، چاہے معنوی طور پر یا جسمانی طور پر، یہی فکر اس سیاسی جماعت کے اندر پائی جاتی ہے۔

بھائیو! اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اخوانی اپنے مخالفین کا قتل کرتے ہیں، یا تو معنوی طور پر انہیں برے برے القاب دے کر' جو نفرت دلانے والے ہوں، تاکہ عوام کی نظر میں ان کی وقعت ختم ہو جائے، مثلاً کہتے ہیں کہ یہ داعی لبرل ہے جبکہ اس بیچارے کو لبرل ازم کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہوتا، ایسا اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ لوگوں کی نگاہ میں اسے بدنام کرکے گرا دیا جائے، اسی طرح جب بھی کوئی عالم یا طالب علم لوگوں میں مشہور ہوا تو اسے مدخلی یا جامی کہہ کر پکارا جانے لگا، تاکہ اسے عوام کی نظروں میں گرا دیا جائے، اسی طرح وہابی کہتے ہیں، یعنی یہ سعودی اسلام پیش کرتا ہے تاکہ معنوی طور پر اسے مٹا دیا جائے، اسی طرح ضرورت پڑنے پر جسمانی تصفیہ (صفایا) بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ جمال الدین افغانی معنوی یا جسمانی اغوا کو اپنی سیاسی فکر کے قیام کے لئے ایک وسیلہ مانتے تھے، بطور خاص حکام کا اغوا، ایک بار انہوں نے کہا: ''میں چھ یا سات لوگوں کے قتل سے پہلے کسی اصلاح کا قائل نہیں۔'' اور انہوں نے سات حکام کے نام لئے، یعنی جب تک ان حکام کا سر نہ کچل دیا جائے اصلاح قائم ہو ہی نہیں سکتی۔

اور ایک بار کہا: ''حاکم اگر اپنی قسم توڑ دے اور دستور امت کے ساتھ خیانت کرے، ایسی صورت میں بلا تخت وتاج کے اس کا سر رہے یا صرف تخت بچے گا بغیر سر کے''، یعنی:

* یا تو اس کا سر رہے گا بغیر تاج کے، یعنی تاج گرا دیا جائے گا۔

* یا تو تاج رہے گا بغیر سر کے یعنی اس کا اغوا کرلیا جائے گا۔

اور انہیں کے دور میں حکام مصر کے اغوا کی کوشش کی گئی، جیسا کہ ان کے تلامذہ اور خاص تلامذہ نے ذکر کیا ہے، اور ان لوگوں نے مصری حکام اور دیگر حکمرانوں کے تئیں کئی مرتبہ اغوا کی پلاننگ بنائی ہے، سبحان اللہ! یہ شخص اہل سنت اور اہل تشیع سب کے یہاں جا کر لوگوں کو بھڑکاتا تھا، اور یہ سیاسی فکر اس پر غالب رہی، کبھی دینی رجحان غالب

نہیں تھا، اور یہی فکر اخوانی جماعت کے دوسرے لوگوں کے اندر بھی سرایت کر گئی۔

انہیں کے گمراہ افکار میں سے: پُر اسرار تنظیموں کا قیام بھی ہے، چنانچہ یہ سیاسی اہداف و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے پُر اسرار تنظیموں کو قائم کرتے تھے اور سرّ یت ہی پر یقین رکھتے تھے، چنانچہ یہ جہاں بھی گئے پہلے وہاں ایک پُر اسرار جماعت قائم کی، اسی لئے ان کے بارے میں رشید رضا کہتے ہیں: ''کم ہی لوگ ان کے خفیہ رازوں اور سیاسی مقاصد کے بارے میں جانتے ہیں۔'' اس لئے کہ یہ ہر چیز کو راز میں رکھتے تھے اور اسی پر اعتماد کر کے لوگوں کو ابھارتے تھے۔

انہوں نے بلاد حجاز میں بھی ایک پُر اسرار جماعت بنائی تھی، جس کا نام رکھا تھا ''**جماعة القرىٰ لاقامة الخليفة**'' سلطان عبد الحمید کو اس جماعت کی خبر لگ گئی، اس کے رازوں سے باخبر ہوگیا، چنانچہ جلد ہی اسے ختم کر دیا گیا اور یہ جماعت ابھر نہ سکی۔

افغانی کی فکر کے تعلق سے ایک بہت ہی خطرناک مسئلہ ہے، اور بہت ساری کتابوں میں اس کے بارے میں بحث ہوئی ہے، لیکن یہاں بہت ہی اختصار کے ساتھ بات پیش کی جائے گی:

جمال الدین افغانی کی زندگی کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ وہ ماسونیت میں شامل تھے، اسکاٹ لینڈ کی ماسونی تنظیم میں شامل تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس سے ان کا سیاسی ہدف پورا نہیں ہوگا تو انہوں نے فرانس کے اندر ایک الگ ماسونی تنظیم بنالی اور اس کے اندر بااثر مصری افراد کو شامل کر لیا، جنہوں نے مصر کے اندر سیاسی پارٹیاں بنانا شروع کر دیں۔ اور فی الحقیقت کہ آپ ان سب شخصیات میں مشترک ایک لازمی صفت یہ پائیں گے کہ یہ سب ماسونیت میں شامل تھے، کیونکہ یہی ماسونیت ان کے سیاسی اہداف کو پورا کرتی ہے، اور جیسا کہ ہم نے کہا کہ یہ لوگ میکاولی کے منہج پر قائم ہیں کہ مقصد کے حصول میں ہر وسیلہ اور حربہ اختیار کرنا جائز ہے۔

بھائیو! ہم جو کچھ بھی کہیں گے وہ سب یا تو جمال الدین افغانی کے شاگردوں کے کلام سے ماخوذ ہوگا یا معاصر مورخین کے کلام سے:

اپنے اہداف کو پورا کرنے کے لئے بہت ساری جگہوں پر انہوں نے پُر اسرار انجمنوں اور تنظیموں کو قائم کیا، اور ماسونی منہج کو اختیار کر لیا، اور اسی کے ساتھ بہت سارے استعماری ممالک کے سربراہوں کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔

شیخ رشید رضا کہتے ہیں: ''جمال الدین افغانی نے اپنے تلامذہ کی تعلیم کے لئے ماسونیت کا سہارا لیا' جس کے بارے میں کچھ خفیہ تنظیموں کے اندر ہی کہا جاسکتا ہے، چنانچہ آپ کے اور آپ کے مشہور تلامذہ بھی ماسونیت میں شامل ہوئے، جس کی وجہ سے آپ کو مصر کے اندر طاقت ملی اور آپ ایک وقت میں ماسونی تنظیم کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔''

محمد عبدہ- جو کہ جمال الدین کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں- کہتے ہیں: ''اسماعیل پاشا کے آخری دور میں بعض لوگوں نے ماسونیت کو مصر میں داخل کرنا چاہا، اور معلوم رہے کہ مصر کی تمام خفیہ تنظیمیں یورپین خفیہ تنظیموں سے ملی ہوئی تھیں، اور شیخ جمال الدین بھی انہیں میں سے ایک تنظیم سے جڑے ہوئے تھے، لیکن جب کوئی فائدہ نہیں دیکھا تو اسے چھوڑ دیا۔''

* **جمال الدین افغانی کی منحرف فکر-اور یہ فکر ان جیسی شخصیات کا خاصہ ہے- میں ایک: تلون مزاجی اور دین کی تجارت ہے**، چنانچہ موصوف اپنی مصلحت کے حساب سے بدلتے رہتے تھے، اور دین کی تجارت کرتے رہتے تھے، اس کے لئے انہوں نے مختلف طریقے اختیار کئے، کبھی جامعہ اسلامیہ یعنی خلافت کے قیام کی دعوت دی، تو کبھی جامعہ شرقیہ کی دعوت دی، کبھی سرمایہ دارانہ نظام کی طرف دعوت دی اور اشتراکی نظام پر ہلّہ بولا، تو کبھی اشتراکی نظام کی طرف دعوت دی اور سرمایہ دارانہ نظام پر ہلّہ بولا، یہاں تک کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھی نشانہ بنالیا، اور یہ گمان کیا کہ آپ سرمایہ دارانہ نظام کے بانیوں میں مانے جاتے ہیں، سبحان اللہ! ایک خلیفۂ راشد کو اس طرح کی منحرف شخصیتیں نشانہ بناتی ہیں۔

ایک جگہ انہوں نے خود اپنے ہی منہج کی صراحت کرتے ہوئے کہا کہ'' دنیا ایک کھیل ہے، جو اس کھیل میں کامیاب رہا وہ نفع بخش کمائی میں رہا، اور جو اس کھیل میں ہار گیا وہ ناکام رہا۔'' گویا کہہ رہے ہیں کہ ہم وقت کے حساب سے رنگ بدلتے رہتے ہیں تا کہ کیسے بھی کر کے مسئلہ کو جیت لیں۔

ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ ایسے فتاوے صادر کریں جو ان کی فکر سے موافق ہوں، اور اپنی فکر کو دین کا لباس پہنائیں، لیکن اس کے لئے انہوں نے اہل سنت کے یہاں کچھ حاصل نہیں کیا تو پھر شیعوں کے پاس گئے تا کہ اپنے افکار ونظریات کے مطابق وہاں سے فتاویٰ حاصل کریں، چنانچہ وہاں کامیابی مل گئی۔

* **ان کے خبیث افکار میں سے جنہوں نے اسلام کو بدنام کیا: صحابہ پر طعن وتشنیع ہے**، اور یہ خیال کہ بعض صحابہ انقلابی

ذہن کے تھے، اس سے ان کا دو مقصد ہے:

* پہلا: بعض صحابہ پر طعن و تشنیع کرنا۔

* دوسرا: یہ خیال کہ بعض صحابہ انقلابی ذہن کے تھے۔

تاکہ لوگوں میں یہ وہم پیدا کر سکیں کہ انقلابی اور بغاوتی ذہن صحابہ کا منہج ہے۔

دیکھیں عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کیا کہتے ہیں:

کہتے ہیں: ''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا، اس دور میں بنو امیہ کا خاص اثر رہا، خلافت عثمانی کے اس مختصر دور میں امت کے اندر محسوس طریقے سے روحانی حالت میں کافی تبدیلی آ گئی، سب سے زیادہ تبدیلی خود ان کی سیرت اور دیگر عمال و امراء کی سیرت میں آئی، اسی طرح ان کے رشتہ داروں اور انقلابی ذہن رکھنے والوں میں بھی تبدیلی آئی۔'' اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کیا کہ وہ اقرباء پرور تھے۔

کہتے ہیں: ''سب سے پہلے اس خطرے کو جس سے ملک و ملت متاثر ہو رہا تھا صحابی جلیل ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا۔'' پھر ابو ذر رضی اللہ عنہ سے متعلق کئی واقعات بیان کئے جن سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ آپ اپنے زمانے کے حکام کے خلاف انقلابی ذہن والے تھے، جبکہ صحابہ میں سے کوئی بھی اس خبیث منہج پر نہیں تھا، سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کا منہج علماء کرام نے بیان کیا ہے، یہاں تک کہ ابو ذر نے عثمان رضی اللہ عنہما سے کہا: ''اگر آپ مجھے حکم دیں کسی چکی کے کھونٹے سے جا ملنے کی تو میں اسے جا کر چمٹ جاؤں گا یہاں تک کہ میری موت آ جائے۔'' گویا کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کا فرمانبردار رہوں گا، اگر آپ مجھے الگ تھلگ رہنے کا حکم کریں گے تو میں الگ تھلگ جا کر بیٹھ جاؤں گا آخری وقت تک۔

اور یہ ثابت ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ مقام ربذہ چلے گئے تھے جو کہ مدینہ سے قریب ایک جگہ ہے، عراق سے آنے والی ایک فتنہ پرور جماعت نے انہیں دیکھا تو کہا: ہم نے جو سنا تھا آپ کے ساتھ وہی ہوا، آپ ایک جھنڈا باندھ دیں پھر دیکھیں گے کہ کیسے لوگ آپ کے پاس آتے ہیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، آپ ایک جھنڈا باندھیں، اور عثمان کے خلاف نکل پڑیں، یہ سن کر آپ نے کہا: مسلمانو! ذرا تھم کر، میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: **''سَيَكُونُ بَعْدِي سُلْطَانٌ فَأَعِزُّوهُ. مَنِ الْتَمَسَ ذُلَّهُ ثَغَرَ ثُغْرَةً فِي الْإِسْلَامِ، وَلَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ تَوْبَةٌ حَتَّى يُعِيدَهَا كَمَا كَانَتْ''** ترجمہ: ''میرے بعد سلطان آئے گا، تم اس کی عزت کرنا، جو اس کی ذلت تلاش

کرے گا وہ اسلام کے اندر سیندھ لگانے کی کوشش کر رہا ہوگا، اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی یہاں تک کہ اسے پہلی حالت پر واپس کر دے۔''

چنانچہ ابوذر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کے منہج پر تھے: مسلمان حاکم کے لئے غیر معصیت میں سمع وطاعت کا پیکر تھے اور خروج و بغاوت سے دور تھے۔

جمال الدین افغانی کے منحرف فکر میں سے جو بعد میں دوسروں کے اندر منتقل ہوگئی یہ بھی تھی کہ: وہ سماج کی تصویر کشی کرنے اور حقیقت حال بیان کرنے میں غلو کرتے تھے اور اس کی شکل کو بگاڑ کر پیش کرتے تھے تا کہ اس کے ذریعے اپنے کسی خاص مقصد تک پہنچ سکیں، مثلاً:

شکیب ارسلان کہتے ہیں: جمال الدین نے مجھ سے ایک بار کہا: ''مسلمانوں کے اخلاق اس طرح فاسد ہو چکے ہیں کہ ان کی اصلاح ممکن نظر نہیں آرہی ہے الا یہ کہ کوئی دوسری مخلوق اور نئی نسل آئے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ 12 /سال سے کم عمر کے لوگ باقی رہتے باقی سب لوگ مرجاتے، پھر یہ تربیت حاصل کر کے سلامتی کی راہ پر گامزن ہوتے۔''

اور ایک بار کہا: ''یقیناً مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ چکی ہے، ان کے ارادے بیٹھ چکے ہیں، ان کے اندر صرف ایک چیز جوان ہے اور وہ ان کی خواہشات ہیں۔'' یعنی ان کے اندر کوئی خیر کی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔

یہ تھے جمال الدین افغانی کے بعض افکار، ہم نے شروع میں کہا تھا کہ لوگ انہیں اس طرح پیش کرتے ہیں گویا کوئی مجدد ہوں، اور موجودہ دور کے وہ تمام لوگ جو فکری انحراف کا شکار رہے ہیں ان کے اندر ضرور جمال الدین افغانی کا اثر رہا ہے، اور انہیں شخصیات میں جن کے اندر افغانی کے افکار منتقل ہوئے سید قطب بھی ہیں جن کے بارے میں آگے چل کر ہم گفتگو کریں گے، جمال الدین کے بارے میں مزید بہت ساری باتیں ہیں جنہیں علماء نے ذکر کیا ہے لیکن میں نے وقت کی قلت کی وجہ سے بیان نہیں کیا کل ان شاءاللہ سید قطب اور ان کی اس فکر کے بارے میں گفتگو کریں گے جس کی وجہ سے اسلام کا چہرہ خراب ہوا ہے۔

ساتھیو! ہم ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو نہیں کریں گے جو گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، بلکہ ان شخصیات کے بارے میں گفتگو کریں گے جنہیں امت کے لئے مثال اور نمونہ بنا کر پیش کیا گیا، ہم جنت وجہنم کے بارے میں بھی گفتگو نہیں کریں گے جو گزر گیا وہ اپنے عمل کے ساتھ گیا، امام ذہبی ''سِیَرُ اَعْلَامِ النُّبَلَاء'' میں فرماتے ہیں: ''ہم ایسے لوگوں کے بارے میں یہاں گفتگو کریں گے جو جنت کی طرف رخت سفر باندھ چکے ہیں۔'' لیکن ہمیں نہیں معلوم اس

لئے ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے کہ وہ جہنمی ہے، ممکن ہے اللہ اسے معاف کر دے۔

ہم یہاں جنت وجہنم اور کفر و اسلام کے بارے میں گفتگو نہیں کریں گے، ہم ان لوگوں کے افکار کے بارے میں گفتگو کریں گے جن کی وجہ سے اسلام کا چہرہ داغدار ہوا ہے، اور انہیں کی وجہ سے نوجوانان ملت کی تربیت میں برا اثر پڑا ہے، انہیں منحرف افکار اور گمراہ کن نظریات پر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ یہ لوگ اپنے اعمال کے ساتھ چلے گئے، اللہ ہی ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔

اب ہم یہاں ٹھہرتے ہیں، کل ان شاء اللہ حسن بنّا کے بارے میں پھر سید قطب کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

تھکان پر صبر کی ضرورت ہوتی ہے:

جیسا کہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جنت اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ تھکان کے پل سے گزر نہ جائے، جس نے راحت کو ترجیح دی وہ حقیقی راحت سے محروم رہا۔''

بعض حکیموں کا کہنا ہے: ''جو تکیہ کو لازم پکڑ بیٹھ گیا اسے سیادت کبھی نہیں مل سکتی۔'' یعنی جو آرام پسند ہو گیا، جیسا کہ شیخ عبدالرحمٰن نے کہا کہ جو نیند میں پڑ گیا، ہنسنے ہنسانے کی مجلس میں پڑ گیا اور ان مجلسوں میں پڑ گیا جہاں کوئی علم نہیں وہ کبھی بھی سرداری اور رہبری کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا، وہ تکیہ ہی پر پڑا رہے گا، اس لئے تھکان اٹھانے کی ضرورت ہے۔

وہ شخصیات جنہوں نے اسلام کے مفہوم ومنہج کو بدل ڈالا:

’’حسن بنّا‘‘

الحمدُ للهِ ربِّ العالَمِين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

آج بروز منگل کی مجلسوں میں سے یہ چوتھی مجلس ہے، اور جزیرہ لومبوک کے اندر اس علمی دورے کے ایام میں سے یہ تیسرا دن ہے، جس کے اندر ’’**منہج سلف کا تحقیقی جائزہ**‘‘ کے عنوان سے گفتگو ہو رہی ہے، یہ وقت خاص ہے ایسے موضوع کے لئے جو طالب علموں کے لئے مفید ہو اور اس سے حالات کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں، اور وہ ہے: ’’**وہ شخصیات جنہوں نے اسلام کے مفہوم ومنہج کو بدل ڈالا**‘‘۔

یعنی ایسی شخصیات جنہیں دنیا کے سامنے آئیڈیل اور نمونہ بنا کر پیش کیا گیا حالانکہ حقیقت میں یہ ایسے افکار کے حامل تھے جو منہج سلف کے مخالف ہیں، انہوں نے اسلام کی طرف ایسے افکار کو منسوب کر دیا جن سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں، ہم نے جمال الدین افغانی پر پچھلی مجلس میں گفتگو کی، اس لئے کہ اس شخص نے موجودہ دور میں اسلام کے چہرے کو بگاڑنے میں سب سے زیادہ کوشش کی ہے، اور اخوان المسلمین کے ظہور میں اس کا بڑا اثر رہا ہے، اور آپ دیکھیں گے کہ ہم اگلی شخصیتوں کے بارے میں جو باتیں بیان کریں گے ان کا ذکر جمال الدین افغانی کے بارے میں گزر چکا ہوگا، اس لئے یہ بندہ ان کے لئے اصل کی حیثیت رکھتا ہے، اور باقی سب کے سب اسی کی شاخ اور اسی سے تمام افکار اور طریقوں کو حاصل کیا ہے۔

* **دوسری شخصیت جس کے بارے میں یہاں ہم گفتگو کریں گے وہ ہے:** حسن بنّا کی شخصیت، جنہوں نے اخوان المسلمین کی جماعت بنائی ہے، اس جماعت کے یہاں جنہیں امام اکبر سمجھا جاتا ہے، یہی ان کے مقتدیٰ اور آئیڈیل ہیں۔

حسن بنّا کا نام: حسن بن احمد بن عبد الرحمٰن محمد بنّا ساعاتی۔

* ان کی پیدائش 1906ء میں ہوئی، پرورش صوفیوں کی گود میں ہوئی، بچپن ہی سے حصافی صوفی طریقے سے منسوب رہے، اور اسی طریقے کی طرف دعوت دینے میں معروف تھے۔

* 1927 ء میں مدرسہ دارالعلوم سے فارغ ہوئے، اور مصر کے ایک شہر میں مدرس ہوگئے، اسی دوران ان کے اندر جماعت کی بنیاد رکھنے کی فکر پیدا ہوئی۔

* 1928 ء کے اندر انہوں نے اخوان المسلمین واخوات المسلمات کی بنیاد ڈالی، کیونکہ پہلے مردوں سے شروع کیا پھر عورتوں کی ایک شاخ بنائی، اور یہ شاخ 1932 ء میں بنائی تھی۔

* پھر اسماعیلیہ شہر سے قاہرہ منتقل ہوگئے، اور اخوانیوں کا مرکز عام قاہرہ میں منتقل ہوگیا، اور تمام دنیا میں اخوانیوں کو اسی مرکز سے متحرک رکھا جاتا ہے، کوئی بھی اخوانی کہیں بھی ہو اسی مرکز سے اشارہ کے بعد حرکت کرتا ہے۔

اخوان المسلمین کا عقیدہ حکام کی مخالفت اور حاکمیت کے مسئلہ پر قائم ہے جیسا کہ ہم نے منہج سلف کے مخالف منحرف فرقوں کے بارے میں تذکرہ کیا تھا، اخوان المسلمین کی تحریک نے زیادہ کوشش کتابوں، رسالوں اور اخبارات میں اپنی فکر کی ترویج میں صرف کی، چنانچہ سب سے پہلی کتاب جو انہوں نے چھاپی اس کا نام ہے: ''القانون الأساسي للاخوان المسلمين'' جس کے اندر اخوانی اصول پائے جاتے ہیں، اور حقیقت میں یہی کتاب ان کے لئے دستور کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے علاوہ انہوں نے اخبارات ومجلات بھی شائع کئے، ان کا ایک خاص مجلہ جس کا نام ہے: ''جماعة الاخوان المسلمين'' یہ سب حسن بنّا کے حکم سے ہوتا تھا۔

حسن بنّا طالب علموں کو اپنا ہدف بناتے تھے، اور آج یہی اخوانی طالب علموں ہی کو اپنا ہدف بناتے ہیں، اس کے لئے یہ مدارس میں اپنے خاص لیڈر بناتے ہیں، بطور خاص متوسطہ کے آخر کے اور ثانویہ کے شروع کے طلبہ کو لیتے ہیں، کیونکہ یہ عمر نوخیزی کی ہوتی ہے بطور خاص ثانویہ کا مرحلہ، یہاں تک کہ مملکت سعودی عرب میں بعض اخوانیوں کو جامعات میں پڑھانے کا موقع ملا، مگر انہوں نے ترقی نہیں لی اور ثانوی مدرسے ہی میں پڑھانا جاری رکھا کیونکہ یہاں پر جماعت کے لئے لیڈر بنانا اور مردم سازی کرنا آسان ہوتا ہے۔

اور حسن بنّا کا پہلا خطاب جو انہوں نے جماعت کے منہج پر کیا تھا انہیں طلبہ پر کیا تھا سنہ 1356 ھ میں یعنی 1938 ء میں۔

* **حسن بنّا کے پاس سیاسی سرگرمی بھی تھی:** چنانچہ موصوف نے پارلیمانی انتخابات میں حصہ لیا پھر ترک کردیا، موصوف اخوان المسلمین کے لئے دفاعی ٹکڑی بنانے کے بہت حریص تھے، استعماری ملکوں کے ساتھ ان کے مشتبہ تعلقات بھی تھے، اور اخوانی آج بھی کافر ممالک سے اچھے تعلقات بنا کر رکھے ہوئے ہیں، جبکہ بظاہر ان پر ہلّہ

بولتے ہیں بالکل صوفیوں کی طرح۔

آج کے صوفی غیر اسلامی ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات بنانے کی وکالت کرتے ہیں تاکہ معتدل دین کی نشر و اشاعت کی جائے اور کٹر پنتھی کے خلاف لڑائی کی جائے، اور یہ کٹر پنتھی سے کیا مراد لیتے ہیں سب کو پتہ ہے، وہ آج یہ فخر سے کہتے ہیں کہ ہم جفری کے ساتھ ایک وفد میں امریکہ گئے تھے، اور امریکی کانگریس کی مجلس میں صف اول میں تھے، اسی طرح یہ وزارت خارجہ کے اندر بھی صف اول میں ہوتے ہیں، اور کٹر پنتھی کے خلاف لڑنے کے نام پر ان کے ساتھ تعاون کرنے پر اتفاق کرتے ہیں، اور انہیں یہ باور کراتے ہیں کہ صوفیت ہی معتدل دین ہے۔

اور یہی حقیقت ہے کہ جو بھی منہج سلف سے منحرف ہوا ہے وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی گود میں جا گرا ہے، گرچہ بظاہر ان سے اپنی دشمنی کا اظہار کرے، چنانچہ حسن بنّا خود امریکہ و یورپ کے سفیروں سے ملاقات کرتے تھے، جیسا کہ برطانوی سفارت خانے کے مندوب سے ملاقات کی تھی، جس نے علی الاعلان کہا کہ اخوان المسلمین کا احترام ضروری ہے۔

حسن بنّا کو اخوان المسلمین کی جمعیت ہی کے سامنے قتل کیا گیا، یہ حادثہ 1949ء میں پیش آیا لیکن وہ اپنے پیچھے ایک جماعت چھوڑ گئے جو انہیں کے منہج اور فکر پر قائم ہے۔

٭حسن بنّا سیاسی صفات سے متصف تھے: انہیں صفات میں سے ایک تلون مزاجی ہے، چنانچہ موصوف ہر مرحلے میں حالات کے تقاضے کے حساب سے بدلتے رہتے تھے، اور اسی حساب سے اپنے اسلوب کو بھی بدل لیتے تھے، اور اس میں بتدریج عمل پیرا رہتے تھے، اور یہ حسن بنّا کے خطابات اور ان کے طریقوں سے بالکل واضح ہے۔

اور اس چیز پر یہ دلالت کرتی ہے کہ اخوان المسلمین کو شروع میں جمعیت کے طور پر قائم کیا گیا جو کہ ایک دینی تنظیم تھی اس کا سیاست سے کچھ لینا دینا نہیں تھا، بلکہ اس جمعیت کے دستور میں ایک آرٹیکل کے مطابق اسے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے منع کیا گیا تھا لیکن 1935ء میں حسن بنّا نے اس آرٹیکل کو ختم کر دیا، اور یہ وہ دوسرا آرٹیکل تھا اس قانون کا جو اخوانیوں کو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روکتا تھا۔

اور آرٹیکل کی یہ منسوخی حسن بنّا کے بدست عمل میں آئی، جو اس بات کا صریح اعلان تھا کہ یہ جماعت اب سیاسی تنظیم میں بدلنے والی ہے، اور حکومت و اقتدار تک پہنچنے کے لئے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے والی ہے، یعنی شروع میں یہ کہتے تھے: ہم ایک سماجی ثقافتی تربیتی جماعت ہیں، پھر اس آرٹیکل کو منسوخ کر دیا اور سیاسی جماعت میں بدل گئے۔

حسن بنّا نے 1936ء کے اندر ایک کتاب لکھی جس کا نام ''التعریف باخوان المسلمین'' رکھا، اور اس کے

اندر کہا: ’’اخوان المسلمین کا مقصد عالم اسلامی کو بیدار کرنا اور اسلام کے صحیح اصولوں پر اس کی رہنمائی کرنا ہے، تاکہ امت اسلامیہ کی زندگی کے تمام مظاہر اسلام کے صحیح قواعد سے مربوط ہو جائیں، اور اخوان المسلمین اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تربیت اور ثقافت پر بھروسہ کرتے ہیں۔‘‘ حالانکہ یہ ایک خیال ہے تاکہ اسے بنیاد بنا کر اخوانی فکر کو رواج دیا جائے، ورنہ جیسا کہ سنا گیا ہے یہ جیسے ہی سیاسی میدان میں آئے ہیں اس وقت ان کے لئے سب کچھ منسوخ کرنا روا ہو گیا تاکہ اپنے افکار و نظریات پر مزعومہ اسلامی حکومت کو قائم کیا جائے۔

حسن بنّا نے جس وقت اس آرٹیکل کو منسوخ کیا جو اخوانیوں کو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روکتا تھا، اس کی صراحت فوری طور پر نہیں کی تھی، بلکہ اشاروں اور کنایوں میں بہت مرتبہ اس طرف اشارہ دے چکے تھے لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی یہاں تک کہ اچانک اس کی منسوخی کا اعلان کیا۔

جس وقت اس کی منسوخی کا اعلان کیا اس وقت یہ جانتے تھے کہ لوگ کہیں گے: ہم تو ایک ثقافتی اور تربیتی جماعت ہیں، مسلمانوں کو صحیح اصولوں کی روشنی میں ترقی دینے کے لئے برپا کئے گئے ہیں، اسی لئے حسن بنّا نے ایک سیاسی خطاب میں کہا: ’’بعض لوگ اس محفل سے جانے کے بعد کہیں گے: اخوان المسلمین نے اپنے بنیادی اصولوں کو چھوڑ دیا ہے، اور اب ایک سیاسی جماعت بن چکی ہے جبکہ وہ ایک دینی جمعیت تھی، پھر ہر کوئی اس کی تاویل اپنے اپنے انداز میں کرے گا، جبکہ اللہ کو معلوم ہے کہ اخوانی کبھی بھی غیر سیاسی نہیں تھے۔‘‘

یعنی یہ شروع ایام ہی سے سیاسی تھے، البتہ تلون اور فریب پر بھروسہ کرتے تھے، چنانچہ شروع میں یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک تربیتی ثقافتی دینی جمعیت ہیں، لیکن غور کریں اب کیا کہہ رہے ہیں: ’’اللہ کو معلوم ہے کہ اخوانی کبھی بھی غیر سیاسی نہیں تھے اور ان کی دعوت نے کبھی بھی سیاست اور دین میں فرق نہیں کیا۔‘‘

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی دعوت نے دین ہی کو سیاست بنا دیا ہے، اور اپنا مقصد وحید سیاست کو بنا رکھا ہے، بلکہ ہم نے مودودی سے سن رکھا ہے کہ انبیاء و رُسل کی بعثت کا مقصد ہی حکومت و انقلاب کو برپا کرنا ہے۔

اور یہ بھی کہا: ’’اسلام نے امت کی حکومت کو ثابت کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے، اور یہ وصیت کی ہے کہ ہر مسلمان نگراں ہے اپنی حکومت کے تمام تصرفات پر، جو اسے نصیحت کرے گا، اس کا تعاون کرے گا اور اس کا حساب لے گا۔‘‘

یعنی یہ لوگوں کو حکمرانوں کا نگراں بنا رہے ہیں جو کہ سیاسی مسئلہ ہیں، اور یہی چیز خروج و بغاوت اور انقلاب کی تمہید ہے۔

ان کے اقوال میں سے یہ بھی ہے: ’’اور اسی وجہ سے اس فوجی ٹکڑی نے حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت کی تھی

اور اس سے جنگ لڑی تھی ابن الاشعث کی قیادت میں جسے کتیبۃ الفقہاء سے جانا جاتا ہے۔" اس کے اندر فاسق حاکم کے خلاف خروج وانقلاب کی صریح دعوت ہے۔

ایک بار اخوانیوں نے حسن بنّا کی صدارت میں کانفرنس کا انعقاد کیا اور اس کے اندر تمام اسلامی تنظیموں سے سیاست میں عملی پیمانے پر شرکت کی دعوت دی، اور یہ کہ عالم اسلامی کے اندر ان سیاسی تحریکوں کا ایک اتحاد قائم ہو، اسی وقت سے حسن بنّا کے نزدیک سیاسی فکر پیدا ہوئی، اور پھر اس کے بعد اس تنظیم کا مقصد نہ ثقافتی رہا نہ تربیتی اور نہ دینی۔

محمود عبدالحلیم کہتے ہیں: "جس وقت جماعت کی طاقت مضبوط ہوگئی تو دوسری عالمی جنگ کے بعد حسن بنّا اپنی آواز بلند کرنے لگے اور پہلی بار 1357 ہجری کے اندر پانچویں کانفرنس میں لوگوں کے سامنے اپنے خطاب میں اخوان المسلمین کے موقف کو داخلی اور خارجی ہر دو پیمانے پر واضح کیا اور اس خطاب کے اندر مصری سیاست دانوں کا بھی ذکر کیا۔"

حسن بنّا نے ایک میگزین بھی نکالا جس کا نام "النذیر" رکھا، اور اس کے مقدمے میں لکھا: "جس وقت اخوان المسلمین کی یہ دعوتی تنظیم قائم ہوئی تھی اس وقت مصر کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا، اس پر غاصب حکمران قابض تھے، استعماری ممالک حکومت کرتے تھے، جبکہ مصری اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے تھے، اس وقت سیاسی جماعتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی، اس وقت اخوان المسلمین نے بھی اس میدان میں قدم نہیں رکھا تھا بلکہ امت کی تربیت، ان کے دلوں کا تزکیہ، روحوں کی تطہیر وغیرہ میں مصروف تھے، یہ ایک مرحلہ تھا جسے اخوان المسلمین نے سلامتی کے ساتھ پورا کیا۔"، یعنی یہ ایک مرحلہ تھا یہ کوئی ہدف اور مقصد نہیں تھا۔

یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ پھر تمہارا دوسرا مرحلہ کیا ہے؟ غور سے سنیں، مقدمہ میں کیا کہہ رہے ہیں یہ لوگ: "اس کے بعد ہم عام دعوت سے خاص دعوت کی طرف منتقل ہوں گے، انفرادی دعوت سے ایسی دعوت کی طرف منتقل ہوں گے جس کے اندر کلام کے ساتھ جنگ و جدال بھی ہوگا، اور ہم اپنی دعوت کو ملک کے رہنماؤں اور حکمرانوں تک پہنچائیں گے، اور انہیں بھی اپنے مناہج کی طرف دعوت دیں گے، اور ان کے سامنے اپنے پروگرام کو رکھیں گے، اور ان سے مطالبہ کریں گے کہ اس مسلم ملک کو بلکہ تمام اسلامی علاقوں کو اسلام کے طریقے پر چلاؤ - ان کے افکار کے اعتبار سے - اور یہ مسئلہ ہم پوری جرأت سے اٹھائیں گے، پوری وضاحت سے جس میں کوئی شبہ نہیں ہوگا، ہم اس وقت ہر اس لیڈر اور حاکم کے خلاف جنگ برپا کریں گے جو اسلام کی نصرت کے لئے کھڑا نہیں ہوگا۔"

مطلب ان کی سوچ اور فکر کے اعتبار سے کوئی اسلام کی نصرت کے لئے کھڑا نہ ہو، کیونکہ یہ ملک عبدالعزیز اور ان کی

اولاد کی حکومت کو اسلامی نہیں سمجھتے، جبکہ یہ لوگ شریعت کو قائم کرتے ہیں، توحید کو قائم کرتے ہیں، نصاب تعلیم میں ان کا منہج پورا پورا شریعت پر مبنی ہے، لیکن ان کے یہاں اسلام کی نصرت سے یہ مراد نہیں ہے، بلکہ سیاسی اسلام ہے جسے یہ لوگ مانتے ہیں۔

حسن بنّا کی وفات 1949ء میں ہوئی اور ان کے بعد بھی اخوان المسلمین کے قانون میں تبدیلی کی گئی اور اس میں حذف واضافہ کیا گیا تا کہ سیاسی سرگرمیوں میں پورے طور پر حصہ لیا جا سکے۔

حسن بنّا نے لوگوں کو اس جمعیت کے ذریعے دھوکے میں رکھا: چنانچہ شروع میں ظاہر کیا کہ یہ ایک صوفی جمعیت ہے، پھر یہ ظاہر کیا کہ یہ ایک تربیتی اور ثقافتی جمعیت ہے تا کہ لوگ اس کی حقیقت نہ جان سکیں۔

اسی لئے عباس حسن سیسی جو کہ جماعت کی مرکزی آفس کے ممبر تھے، کہتے ہیں: ''حقیقت یہی ہے کہ یہ دعوت لوگوں کے لئے مجہول تھی، کیونکہ لوگ اسے صوفی طریقوں میں سے ایک طریقہ سمجھتے تھے، یا اُن جمعیتوں میں سے ایک تقلیدی دینی جمعیت سمجھتے تھے، جو اس وقت مصر میں موجود تھیں جو صرف دینی سرگرمیوں تک محدود تھیں، سماجی میدان میں سرگرم نہیں تھیں، یہاں تک کہ اخوان المسلمین نے ''النذیر'' میگزین نکالنے کے لئے اجازت نامہ حاصل کیا، جو کہ ایک سیاسی ہفتہ واری میگزین تھا، اسی وقت سے اخوانیوں کا سیاسی رجحان معلوم ہوا کہ یہ ملک وملت کے لئے سیاسی میدان میں بھی آنا چاہتے ہیں۔'' اور یہ ساری فکر حسن بنّا کی تھی۔

حسن بنّا کے افکار باطلہ میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا ہدف خلافت یعنی حکومت کا قیام ہے، چنانچہ ابتداء پہلے اسی ہدف سے ہونا چاہئے یعنی خلافت کو قائم کرنا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی حسن بنّا کی فکر کو پڑھے گا اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ حکومت ہی ان کے نزدیک اوّل اور آخر تھی۔

حسن بنّا کہتے ہیں: ''اخوان المسلمین قیام خلافت اور اس کے لیے کوشش کو اپنے بنیادی منہج میں شامل کرتے ہیں۔'' اور بعد میں آنے والے مرشدوں نے بھی اس مسئلے کو ثابت کیا، اور حسن بنّا کے آراء میں سے یہ بھی ہے کہ سیاست میں کام کرنا ایک مسلمان کے لئے کمال دین ہے، اور جو سیاسی میدان میں نہ ہو اس کا دین ناقص ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی موصوف نے بہت کچھ کہا ہے اس باب میں۔

اور جیسا کہ ہم نے جمال الدین افغانی کے بارے میں بتایا بالکل اسی طرح حسن بنّا کے یہاں بھی سیاست اور خلافت کے باب میں غلو پایا جاتا ہے، چنانچہ یہ اپنے افکار پر مبنی خلافت کے قیام کی وجہ سے تمام مسلم حکمرانوں پر حملہ

بولتے ہیں:

حسن بنّا کہتے ہیں: ’’اس وقت مسلمانوں کا کوئی امام یعنی شرعی حاکم نہیں ہے، آؤ اس وقت ہم سب کچھ بھول جاتے ہیں، آؤ آج ہم اسلامی سرزمین کو آزاد کرانے کے لئے بڑے مسئلے (خلافت وحکومت) کے سامنے ہر چیز کو معطل کر دیتے ہیں، اور اسی کو اپنا پہلا مقصد بنا لیتے ہیں، کیونکہ اسلامی حکومت کے بغیر کہ جس سے اللہ کی شریعت محفوظ رہتی ہے، مسلمانوں کے یہاں کسی نظام اور احکام کا تصور نہیں۔‘‘

اور اس کے لئے اخوان المسلمین کے یہاں بیعت کا تصور ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، لیکن یہ بیعت عام لوگوں کے لئے نہیں ہوتی، یہ ایک بدعتی بیعت ہے، یہ شرعی بیعت کا انکار کرتے ہیں جو کہ ایک مسلم ملک کے اندر مسلم حکمران کے لئے ہوتا ہے، مثلاً زینب غزالی کہتی ہے: ’’میں نے استاد بنّا سے ملاقات کی، اس حال میں کی ہم سیڑھی پر چڑھ رہے تھے، اور میں نے ان سے بیعت کرتے ہوئے کہا: ’’**اللهم إني أبايعك على العمل لقيام دولة الإسلام، وأرخص ما أقدمه في سبيل دمي**‘‘ یعنی الٰہی! میں تجھ سے اسلامی حکومت کے قیام کے لئے بیعت کرتی ہوں، اور اس راستے میں اپنے خون کو سستا مانتی ہوں۔ اس کے بعد حسن بنّا نے کہا: میں نے بیعت قبول کی۔ چنانچہ حسن بنّا بیعت کا حکم دیتے تھے اور اسے لازم مانتے تھے، جو کہ ایک غیر شرعی بدعتی بیعت تھی۔

چونکہ حسن بنّا حکام پر طعن وتشنیع کرتے تھے اور انہیں شرعی حاکم نہیں سمجھتے تھے، بلکہ انہیں مسلمانوں کا حاکم ہی تصور نہیں کرتے تھے، اور یہ فکر بعد میں اخوانیوں پر غالب رہی۔

حسن بنّا کا عقیدہ تھا کہ حکام کے خلاف بغاوت اور خروج کرنا اور انہیں دین سے نکالنا جائز ہے، جو کہ شرعی دلیلوں کے بالکل برخلاف ہے:

چنانچہ حسن بنّا کہتے ہیں: ’’حکومت اگر کوتاہی سے کام لے تو اسے نصیحت کی جائے گی پھر اسے اکھاڑ پھینکا جائے گا۔‘‘ یعنی اگر ہماری بات نہیں مانتے تو ہم بغاوت کریں گے اور حاکم کو اکھاڑ پھینکیں گے، اسی لئے حسن بنّا اور بعد میں اخوان المسلمین نے یہ سمجھ لیا کہ حاکم اور محکوم کے درمیان کا تعلق جیسے اجارہ کا ہو، یعنی گویا لوگوں نے حاکم کو اجرت پر رکھا ہو، گویا وہ کوئی شرعی عقد اور بیعت نہیں ہے، وہ ایک اجرت کا عقد ہے، جو حاکم اور رعایا کے درمیان عمل میں آیا ہے، گویا حاکم ایک خادم ہے اور رعایا سردار، جبکہ معلوم رہے کہ اگر یہ عقیدہ عوام میں راسخ ہو جائے تو ایک آقا اپنے خادم کے ساتھ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، اگر اسے خادم پسند نہیں ہے تو بھگا دیتا ہے اور جب چاہتا ہے عقد توڑ لیتا ہے۔

حسن بنّا کہتے ہیں: ''اسلامی حکومت کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو امت کے حق میں ایک خادم اور مزدور کی طرح ادا کرے۔'' بعد میں اخوانی مفکرین نے اس عقیدے کو مزید راسخ کر دیا: حکام کے لئے حکومت ایک اجرت والا عقد ہے، کیونکہ یہ حکومت قوم کی ہے نہ کہ حاکم کی، اور اس عقد کو قوم اور حاکم کے درمیان مصلحت کے اعتبار سے ایک اختیاری عقد بنا دیا، گویا کہ آپ نے جیسے کسی مزدور کے ساتھ عقد کیا ہوتا کہ اس سے کوئی دیوار کی تعمیر کرا سکو لیکن کام کے دوران اس کا عمل پسند نہیں آیا تو آپ نے اس سے کہا کہ نکل جاؤ، یہی حال ان لوگوں نے حاکم اور رعایا کا بنا دیا ہے، جبکہ یہ شرعی دلیلوں کے سراسر مخالف ہے۔

حکام کو گرانے اور ان کے خلاف خروج کرنے سے متعلق ان کے کلام بہت ہیں، اور حسن بنا نے علانیہ طور پر حکام کے خلاف بولنے کی سوچ پیدا کی ہے، یہ فاسد منہج شرعی منہج کے خلاف ہے اور حکام کے ساتھ تعامل کے مسئلے میں منہج سلف کے بھی خلاف ہے۔

حسن بنّا میگزین ''النذیر'' کے پانچویں شمارے کے مقدمے میں کہتے ہیں: ''لیڈران قوم وملت اور حکومت و اقتدار کے عہدوں کے متلاشی! جب تک تمہارے ارادے کمزور اور عزائم پست ہیں، تب تک مصر تمہارے ہاتھوں ٹھیک نہیں ہوسکتا، اور جب تک تم اس وطن سے زیادہ اپنی ذات سے محبت کرو گے اور اس امت کی مصلحت کو چھوڑ کر اپنی شخصی مصلحتوں کے لئے زیادہ کام کرو گے، خواہشات کی عمیق کھائی میں ٹامک ٹوئیاں مارو گے اور اللہ کے مقابلے لوگوں سے زیادہ ڈرو گے، اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلے انگریزوں، اجانب اور غیر مسلموں سے رسم وراہ بناؤ گے، اس وقت تک مصر تمہارے ہاتھوں ترقی نہیں کرسکتا، اور تم چھوٹی بڑی کوئی امید اور آرزو پوری نہیں کر سکتے، اس لئے تم خود کو معذور سمجھو، اور لوگو! ایک علم بلند کرو جس کے نیچے وزراء اور حکام سب کو بلاؤ، اگر وہ آتے ہیں تو بہتر ہے، اگر نہیں آتے تو ان سے جہاد کرو۔''

اسی طرح علانیہ طور پر حکام کے خلاف طعن و تشنیع کی بنیاد رکھی، میڈیا کے اندر، اخبارات و رسائل کے اندر جس میں حکام کو کھلی دھمکیاں ہوتی تھیں، یہیں سے اخوانیوں کے اندر خروج کی ابتداء ہوئی اور اس کی بنیاد پڑی، اس طرح کے کلام بہت مل جائیں گے موصوف کی تحریروں اور خطابات میں۔

حسن بنّا کے باطل افکار میں ایک فکر: جمال الدین افغانی کی طرح تکفیر بھی ہے، اور آج ہم نے بیان کیا کہ اخوانی جماعت ایک تکفیری جماعت ہے اپنی بنیاد ہی سے، یہ تکفیر کی سوچ سید قطب کی سوچ نہیں ہے بلکہ ان سے پہلے سے

موجود ہے، جیسا کہ میں نے حسن بنّا کے کلام کو پیش کیا۔

مسلم سماج کے تعلق سے اخوانیوں کی بری سوچ کی بنیاد بھی حسن بنّا ہی نے رکھی ہے کہ آج کا سماج فاسد سماج ہے، انہوں نے ہی اسے ثابت کیا ہے اور پھر یہ باطل فکر اس جماعت کا حصہ بن گئی۔

مثلاً حسن بنّا کہتے ہیں: ''مصری قوم کے اندر فساد کے مظاہر ہر چہار جانب پائے جاتے ہیں، میں اس کی تفصیل بیان کرنے سے قاصر ہوں۔'' انہوں نے یہ بھی کہا: ''ہمیں معلوم ہے کہ زنا کا ارتکاب مصر کے اندر خلوت وجلوت ہر حال میں کیا جارہا ہے، اور شراب شب و روز کھلے عام پی جارہی ہے۔'' ہم اس کا انکار نہیں کرتے مگر ہم کہتے ہیں: یہ سماج کے تعلق سے گری ہوئی سوچ ہے، کہ سماج کی حقیقت اور اس کی اصلیت کو گمراہی قرار دے دیا جائے، اس طرح کہہ کر گویا سماج کا کوئی بدیل پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

ایسا کہہ کر گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اخوان المسلمین شعوری طور پر سماج سے کٹ کر جی رہے ہیں، سماج کے اندر گرچہ ہیں مگر ان کا حصہ نہیں ہیں، پھر یہ اخوانی اس موجودہ سماج کے مقابلے میں ایک دوسرے سماج کی بات کرتے ہیں، گویا یہ پہلے: سماج کے بگاڑ اور فساد کو ظاہر کرتے ہیں، پھر اپنے پیروکاروں کو اس سماج سے الگ تھلگ بتانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ شعوری طور پر اس سماج سے الگ محسوس کریں پھر ہجرت کی بات کرتے ہیں اور پھر آخر میں اس سماج کی جگہ نئے سماج کو لانے کے لئے مسلح کوشش کرتے ہیں۔

ایک جگہ حسن بنّا مصر کے اندر لوگوں کی تصویرکشی کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''مجھے محسوس ہورہا ہے کہ لوگوں کے اندر سے شرف و کرامت کا شعور ختم ہوگیا ہے، ان کے دل پتھر ہوچکے ہیں، وہ کسی جرم کو برا نہیں سمجھتے، کسی برائی کے خلاف کھڑے نہیں ہوتے، وہ میکانیکل آلات میں تبدیل ہوچکے ہیں جو بغیر عقل اور جذبات کے حرکت کررہے ہیں، بغیر کسی مقصد اور ہدایت کے چل رہے ہیں، برائیوں سے مانوس ہوچکے ہیں، فواحش و منکرات میں لت پت ہوئے پڑے ہیں، شہوتوں کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان کے ذہن و دماغ میں گندگیاں بھری ہوئی ہیں۔''

موصوف کی تعبیر دیکھیں ''**مجھے محسوس ہورہا ہے**'' سماج کی تصویر اس طرح گندی سوچ سے کررہے ہیں محض اس لئے تاکہ اس موجود سماج کے مقابلے ایک دوسرا سماج لایا جائے، اور اسے خروج کی تمہید بنارہے ہیں، اس طرح کی فکر اور سوچ حسن بنّا کے یہاں پائی جاتی تھی، جو بعد میں فطری طور پر اخوانیوں کے یہاں منتقل ہوگئی، اور میں نے یہ بیان کیا کہ تکفیر کی سوچ حسن بنّا ہی نے رکھی ہے، اسی طرح یہ بھی بیان کیا کہ انہوں نے کہا: ''قدیم زمانے میں عربوں نے ایسے بتوں

کی پرستش کی تھی جو کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں تھے،اور آج ہم لیڈران کی شکل میں بتوں کی پرستش کر رہے ہیں۔''

اور جب مصر کے وریز اعظم نے لندن کے اندر خطاب کیا اور اپنے خطاب میں یہ بھی کہہ دیا کہ میں مصر کا وزیر اعظم ہوں فلسطین کا نہیں، تو اس وقت انہوں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''مصر کے وزیر اعظم! میں آپ سے اس کلمے کے واپس لینے کا مطالبہ نہیں کروں گا، بلکہ اس سے پہلے بغیر کسی غلو اور اسراف کے تم سے مطالبہ کروں گا کہ اپنے اسلام کی تجدید کرلو۔'' حالانکہ اس نے کوئی غلط بات نہیں کی تھی کہ جس کی وجہ سے وہ کافر ہوجائے، وہ حقیقت میں مصر کا ہی وزیر اعظم تھا نہ کہ فلسطین کا، اس سے ثابت ہوا کہ:

* حسن بنّا تکفیری منہج پر تھے۔ اور لوگوں کی تکفیر کرتے تھے۔

* وہ اغواء کے منہج پر بھی تھے۔ اسی لئے انہوں نے ایک پُراسرار فدائی مسلح تنظیم کی بنیاد ڈالی تھی۔

* حسن بنّا یہ سمجھتے تھے کہ سید قطب کے افکار اخوان المسلمین کے افکار ہیں، کیونکہ انہوں نے جب یہ سید قطب کی کتاب ''العدالة الاجتماعية'' کا مطالعہ کیا تو کہا: یہ ہمارے افکار ہیں۔

حسن بنّا ہی نے اخوان المسلمین جماعت کے ساتھ تعصب کی بنیاد ڈالی اور اس جماعت کے سربراہوں کے ساتھ مطلق سمع وطاعت کو واجب قرار دیا، اس تعلق سے ان کے خطابات اور بیانات بہت زیادہ ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے اخوانی فکر ہی کو معیار قرار دے دیا جس پر لوگوں کو جانچا جائے:

مثلاً وہ کہتے ہیں: ''اس دور میں جتنی تنظیمیں پائی جاتی ہیں ان سب کو ہم اپنی دعوت کے معیار پر جانچیں گے، جو اس کے موافق ہوگی اسے خوش آمدید، اور جو مخالف ہوگی اس سے ہم بری ہیں۔'' حقیقت میں یہی ان کا منہج ہے، چنانچہ ان کے نزدیک ولاء اور تعریف صرف جماعت کے ساتھ ہے نہ کہ دین کے ساتھ، اور بغض وبراء جماعت کے مخالفین کے ساتھ ہے نہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ، اسی فکر کو حسن بنّا نے اخوانیوں کے اندر راسخ کیا ہے۔

یہ چند افکار باطلہ تھے جن پر حسن بنّا تھے اور جن کو اخوان المسلمین کے اندر راسخ کیا، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ میں نے اخوان المسلمین کے خطروں کو بیان کیا ان سب کی بنیاد حسن بنّا نے ڈالی ہے جس نے اسلام کے چہرے کو بدنما کیا ہے اور اسلام کی طرف ایسی چیزوں کو منسوب کیا جن کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اب یہاں ہم ٹھہرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وہ شخصیات جنہوں نے اسلام کے مفہوم ومنہج کو بدل ڈالا:

''سید قطب''

الحمدُ للهِ ربِّ العالمَين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

یہ جمعہ کی آخری مجلس ہے، ساتھ اس علمی دورے کی بھی آخری مجلس ہے، دعا گو ہوں کہ اللہ عزّ وجل اسے ہمارے لئے دنیا وآخرت ہر جگہ خیر و برکت بنائے، جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس مجلس کو ہم نے ان شخصیات کے لئے خاص کیا ہے جنہیں امت مسلمہ کے لئے آئیڈیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں یہ فکری انحراف کا شکار ہیں اور ان کی وجہ سے دین اسلام بدنام ہوا ہے۔

ہم اپنی گفتگو کو ان شخصیات میں سید قطب پر ختم کریں گے، یہ وہ شخصیت ہے جس کا سیاسی تکفیری انقلابی بغاوتی فکر میں سب سے زیادہ اثر رہا ہے، اس کے منحرف افکار کا اثر چوطرفہ ہوا ہے، لیکن یہ معلوم رہے کہ ہم ان شخصیات کو ذاتی طور پر نہیں دیکھیں گے بلکہ ان کے افکار کا دراسہ کریں گے۔

سید قطب کا نام: سید قطب ابراہیم شاذلی، مصر کے شہر اسیوط کے اندر 1324ھ میں پیدا ہوئے، قاہرہ کے اندر دار العلوم میں پڑھائی کی، موصوف جوانی ہی سے انقلابات اور بغاوت سے محبت رکھتے تھے، چنانچہ 1919ء کے انقلاب میں شریک ہوئے، شروع میں موصوف مشہور ادیب عباس محمود عقاد کے شاگرد تھے، کافی زمانے تک عقاد کے ساتھ رہے اور ان کے اسلوب سے کافی استفادہ کیا، اور اسی صحبت کا اثر تھا کہ خطابت وکتابت میں بلاغت کے اندر مہارت حاصل کی۔

اس وقت سید قطب ادب کا اہتمام کرتے تھے، اور ادبی مقالات لکھتے تھے مگر وہ مقالات بھی انقلابی عبارتوں سے خالی نہیں ہوتے تھے، چالیس کی دہائی میں ان کا رجحان بدلنے لگا، اور یورپین کلچر کا دلدادہ نظر آنے لگے، بلکہ عریانیت پر ایک مقالہ بھی لکھا، اور عریانیت کی طرف ایک وقت میں دعوت بھی دی۔

اخوانی مورخ محمود عبدالحلیم کہتے ہیں: ''اس وقت میں نے روزنامہ اہرام کے اندر سید قطب کا ایک مقالہ پڑھا جس

کے اندر انہوں نے صریح طور پر کھلی عریانیت کی طرف دعوت دی تھی، اور یہ کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اسی طرح ننگا رہیں جس طرح ان کی ماؤں نے انہیں پیدا کیا ہے۔" یہ اباحی فکر اس وقت یورپ کے بعض ممالک میں پائی جاتی تھی۔

پھر چالیس کی دہائی میں سید قطب کے اندر دینی رجحان پیدا ہوا، اور دینی مقالات لکھنا شروع کیا، بلکہ تفسیر قرآن پر کچھ مقالے لکھنا شروع کیا، 1953ء میں اخوان المسلمین سے جڑ گئے، جب کہ پہلے سے ہی اس جماعت کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے لیکن اب مرکزی آفس میں موصوف کو ممبر بنالیا گیا، اور اخوان المسلمین میگزین کا ایڈیٹر بنا دیا گیا، پھر بہت سے حادثات پیش آئے جن کے سبب سید قطب کو جیل جانا پڑا، آخر میں 1966ء کے اندر موصوف کو پھانسی دے دی گئی۔

سید قطب کے یہاں بہت سے منحرف افکار پائے جاتے تھے، جن کا خلاصہ سیاسی تکفیر ہے، پچھلی شخصیات کی طرح، لیکن اس باب میں موصوف کا اثر سب سے زیادہ رہا ہے، کیونکہ موصوف کی کتابیں سب سے زیادہ پھیلی ہیں، اخوانیوں نے ان کی کتابوں کو لاکھوں کی تعداد میں چھاپا ہے، حتیٰ کہ فری میں ان کی کتابیں تقسیم کی گئی ہیں، سعودی جامعات اور مدارس میں ان کی کتابیں فری میں بچوں کو دی جاتی تھیں، مسابقات میں بطور انعام دی جاتی تھیں۔

سید قطب حکومت وسیاست کے مسئلے میں بالکل مودودی کے نقش قدم پر تھے، بلکہ انہوں نے حاکمیت کو "**لا الہ الا اللہ**" کا مظہر قرار دے دیا اور کہا: "اللہ کا دین محض وحی کے مطابق حکومت کرنے کا نام ہے۔" مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ حکومت وسیادت کو اپنی فکر کے حساب سے سمجھتے ہیں، چنانچہ حکومت کا مطلب ان کے یہاں شریعت کا نفاذ نہیں بلکہ اقتدار کی کرسی تک پہنچنا ہوتا ہے، یہ نہ تو توحید کی طرف دعوت دیتے ہیں نہ ہی دین کے مخالف امور سے منع کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ انہوں نے جب مصر کی حکومت سنبھالی، اس وقت شریعت کو معطل کر رکھا تھا اور کہا تھا کہ یہ سب فقہی موشگافی ہے، نعوذ باللہ- جبکہ نفاذ شریعت ہی کا نام لے کر حکومت میں آئے تھے۔

چنانچہ سید قطب کہتے ہیں: "اللہ کا دین محض وحی کے مطابق حکومت کرنے کا نام ہے، اللہ کے سلطان کا یہی مظہر ہے، اللہ کی حاکمیت کا مظہر، **لا الہ الا اللہ** کا مظہر۔"

مزید کہتے ہیں: "الوہیت کے خاص الخواص میں حاکمیت ہے۔" اسی لئے یہ توحید کی تفسیر حاکمیت سے کرتے ہیں، جیسا کہ ہم نے تبلیغی جماعت کے بارے میں کہا کہ وہ لوگ توحید اور کلمۂ توحید کی تفسیر ربوبیت سے کرتے ہیں کیونکہ توحید ربوبیت کو انہوں نے صحیح سے سمجھا ہی نہیں، اسی طرح یہ لوگ توحید اور کلمۂ طیبہ کی تفسیر حاکمیت سے کرتے ہیں، جبکہ

حاکمیت کیا ہے اسے یہ سمجھتے ہی نہیں، اگر مسئلہ حاکمیت کو خود انہیں پر لاگو کیا جائے تو ان کی تکفیر ہو جائے گی، لیکن چونکہ اہل سنت اہل عدل ہیں یہ حق کے موافق ہی فیصلہ کرتے ہیں۔

سید قطب نے بارہا یہ ذکر کیا ہے کہ شرک اعظم شرک حاکمیت ہے، اسی لئے انہوں نے مسلم سماج پر کلّی طور سے جاہلیت اور مسلم حکمرانوں پر طاغوت کا حکم لگایا ہے، مثلاً کہتے ہیں: ''جاہلی سماج کو اسلامی نظام کی طرف آنے میں یہی طواغیت مانع ہیں جو یہ نہیں چاہتے کہ حاکمیت اللہ کی ہو، اسی لئے وہ اس بات کے بھی مانع ہیں کہ انسانی زندگی میں ربوبیت ہو اور اللہ کی سرزمین میں صرف اللہ کی الوہیت ہو، اس طرح یہ اسلام سے مکمل طور پر نکل جاتے ہیں۔'' اس طرح آپ دیکھیں گے تو موصوف نے توحید ربوبیت اور توحید الوہیت بلکہ توحید کی ساری قسموں کو حاکمیت پر منحصر کر دیا ہے جبکہ یہ کتاب وسنت کے نصوص اور منہج سلف کی صریح مخالفت ہے۔

*‌**موصوف نے غلو کرتے ہوئے کہا کہ یہ سماج مسلم نہیں ہے:** موصوف سمجھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے اس وقت کوئی جگہ نہیں، آخر کیوں؟ کہتے ہیں: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلم سماج میں ہوتا ہے جبکہ اس وقت کوئی مسلم سماج نہیں ہے۔

چنانچہ کہتے ہیں: ''وہ تمام قرآنی نصوص جو امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے تعلق سے وارد ہوئی ہیں وہ سب ایک مسلم سماج میں ایک مسلمان کے واجب کو بتا رہی ہیں، لیکن اس جاہلی سماج میں جہاں اللہ کی شریعت پائی نہیں جاتی، یہاں تو سب سے بڑا نکیر اور واجب اللہ کی الوہیت کے جھنڈے کو بلند کرنا ہے۔'' الوہیت کے جھنڈے کو بلند کرنے سے مراد یہی ان کی فکر کے مطابق حاکمیت ہے، ان کے نزدیک پہلے اسی حاکمیت کا قیام ہے پھر جزئی چیزوں کی طرف جائیں گے، خواہ وہ کچھ بھی ہو جب تک حکومت قائم نہ ہو جائے لوگوں کو کسی بھی برائی سے نہ روکا جائے۔

کہتے ہیں: ''جزئی منکرات کے خاتمے کے لئے مخیّر اور نیک لوگوں کو اپنی کوشش صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' گویا اس میں کوئی فائدہ نہیں کہ آپ لوگوں سے کہیں: زنا نہ کرو، سودی کاروبار نہ کرو، قبروں پر سجدہ نہ کرو، یہ سارے مسائل جزئی ہیں، پہلے حکومت قائم کرو اور دعوت کو معطل کر دو۔

مزید کہتے ہیں: ''اس مرحلے میں فروعات کے پیچھے پڑنے کا وقت نہیں ہے، خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں -حاکمیت کے سوا سب ان کے یہاں فروعات ہیں- یہاں تک کہ وہ اللہ کے حدود ہی کیوں نہ ہوں، فروعات کے اندر ہر محنت ضائع ہوگی، ہر کوشش عبث ہوگی، اس وقت تمام منکرات میں سب سے بڑے منکر کے خاتمے کے لئے

کوشش کی ضرورت ہے۔“

مزید کہتے ہیں: ”جس وقت مسلم سماج ہوگا اس کے اندر اللہ کی شریعت نافذ ہوگی اسی وقت امر بالمعروف والنہی عن المنکر کی طرف دعوت دی جائے گی۔“

اس مسئلے میں موصوف نے کافی کلام کیا ہے حتیٰ کہ غلو کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ اس مرحلے میں دینی فتویٰ بھی نہیں دیا جاسکتا، لوگوں کو یونہی چھوڑ دو انہیں نہ بھلائی کی دعوت دو اور نہ انہیں برائی سے روکو، جب تک حکومت قائم نہ ہو جائے انہیں کوئی فتویٰ نہ دو۔

سید قطب کہتے ہیں: ”مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا جب کوئی اس وقت سماج کے کسی مشکل حالات کے بارے میں فتویٰ پوچھتا ہے، زمین میں جو کچھ ہو رہا ہے ان ساری چیزوں سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اس وقت کوئی بھی اپنی زندگی میں اسلام کو نافذ نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی اسلامی منہج کو اپنا منہج بناتا ہے، اور جو لوگ فتویٰ پوچھتے ہیں خواہ اچھی نیت سے یا بری نیت سے وہ ایک مذاق کے سوا کچھ نہیں، اور اسی طرح جو جواب دیتے ہیں خواہ اچھی نیت سے یا بری نیت سے اور دورِ حاضر کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، وہ ان سے زیادہ مذاق کر رہے ہیں۔“ گویا موصوف کی نظر میں فتویٰ پوچھنا مذاق ہے اور جواب دینا اس سے بھی بڑا مذاق ہے۔

کہتے ہیں: ”یہی منہج اسلام ہے، اس دین کے علماء میں سے جو اس منہج کو اختیار کرنا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ وہ اپنی زندگی میں پہلے اللہ کی شریعت کو نافذ کرے اور پھر کم از کم فتویٰ دینے اور کسی پر حکم لگانے سے خاموش رہے۔“

*** اس غلو کا نتیجہ حصول علم اور فقہ اور اجتہاد سب کو معطل کر دینا ہے:**

سید قطب کہتے ہیں: ”ایسے انسانی سماج میں جو خود اسلامی نہیں، فقہی و اسلامی احکام کے بارے میں گفتگو کرنا کوئی اچھی بات نہیں، بلکہ یہ اسلامی روح کے منافی ہے اور اسلامی منہج سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“ یہ ہے سید قطب کا نظریہ کہ اس وقت کوئی بھی اسلامی سماج نہیں ہے۔

بھائیو! ہم تو موصوف کے کلام کی روشنی میں ہر بات کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ آپ کو مل جائیں گے جو دھوکہ اور فریب دیتے ہوئے کہیں گے: یہ سب صحیح نہیں ہے، وہ تمام سماج پر حکم نہیں لگاتے، وہ صرف فاسد سماج کی بات کر رہے ہیں، جبکہ موصوف کے الفاظ بالکل صریح ہیں کہ وہ تمام مسلم سماج کو جاہلی ہی نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ دین کے امور کو معطل کرنے کی بات کر رہے ہیں اور مطالبہ کر رہے ہیں کہ ساری کوشش حکومت قائم کرنے میں لگا دو۔

کہتے ہیں: ”دین وشریعت کے جو لوگ فقہ اسلامی کو بڑھاوا دینے اور موجودہ دور میں اصلاحی کاز کی کوشش کر رہے ہیں وہ سب ہوا میں بیج ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں، آخر اس وقت اسلامی سماج ہے کہاں جس کے لئے اسلامی فقہ کے احکام کا استنباط کر رہے ہیں اس کے مشکلات کو حل کرنے کے لئے؟“

جب معاملہ اس طرح ہے تو موصوف نے تقلیدی فقہ کے مقابلے ایک نئے فقہ کی بنیاد ڈالنے کی طرف اشارہ کیا ہے، آخر یہ کون سا فقہ ہے جسے اس وقت حاصل کرنا چاہئے؟ وہ تحریکی فقہ ہے۔

چنانچہ سید قطب کہتے ہیں: ”تحریکی فقہ سے اوراق والا فقہ بے نیاز نہیں کر سکتا۔“ جس کو فقہ الواقع کہتے ہیں اور جو فقہ عام کا ہی ایک حصہ ہے اسے ان لوگوں نے نام بدل کر تحریکی فقہ کا نام دے دیا، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ گویا فقہ الواقع میں یہی ماہر ہیں۔

سید قطب کہتے ہیں: ”اللہ کا دین محض وحی کے مطابق حکومت کرنے کا نام ہے، اس وقت جس فقہ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ دور جاہلیت جدیدہ کا مقابلہ کرنے کے لئے نوجوان نسل کو بچایا جائے، اس کے لئے ہمیں یہاں ہر طرح کی کوشش اور اجتہاد کرنے کی ضرورت ہے، اور اسی فقہ کی ضرورت ہے، فقہ خاص کی اس وقت کوئی ضرورت نہیں جس کا تعلق نظام حکومت اور سماج کے استقرار کے بعد آتا ہے اور اس کا وقت ابھی نہیں آیا ہے، کیونکہ اس وقت اس سرزمین پر کوئی بھی مسلم حکومت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی مسلم سماج ہے جس کے اندر شریعت الٰہی اور فقہ اسلامی لاگو ہو۔“

اسی غلو کے نتیجے میں موصوف نے اپنے پیروکاروں کو ایک نئے سماج کی تشکیل کی طرف دعوت دی اور یہ کہ موجودہ سماج اور اس میں رہنے والے لوگوں سے الگ تھلگ ہو جائیں:

سید قطب کہتے ہیں: ”جاہلی سماج کے اندر ایک مسلمان اپنے عقیدے سے ممتاز ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اسلامی گروہ، اس کی قیادت اور اس کے ساتھ ولاء ومحبت کے ساتھ ممتاز رہے، اور اس میں اسے کوئی اختیار نہیں۔“

مزید کہتے ہیں: ”جو لوگ اپنے طرز پر لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ ایک مسلم قیادت میں تحریکی طور پر اکٹھا ہو جائیں اور اس جاہلی سماج اور اس کی جاہلی قیادت سے مکمل طور پر نکل جائیں۔“

بالکل واضح ہوا کہ موصوف کے نزدیک اس وقت کے حکام مسلمان نہیں ہیں، اس لئے انہیں حکام ہی نہیں کہا جائے گا، انہیں گرانا واجب ہے، اب جبکہ موصوف کے نزدیک فاسق حاکم کی اطاعت واجب نہیں تو پھر ایسی حالت

میں جبکہ یہ تمام حکام اور سماج کو جاہلی مانتے ہیں ان کی اطاعت کب واجب ہوگی؟ چنانچہ کہتے ہیں: ''اگر حاکم فاسق ہو جائے تو اس کی اطاعت ساقط ہو جاتی ہے۔''

اور تکفیر کا مسئلہ سید قطب کے نزدیک بالکل سورج کی طرح روشن ہے، اسی لئے مسلم سماج کو جاہلی کہا ہے، اور اس باب میں موصوف کے بہت سارے کلام ہیں، کچھ کا تذکرہ ہم نے اخوان المسلمین کے خطرے کے باب میں کیا ہے۔

موصوف نے موجودہ سماج کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

* طاغوتی سماج۔

* کمزور مسلمان جن کی تعداد بہت کم ہے۔

* جاہلی گروہ اور یہی کثرت میں ہیں۔

اس طرح لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

* کمزور مسلمان جن کی تعداد بہت کم ہے۔ اور اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو حاکمیت پر یقین رکھتے ہیں۔

* جاہلی گروہ اور یہی کثرت میں ہیں۔

* طاغوتی سماج، اور اس سے موصوف کی مراد حکمران ہیں۔

سید قطب کہتے ہیں: ''یہ لوگ جو مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں اور خود کو مسلمان سمجھتے ہیں، بیٹھے ہوئے ہیں اللہ کی زمین میں اس کی الوہیت کو قائم کرنے اور طاغوتوں کو گرانے کے لئے جہاد نہیں کرتے، نہ ہی قتل کرتے ہیں اور نہ ہی قتل کئے جاتے ہیں اور نہ ہی جہاد کرتے ہیں۔'' یہ سب کے سب کافر ہیں۔

مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں: ''ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس روئے زمین پر اسلامی زندگی بہت پہلے سے ختم ہو چکی ہے۔ (یعنی یہ قدیم نہیں ہے) اور اسلام کا وجود بھی ختم ہے، اور ہم اس حقیقت کا علی الاعلان بیان کرتے ہیں کہ گرچہ ان لوگوں کو صدمہ ہو۔''

مزید کہتے ہیں: ''فریبی دشمن اس سرزمین پر بسنے والے بہت سے لوگوں کو یہ بھنگ پلا چکے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور اسلام بخیر ہے، اور شریعت کے نفاذ کے علاوہ بھی مسلمان ہونا ممکن ہے، بلکہ یہ اعتقاد رکھے بغیر بھی کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہو۔''

موصوف نے اپنی کتاب ''فی ظلال القرآن'' کے اندر بہت ساری سورتوں کی تفسیر میں تکفیری جملے کہے ہیں،

جس کی طرف شیخ ربیع حفظہ اللہ نے اشارہ کیا ہے، اور اسی طرح محترم احمد شحی نے بھی اس کتاب کے اندر اشارہ کیا ہے جس پر ہم نے اس مسئلے میں اعتماد کیا ہے، اور بلکہ انہوں نے مزید اضافہ بھی کیا ہے، ان کی کتاب کا عنوان ہے: ’’شخصيات شوهت الاسلام‘‘ اس کتاب کے اندر موصوف نے ان بہت سارے تکفیری جملوں کو نقل کیا ہے جو سید قطب کی کتابوں میں موجود ہیں بطور خاص ’’في ظلال القرآن‘‘ کے اندر، اور سید قطب نے اس تکفیری منہج کو شروع ہی سے مرتے دم تک اپنا رکھا تھا اور اسی پر قائم تھے۔

خلاصہ: سید قطب نے تکفیری فکر کو تمام مسلمانوں پر، انقلابی اور بغاوتی فکر نیز شرعی احکام کے معطل کرنے کی فکر عام کیا اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے، اسی لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپ بہت سے اخوانیوں اور ان کے سربراہوں کو دیکھتے ہیں جن کے اندر دین داری نہیں پائی جاتی، کیونکہ یہ لوگ اس وقت دینی امور کو معطل کر رکھے ہیں اس وقت تک کے لئے جب تک ان کی حاکمیت قائم نہ ہو جائے، اسی لئے آپ انہیں پاؤ گے کہ پارلیمنٹ اور حکومتی گلیاروں تک پہنچنے کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے ہیں، حرام کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں تا کہ ووٹ دینے والوں کو ثابت کرسکیں کہ وہ ماڈرن اور لبرل ہیں، اور یہ سوچ اس اصول کے تحت ہے کہ جب تک حاکمیت اور حکومت الٰہیہ قائم نہ ہو جائے اس وقت تک دینی امور معطل ہیں، جب کہ یہ سوچ اور فکر کتاب وسنت کے نصوص اور سلف صالح کے منہج کے بالکل مخالف ہے۔

ساتھیو! یہاں ہم نے جو بھی بیان کیا اس کا مقصد نصیحت اور خیر خواہی ہے، ذمہ داری سے عہدہ برآں ہونا ہے، اور یہ کہ ہمیں ان شخصیات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، کیونکہ اخوانیوں کا یہ منہج ہے کہ جو ان کی موافقت کرے وہ ان کے نزدیک شیخ الاسلام بن جاتا ہے گرچہ اس کے پاس کچھ بھی علم نہ ہو، اور جو موافقت نہ کرے اس کی ہر طرح مذمت کرتے ہیں گرچہ وہ علمائے ربانیین میں سے ہو، اور اگر ان کی کچھ مصلحت ہوتی ہے تو اس کا اظہار نہیں کرتے، یا مذمت کرنے میں ان کا کچھ نقصان ہو رہا ہو جیسے شیخ باز کی مذمت، لیکن یہ اشارے کنائے میں ضرور طعن و تشنیع کر جاتے ہیں۔

اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ لوگ نوجوانوں کو ان علمائے ربانیین سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں:

* اگر وہ ایسے نوجوانوں کو پاتے ہیں جو ان کی باتیں سن لیتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں: یہ سب درباری مولوی ریال خور ہیں۔

* اور جب ان کا ایسے نوجوانوں کا سامنا ہوتا ہے جو اپنے علماء کے خلاف گالیاں برداشت نہیں کرتے تو ان سے کہتے ہیں: یہ علماء ہیں حقیقت میں مگر ان پر سختیاں ہوتی ہیں اور یہ بیچارے مجبور ہیں، ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں، اور ہم چونکہ آزاد ہیں اس لئے کچھ بھی بول سکتے ہیں۔

* اور جب ایسے نوجوانوں سے سامنا ہوتا ہے جو ان کی کوئی بات سننے کے لئے راضی نہ ہوں تو کہتے ہیں: یہ علمائے ربانیین ہیں، ان کا کلام بہت بھاری اور باریک ہے۔ آپ انہیں نہیں سمجھ سکتے، پہلے ہم لوگوں کے پاس آ کر کچھ علم سیکھ لو پھر ان کبار علماء کی باتیں سننا تا کہ سمجھ میں آسکیں، اور جب یہ لوگ ان کے پاس جا کر تربیت پاتے ہیں اور ان کی باتیں سن لیتے ہیں تو پھر کبار علماء کے پاس کبھی نہیں جاتے۔

یہاں صرف کسی شخصیت کو بڑا بنا کر پیش کرنے کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ اصول یاد رکھیں: اگر دیکھیں کہ حزبی اخوانیوں میں سے کسی شخص کو بڑھا کر دکھایا جا رہا ہے کہ وہ حافظ محدث فقیہ اور امام ہے تو جان لیں کہ ضرور اس کے اندر فکری انحراف ہوگا، مثلاً دود، طریفی اور عریفی وغیرہ، یہ سب اخوانی منہج پر منحرف ہیں، ان کے یہاں بے شمار عقدی اور شرعی انحرافات موجود ہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہم یہ سب یاد رکھیں اور دوسروں تک بھی اسے پہنچائیں مناسب طریقے سے تا کہ وہ بھی اس علم کو جان سکیں جسے ہم نے سیکھا ہے، اور اس سے وہ بھی فائدہ اٹھائیں، اور یہ علمی دورہ ان شاء اللہ آنے والے علمی دوروں کا مقدمہ ثابت ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری عمروں کو اطاعت سے بھر دے، ہم اصولوں کو یاد رکھیں، اور ان شاء اللہ آنے والے علمی دوروں میں فکرہ دو قسم کا ہوگا:

* صبح کے وقت منہجی دورہ ہوگا بایں طور کہ کسی موجودہ دورے کے بڑے سلفی عالم کی کوئی کتاب لیں گے پھر اسے پڑھ کر اس کی تشریح کریں گے۔

* اور شام کے وقت فقہی معاملات پر دورہ ہوگا۔

ہر دورے میں یہی طریقہ اپنائیں گے ان شاء اللہ، شاید اللہ نے اسی میں خیر و برکت رکھی ہو۔

پھر میں اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جس نے ہمارے لئے یہ معاملہ آسان فرمایا اور اس عظیم نعمت کی توفیق بخشی کہ آپ لوگوں سے یہاں بیٹھ کر ملاقات کرسکوں اور علمی مذاکرہ کرسکوں، اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے اور اپنی طاعت کے کاموں میں استعمال کرے، ہمیں کتاب وسنت کا خادم بنائے اور دین اسلام کے راستے میں مجاہد بنائے۔

پھر میں خود کو اور آپ سب کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ جس کے پاس تقویٰ ہے اللہ اسی کو نجات دیتا ہے، اور جو احسان کرتا ہے اللہ اس کے ساتھ احسان کرتا ہے، نیز جو اللہ کے تئیں نیک گماں رکھتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ اچھا کرتا ہے، اور جو اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے اللہ اس سے محبت رکھتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’يَقولُ اللهُ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ‘‘ ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں۔‘‘

بھائیو! اس لئے میں آپ سب کو اطاعت، تقویٰ اور فرائض کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اپنے آپ کو دیکھو، جو اچھا کرے اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور جان لے سارا فضل اللہ کا ہے، اگر اللہ کا کرم نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، اور اگر اللہ کا کرم نہ ہوتا تو ہم نہ روزہ رکھتے اور نہ نماز پڑھتے، بلکہ نیکی کا کوئی بھی کام نہ کر سکتے، اللہ ہی نے ہمیں ہدایت دی ہے اور اسی نے ہمارے لئے تمام امور آسان بنائے ہیں اور وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اجر دیتا ہے۔

ہم ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ عزّوجل ہمیں ثابت قدم رکھے، کیونکہ زندوں پر فتنوں سے مامون نہیں رہا جاتا، اور اگر کوئی واجبات میں کوتاہی اور اطاعت کے کاموں میں کسل مندی پاتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ کسل مندی کو چھوڑ دے، کیونکہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کب آجائے، کیونکہ موت بہت قریب ہے، ہمیں طاعت کے کاموں

میں نشیط ہونا چاہئے۔اور اگر کوئی گناہ پاتا ہے اور گناہ کا ہونا ضروری بھی ہے، تو ایسی صورت میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ'' ترجمہ: ''سارے انسان خطا کار ہیں اور خطاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔''

پھر ہمیں بہتر خطار کار ہونا چاہئے، یعنی معصیت کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔اور سب سے عظیم طاعت میں سے ہے کہ: ہم اللہ کے بندوں کو اس کی بندگی کی طرف بلائیں، اور اصل دعوت یہ ہے کہ ہم توحید اور کتاب وسنت کی طرف دعوت دیں، اور اسی راستے میں جہاد کریں اور صبر سے کام لیں، اور آپس میں ایک دوسرے کا تعاون کریں، کیونکہ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلۡبِرِّ وَٱلتَّقۡوَىٰ﴾ [مائدہ: ۲] ترجمہ: ''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔'' اور سب سے بڑی نیکی اور تقویٰ یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے دین کے قریب کر دیا جائے، اور انہیں اللہ کی توحید اور شرک سے برأت نیز سنت کی طرف رجوع اور بدعت سے توبہ کی طرف بلایا جائے۔

ہم ایک دوسرے کا اسی پر تعاون کریں اور مخلص دوست اور ساتھی بن کر رہیں خیر وبھلائی میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں، اگر کوئی کسی کی طرف سے کوئی خطا یا کوئی غلطی دیکھے، تو اسے نہ پھیلائے بلکہ اسے نصیحت کرے ممکن ہے وہ اس غلطی کو چھوڑ دے اور اگر نہ بھی چھوڑے تو:

* اگر اس کی وہ غلطی اسی کے ساتھ خاص ہوگی تو وہ پھیلے گی نہیں۔

* اور اگر اس کی غلطی عام ہوگی تو اسے بتایا جائے گا اور اس غلطی کو اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اس غلطی کے سبب اس سے تحذیر کی جائے گی۔

اور جہاں تک مخطی کا تعلق ہے تو اس کی حالت کو دیکھا جائے گا: اگر شرعی مصلحت اسی میں ہے کہ اس سے تحذیر کی جائے کیونکہ لوگ اس سے دھوکہ کھاسکتے ہیں تو لوگوں کو اس سے آگاہ کیا جائے گا، بصورت دیگر نہیں۔

اور میں آپ سب کو ہر معاملے میں رفق ونرمی کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ نرمی اور شفقت جب کسی چیز میں پائی جاتی ہے تو اسے مزین بنا دیتی ہے اور جب کسی چیز سے نکل جاتی ہے تو اسے بدنما بنا دیتی ہے، اس لئے دعوت کے وقت اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، چنانچہ جب کسی کو دعوت پیش کرو اس وقت اس کے ساتھ سختی سے برتاؤ نہ کرو، اسے سلام کیا جائے گا گرچہ وہ اہل بدعت سے ہو، اس کا حال دریافت کرو پھر مناسب طریقے سے اس کے سامنے اللہ کی

دعوت پیش کرو۔

ان شاء اللہ اس علمی دورے کے آخر میں آپ سب کو سند مشارکت سے نوازا جائے گا، چنانچہ جتنے بھی مشارکین ہیں انہیں یہ سند مشارکت دی جائے گی، اس سند کے اندر لیکچر دینے والے استاد کی دستخط ہوگی، اور شاید یہ سند آپ کے پاس بطور یادگار باقی رہے، ممکن ہے بذات خود اس سند کا تو کوئی فائدہ نہ ہو کیونکہ میری اپنی کوئی حیثیت نہیں، مگر پھر بھی اس کے ذریعے اس علمی دورے کو یاد رکھا جائے گا، اور شاید جب آپ لوگ اسے دیکھو گے تو اپنے اس بھائی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھو گے، اس طرح ممکن ہے یہ ہم سب کے لئے مفید ثابت ہو، **والله أعلم وصلى الله على نبينا وسلم**

معاصر منحرف فرقے ①

(تمہیدی باتیں)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمام احباب کو آج بروز منگل کی اس دوسری مجلس میں خوش آمدید ہے، اس علمی دورے کے اندر "**منہج سلف کے مخالف معاصر فرقے**" کے عنوان پر یہ ہماری پہلی مجلس ہے، اللہ اسے بابرکت بنائے۔

قبل اس کے کہ میں ان منحرف فرقوں پر کلام کروں اور خاص کر موجودہ دور میں سب سے منحرف فرقہ اخوان المسلمین پر، تبلیغی جماعت اور داعش پر، میں چاہتا ہوں کہ تمہید کے طور پر کچھ باتیں عرض کر دی جائیں:

پہلی تمہید: ہم کیوں ان جماعتوں اور فرقوں پر بات کر رہے ہیں، اور ہم کیوں لوگوں کو اہل حق اور اہل باطل، نیز سلف اور خلف میں تقسیم کر رہے ہیں؟

جواب: اس شبہے کا جواب دو پہلو سے ہوسکتا ہے:

پہلا پہلو: درحقیقت اہل حق کو اہل باطل سے ممتاز بنانا اور دونوں کے اوصاف بتانا خود کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں آیا ہے:

چنانچہ سورہ بقرہ کے شروع ہی میں لوگوں کو تین گروہوں میں بانٹ دیا گیا ہے:

* پہلا گروہ مومنوں کا ہے جن کی صفات کو بیان کیا گیا ہے۔

* دوسرا گروہ کفار کا ہے، ان کی صفات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

* تیسرا گروہ منافقوں کا ہے، ان کی صفات کو اللہ تعالیٰ نے کئی آیتوں میں بیان کیا ہے، ان کے شدید خطرے کی وجہ سے، کیونکہ یہ لوگ اندر کچھ رکھتے ہیں اور باہر کچھ اور بات کرتے ہیں، اس لئے ان کا خطرہ کافروں سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ یہ کفر کو اندر چھپا کر رکھتے ہیں اور بظاہر مومنوں کے سامنے اپنا ایمان دکھاتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے لوگوں کی حقیقت آشکارا کر دی ہے اور ان کی صفات بھی بیان کر دی ہیں۔

اور سنت رسول ﷺ میں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں، خود نبی اکرم ﷺ نے منافقوں کی بہت ساری صفتیں بیان کی ہیں تاکہ ہم ان سے آگاہ رہیں اور تاکہ ہم ان کی طرح صفات نہ اپنائیں، مثلاً یہ حدیث: "**آية المنافق**

ثلاث ''منافق کی تین علامتیں ہیں، اور اسی طرح آپ ﷺ نے خوارج کی صفات بیان کی ہیں تا کہ ہم ان سے بھی آگاہ رہیں اور انہیں الگ سمجھیں، گرچہ وہ اسلام کی طرف خود کو منسوب کرتے ہیں، چنانچہ ہم بھی اس طرح کے لوگوں کی صفات بیان کریں گے، بلکہ ان کا سامنا ہوتا ہے تو حدیث کے مطابق ان سے جہاد کریں گے:

* یا تو تلوار کے ذریعے شرعی جھنڈے کے نیچے۔

* یا زبان کے ذریعے ان کی حالتوں اور صفتوں کو بیان کر کے۔

اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب امت کے شروع میں خیر کو بیان کیا، تو انہوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا: پھر اس خیر کے بعد کیا شر و برائی ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا: ''نَعَمْ دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا'' ''ہاں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو جہنم کے دروازے کی طرف لوگوں کو بلائیں گے جو ان کی بات مانے گا اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔'' میں نے کہا: یارسول اللہ! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمائیے۔ اس وقت نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں کہا: حذیفہ! یہ سب باتیں چھوڑو، اس سے اختلاف ہوگا، سب مسلمان ہیں، سب کا کلمہ ایک ہے، بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''هُم مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا'' ''ان کا رنگ ہمارا سا ہی ہوگا اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔'' آپ نے ان کی صفات بیان کر دی، پھر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: یارسول اللہ! اگر اس زمانہ کو میں پاؤں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ'' ''مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہ اور ان کے امام کے ساتھ رہ۔''

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا: دینی اور بدنی جماعت، اسی لئے کہا: ''تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ'' ''مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہ اور ان کے امام کے ساتھ رہ۔'' اور دوسرا باطل جماعت اور اس کی طرف دعوت دینے والے، جو حقیقت میں جہنم کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں۔

یہ پہلا پہلو ہے: چنانچہ ہم کتاب وسنت کے طریقے پر چلنے والے ہیں، ہم بھی اہل حق کی صفات کو بیان کریں گے تا کہ اہل باطل سے ممتاز ہو جائیں۔

دوسرا پہلو: ان مخالف فرقوں کا خطرہ بہت بڑا ہے اور ان کی بدعتیں بہت ہیں اور سلف کا منہج یہی رہا ہے کہ اہل بدعت سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہنا چاہئے، انہیں ایکسپوز کرتے رہنا چاہئے، اس لئے ہم سلف صالح کے منہج پر قائم ہیں۔

امام شاطبی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں فرماتے ہیں: ''اہل بدعت کی ملامت کرنا، انہیں رسوا کرنا اور سزا دینا، بھگانا، دور کرنا اور ان پر نکیر کرنا درحقیقت بدعت کے حسب حال ہوگا''، مطلب بعض بدعت دوسرے کے بالمقابل بڑی ہوتی ہیں اور بعض چھوٹی ہوتی ہیں، گرچہ ہر بدعت مذموم ہے مگر چھوٹی بدعتوں سے دین کو زیادہ خطرہ نہیں ہوتا جس طرح بڑی بدعتوں سے ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی دیکھا جائے گا کہ بدعتی کس قدر عوام میں مشہور ہے۔''

گویا یہاں پر بھی فرق کیا جائے گا کہ کون سا مشہور ہے اور کون مشہور نہیں ہے:

* ایک عامی جو مشہور نہیں ہے اس کی بدعت اسی تک منحصر رہے گی۔

* دوسرا کوئی مشہور عالم ہے چنانچہ اس کا اثر دوسروں پر بھی ہوگا۔

اسی طرح یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ اس بدعت کی طرف دعوت دیتا ہے یا نہیں، چنانچہ جو بدعت کی طرف دعوت دیتا ہوگا اور اسے لوگوں کے پاس خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہوگا وہ اس بدعتی کی طرح نہیں ہے جو لوگوں کو اس کی طرف نہیں بلاتا ہے گرچہ وہ بدعتی ہے، ہاں ہر بدعت گمراہی ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ اس بدعتی کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ کیسا ہوگا؟ اس میں اس کی حالت کا لحاظ کیا جائے گا، چنانچہ کہتے ہیں: ''اور وہ اپنے پیروکاروں میں مشہور ہے یا نہیں، مسلح خروج کرتا ہے یا نہیں، یا یہ کہ وہ اس بدعت پر نادانی کی وجہ سے عمل کر رہا ہے یا نہیں۔''

-ایک شخص بلاد توحید جاتا ہے، اور وہاں توحید سیکھتا ہے، بلکہ بلاد توحید میں دکتوراہ کا رسالہ تیار کرتا ہے، پھر آ کر بدعتوں کو ثابت کرتا ہے، اور خود بدعت پر عمل کرتا ہے، اسے کہتے ہیں کہ اللہ نے اسے علم و بصیرت کے ساتھ گمراہ کیا ہے۔

-مگر ایک مسکین شخص ہے اسے کچھ معلوم نہیں، بلکہ اسے جو بتا دیا گیا اسلام کے نام پر اسی کو اسلام سمجھ لیا، اس سے کہا گیا کہ اگر اس پر عمل نہیں کرو گے تو اللہ ناراض ہوگا، اس طرح وہ اس بدعت پر عمل کرنے لگتا ہے۔

میں ایک بار ایک مسلم ملک کی زیارت پر تھا، ٹیکسی ڈرائیور نے مجھ سے مترجم کے واسطے سے کہا: میں بعض بزرگوں سے ایسی باتیں سنتا ہوں جنہیں میری عقل مانتی نہیں ہے، لیکن وہی دین ہے اور میں مسلمان ہوں، میں خود کو اس کی تصدیق پر مجبور کرتا ہوں، اس نے بتایا کہ اس کے ایک شیخ نے بیان کیا کہ ایک رات ملک الموت آیا شیخ کے ایک مریدن کے بچے کے پاس اور اس کی روح نکال لیا، وہ عورت شیخ کے پاس آئی شکایت کرنے اور کہا: شیخ! میرا

بچہ آج رات انتقال کر گیا، یہ سن کر شیخ نکل پڑے اور کہا: جو ملک الموت کو زمین میں پکڑ سکتا ہے وہ آسمان میں بھی پکڑ سکتا ہے، چنانچہ شیخ نے ملک الموت کو اس حال میں پایا کہ وہ بہت ساری روحوں کو اپنی ہتھیلی میں لئے ہوئے تھے، شیخ بچے کی روح کو نہ پہچان سکے، کیونکہ اس کا نام معلوم نہیں تھا، اس لئے پوری ہتھیلی کو واپس لے لیا، اور اس طرح ساری روحیں اپنے جسموں میں واپس آگئیں، اور سب نئے سرے سے باحیات ہو گئے۔

جاہل بدعتی اسی طرح کے بے سروپا اور غیر معقول کہانیوں میں جیتے ہیں۔

وہ آگے کہنے لگا: میں اس طرح کی باتوں کو سنتا ہوں مگر تصدیق نہیں کرتا، لیکن کر کیا سکتا ہوں؟ لوگ اسی کو دین بتاتے ہیں، اب یا تو میں تصدیق کر کے مسلمان رہوں یا انکار کر کے کافر ہو جاؤں، یہی میری سوچ ہے اور یہی میرے بزرگوں نے مجھے سکھایا ہے، پھر اسی شخص نے جامعہ اسلامیہ میں آکر تعلیم حاصل کی، بعد میں ہمیں لوگوں کو توحید اور سنت رسول ﷺ کا درس دینے لگا، اور اس نے کہا کہ میں نے اسلام کے خلاف' لوگوں کی ساری باتوں کو چھوڑ دیا ہے۔

بھائیو! بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک مسکین عامی شخص ہوتا ہے جو بدعت میں واقع ہو جاتا ہے نادانی کی بنیاد پر، یہ بلاشبہ اس شخص سے جدا ہے جو جان بوجھ کر بدعتوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں: ''ان تمام قسموں کے لئے اجتہادی حکم ہوگا جو ان کے ساتھ خاص ہوگا، چنانچہ علماء نے اس کی کئی قسمیں بتائی ہیں جن میں سے ایک ارشاد و توجیہ اور تعلیم ہے نیز اس پر حجت کا قیام ہے، جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج کے پاس گئے تھے، ان سے گفتگو کی، جن میں سے دو یا تین ہزار نے رجوع کر لیا، وہ کل چھ ہزار تھے، ان کے اوپر ابن عباس نے حجت قائم کر دی تو ان میں سے جو نادان دھوکے میں پڑے ہوئے تھے انہوں نے حق جان کر رجوع کر لیا اور جو علم و بصیرت کی بنیاد پر خارجی تھے وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے۔''

یہاں وجہ استدلال یہ ہے: کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں رہنمائی کی، ان کے سامنے مسئلے کو واضح کیا، ان پر حجت قائم کر دی، اور حجت قائم کرنے کی ایک صورت اس زمانے میں میڈیا ہے: مثلاً ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اسٹیشن، اور دیگر سوشل میڈیا کے ذرائع، اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے لوگوں کے سامنے جب حقیقت واضح ہوئی ہے، ان پر حجت قائم کی گئی تو وہ سنت کی طرف پلٹ گئے ہیں، آپ انڈونیشیا ہی میں دیکھ لیں، کتنے لوگوں نے سنت کی طرف رجوع کیا ہے، اور بہت سارے تاجروں نے جب میڈیا کے ذریعے حق کو جانا تو سنت کی طرف رجوع کر لیا۔

اور میں یہاں کے لوگوں کی حقیقت سمجھ کر کہہ رہا ہوں: کہ یہاں ضرورت ہے ارشاد و توجیہ اور صحیح تبلیغ دین کی، اگر انہیں صحیح رہنمائی مل جائے تو یہ سنت سے بے حد محبت کرنے لگیں گے۔

* پہلی چیز یہ کہ ارشاد و تعلیم اور حجت کے قیام کی ضرورت ہے۔

* دوسرا یہ کہ بائیکاٹ اور سلام و کلام کا ترک کرنا، جیسا کہ بہت سارے سلف سے مروی ہے اور اسی طرح کا ایک واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے، یعنی صبیغ کا واقعہ۔

* تیسرا یہ کہ جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ کو جلاوطن کیا، اسی طرح جیل میں بھی ڈالا جاسکتا ہے اسی پر قیاس کرکے۔

* چوتھا یہ کہ اہل بدعت کو جیل میں بھی ڈالا جاسکتا ہے۔ جس طرح حلاج کو قتل کرنے سے پہلے کئی سال تک جیل میں رکھا گیا تھا۔

* پانچواں یہ کہ- اور یہی وجہ شاہد ہے- انہیں ایکسپوز کیا جائے اور ان کی بدعت کو بیان کرکے اس سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے تاکہ اس سے لوگ دور رہیں اور اس کی بدعتوں سے پرہیز کریں، اس تعلق سے سلف سے بہت سے اقوال مروی ہیں۔

بھائیو! خلاصۂ کلام یہ ہے کہ: مخالف فرقوں کے بارے میں ہم گفتگو کیوں کرتے ہیں اور لوگوں کو ان سے آگاہ کیوں کرتے ہیں اور لوگوں کو تقسیم کیوں کرتے ہیں؟

اس کا جواب دو پہلو سے:

* **پہلا پہلو:** کیونکہ یہی کتاب وسنت کا طریقہ ہے۔

* **دوسرا پہلو:** یہی سلف صالح کا طریقہ ہے۔

دوسری تمہید: کیا بعض علماء کا فتویٰ ہے جنہوں نے ان باطل جماعتوں کو شمار کیا ہو یا یہ کہ ان میں سے بعض جماعتیں حق کے قریب ہیں؟ یعنی حقیقت ہم جانتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اخوانی جماعت حق سے قریب ہے، تبلیغی جماعت میں خیر ہے، جبکہ بعض علماء ان جماعتوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اہل سنت والجماعت سے نہیں ہیں، کیا ہم یہ کہیں کہ مسئلہ اجتہادی ہے، کہ بعض نے آسان بنایا ہے، گویا مسئلے میں کشادگی ہے کوئی مشکل یا سنگین معاملہ نہیں ہے:

-جس نے تحذیر کی' گویا وہ ایک راستے پر ہے۔

-اور جس نے تساہل سے کام لیا یا ان کے ساتھ تعامل برتا گویا اس نے بھی علماء کی بات سنی۔

جواب: بلا شبہ اس تعلق سے کچھ فتاوی موجود ہیں، مگر ان فتاووں کا کوئی اثر نہیں ہے، کیونکہ یہ بہت کم ہیں، اور لا علمی پر مبنی ہیں، مزید یہ کہ جو وضاحتیں اور دلیلیں ان کے خلاف ہیں وہ مفصل ہیں، اور قاعدہ ہے کہ ''علم والے کی باتیں حجت ہوں گی اس پر جسے علم نہ ہو''، اس لئے تحذیر کرنے والوں کے کلام کو مقدم سمجھا جائے گا، اور ان تھوڑے فتاوے کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ وہ حقائق کے واضح ہونے سے پہلے کے ہیں، اکثر شروع حال کے ہیں، لیکن جب امور واضح ہو گئے تو علماء نے ان سے ڈرانا شروع کیا۔

اس کی کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں:

شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ- جو کہ مصر کے جلیل القدر عالم اور معروف محدث ہیں- فرماتے ہیں: ''شیخ حسن بنّا کی تحریک اور اخوان المسلمین جنہوں نے اسلامی دعوت کو ایک مجرمانہ دعوت میں تبدیل کر دیا ہے، اس تحریک پر کمنسٹ اور یہودی خرچ کرتے ہیں، جسے ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں۔'' اور میں کہتا ہوں کہ آج بھی وہی لوگ اس تحریک پر پیسہ لگاتے ہیں، کیونکہ یہ جماعت انہیں کے اہداف اور مقاصد کو پورا کرتی ہے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: **اخوان المسلمین جماعت ایک مدت سے مملکت سعودی عرب میں موجود ہے، اور طالب علموں کے درمیان واضح طور پر اس کے نشانات پائے جاتے ہیں، چنانچہ اس جماعت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور اہل سنت والجماعت کے منہج کے ساتھ اس کی موافقت کتنی ہے؟**

تو آپ نے جواب دیا: ''اخوان المسلمین کی تحریک کو خاص اہل علم غلط سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں توحید باری تعالیٰ اور شرک و بدعت پر نکیر کی دعوت نہیں ہے۔'' جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا کہ اخوان المسلمین ایک خاص اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں، نہ کہ اس اسلام کی طرف جسے لے کر نبی اکرم ﷺ آئے تھے، اسی لئے جب یہ توحید پر بات کرتے ہیں تو عام معروف توحید پر بات نہیں کرتے، بلکہ توحید حاکمیت پر بات کرتے ہیں جو اس کا معنیٰ ہی نہیں ہے۔

شیخ کہتے ہیں: ''اخوان المسلمین کی تحریک کو خاص اہل علم غلط سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں توحید باری تعالیٰ اور شرک و بدعت پر نکیر کی دعوت نہیں ہے، ان کے خاص اسالیب ہوتے ہیں مگر دعوت کے میدان میں کوئی نشاط نہیں، وہ عقیدہ صحیحہ جس پر اہل سنت والجماعت قائم ہیں ان کے یہاں اس کا کوئی اہتمام نہیں، اس لئے اخوان

المسلمین پر ضروری ہے کہ وہ سلفی دعوت جو کہ اللہ کی توحید کی طرف ہوتی ہے اس کا اہتمام کریں، اور قبر پرستی پر نکیر کریں کہ جو لوگ مُردوں سے چمٹے ہوئے ہیں اور اہل قبور سے استغاثہ کرتے ہیں۔

اسی طرح ضروری ہے کہ وہ کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ جو کہ دین کی اصل ہے اور جس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں سب سے پہلے دعوت دی، اس اصل کا اہتمام کریں،۔ بہت سے اہل علم کو اخوان المسلمین پر یہی اعتراض ہے کہ وہ توحید کی دعوت کا اہتمام نہیں کرتے، اور نہ ہی شرک و بدعات پر نکیر کرتے ہیں، اسی طرح علماء کا اعتراض ہے کہ یہ سنت اور حدیث شریف کا اہتمام نہیں کرتے، اور اس منہج کا خیال نہیں کرتے جس پر سلف صالح تھے خاص کر شرعی احکامات میں، اسی طرح اور بہت سی چیزیں ہیں جن کے بارے میں سنتا ہوں کہ اخوان المسلمین ان کا اہتمام نہیں کرتے۔

مزید آپ سے سوال کیا گیا: اللہ آپ سے خوش ہو، اختلاف امت پر نبی ﷺ کی حدیث: ''وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً'' اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے۔ تو کیا تبلیغی جماعت اپنے شرک و بدعات کے ساتھ اور اخوان المسلمین اپنے خارجی افکار اور پارٹی بندی کے ساتھ ان فرقوں میں شامل ہیں؟

تو آپ نے جواب دیا: یہ جماعتیں ان بہتّر فرقوں میں شامل ہیں، اور جو بھی اہل سنت والجماعت کے منہج کے مخالف ہوگا وہ ان بہتّر فرقوں میں شامل ہوگا، یعنی امت اجابہ میں ہوگا، جس کے تہتّر فرقے ہوں گے اور ان میں سے وہی نجات پائے گا جو متبع سنت ہوگا اور جو دین پر قائم ہوگا، اور ان بہتّر فرقوں میں کافر، گنہگار اور بدعتی بھی ہوں گے، یعنی کئی اقسام کے ہوں گے۔

سائل نے کہا: یعنی یہ دونوں فرقے بھی انہیں بہتّر فرقوں میں شامل مانے جائیں گے؟

کہا: جی ہاں۔

اور شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ بالکل درست نہیں کہ اخوان المسلمین اہل سنت میں سے ہیں کیونکہ یہ سنت سے جنگ کرتے ہیں۔''

اور اخوانیوں کے مشہور قاعدہ -متفقہ امور میں باہم تعاون کریں گے اور مختلف فیہ امور میں معذور مانیں گے- کے بارے میں آپ نے کہا: ''اسی لئے ان کے اندر ایسے کسی شخص کو نہیں پائیں گے جو خالص کتاب وسنت کے نصوص

کی روشنی میں نصیحت کرتا ہو۔'' یہی قاعدہ اخوانیوں کے ستّر سال تک باقی رہنے کا سبب ہے۔ یہ شیخ کے زمانے کی بات ہے۔ اور اب تو سو سال پورا کرنے والے ہیں، جو عملی طور پر اسلامی فہم وفکر سے کوسوں دور ہیں، اور جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ دوسروں کو کیا دے گا۔

امام علامہ شیخ صالح الحید ان -رحمہ اللہ- نے کہا: ''اخوان المسلمین اور تبلیغی جماعت دونوں کا منہج درست نہیں ہے۔''

تیسری تمہید: جب یہ ثابت ہوگئی کہ یہ فرقے بہتّر فرقوں میں اور اہل بدعت میں شامل ہیں، تو ایسی صورت میں ان کے افکار مسلمانوں کے بیچ میں کیسے رائج ہو گئے؟ تمام مسلم ممالک میں اخوانی فکر رائج ہے، اسی طرح تبلیغی فکر بھی پائی جاتی ہے؟

جواب: اس کے درج ذیل اسباب ہیں:

پہلا سبب: دراصل جتنے بھی فرقے منہج سلف کے مخالف ہیں وہ اپنے منہج کو لوگوں سے چھپا کر رکھتے ہیں، یہ اپنے لوگوں ہی کے سامنے ظاہر کرتے ہیں یا ان لوگوں پر جن پر انہیں بھروسہ ہوتا ہے، چنانچہ اخوان المسلمین عام شعارات اور نعروں کو ہی عام لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں جبکہ ان کی کیا پلاننگ ہے، کیا طریقہ ہے ان سب کو صرف خاص لوگوں کے سامنے ہی ظاہر کرتے ہیں۔

اسی طرح تبلیغی جماعت بھی ہے، کہ یہ بھی اپنے عقائد کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، بلکہ دھوکے میں رکھتے ہیں، حتی کہ بعض اپنے متبعین کو بھی نہیں بتاتے۔

میں ایک بار تبلیغی جماعت کے مرکز میں ہندوستان گیا مسجد کے اندر گیا، دیکھا تو اس مسجد کے اندر بانی جماعت محمد الیاس کی قبر موجود ہے، بالکل بیچ میں، جیسے یہ ہال ہے اور بیچ میں ایک میز رکھی ہے، کیا آپ کو ان کی تلبیس کاری معلوم ہے؟ جب ان کے یہاں کوئی مملکت سعودی عرب یا ایسے ممالک سے جاتا ہے جہاں مزاروں کا تصور نہیں ہے، اس وقت قبلہ کے جہت میں قبر سے پہلے ہی ایک لکیر کھینچ دیتے ہیں اور عربوں سے کہتے ہیں کہ یہیں پر مسجد ختم ہوگئی ہے، جبکہ حقیقت میں مسجد آخر تک ہوتی ہے، آخر لکیر کھینچ کر کون سا فائدہ اٹھالیں گے؟ عقیدے کو کیا کریں گے؟ پس چند مساکین کو دھوکہ دے دیں گے جو ان کی حقیقت نہیں جانتے اور کہنے لگتے ہیں: مسجد میں قبر نہیں ہے، مسجد یہیں پر ختم ہوجاتی ہے، قبر اس لکیر کے بعد ہے۔

اسی طرح یہ جماعتیں باتوں کو راز میں رکھتی ہیں، اور کتمان وسرّیت پر بھروسہ کرتی ہیں، چنانچہ عوام کے سامنے

بہت سی ایسی باتوں کو اور ایسے امور کو نہیں آنے دیتے جو خواص کو بتاتے ہیں۔

دوسرا سبب: یہ جماعتیں اور فرقے مالدار اور اہل ثروت تک اچھی رسائی رکھتے ہیں، یہ اکثر اپنا مطمح نظر مالداروں کے اموال پر رکھتے ہیں، اور اس لئے بھی کہ اکثر مالدار لوگوں کو عوام میں اثر ہوتا ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

رأيت الناس قد مالوا إلى من عنده مالُ

ومن لا عنده مالُ فعنه الناسُ قد مالُو

(میں نے دیکھا ہے کہ لوگ اسی کی طرف مائل ہوتے ہیں جس کے پاس مال ہوتا ہے، اور جس کے پاس مال نہیں ہوتا اس سے مائل ہو جاتے ہیں۔)

چنانچہ منجملہ لوگ مالداروں کی طرف مائل ہوتے ہیں، اور جب مالدار کا اثر ہوتا ہے عوام پر تو اس سے ان جماعتوں کو دو فائدہ ہوتا ہے:

* ایک ان کے مال سے کہ جو ان پر خرچ کرتے ہیں۔

* دوسرے ان کے اثر سے جو عوام پر ہوتا ہے۔

تیسرا سبب اور جو کہ سب سے اہم ہے: اور وہ جہالت اور نادانی ہے، یہ عمومی بھی ہے اور خصوصی بھی، چنانچہ اگر علماء اہل سنت والجماعت ان پر کلام نہ کریں اور ان کے خطرات سے آگاہ نہ کریں تو ایسی صورت میں ان کا خطرہ بڑھ جاتا ہے اور امت کے لئے ایسی جماعتیں بہت ہی نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ مملکت سعودی عرب' باہر سے آنے والی جماعتوں - جیسے: اخوان المسلمین اور تبلیغی جماعت کی دعوتوں - سے کیسے متاثر ہو گیا جبکہ اس ملک کا منہج سلفی ہے؟ یہ معروف ہے کہ سعودی حکومت کی بنیاد سلفی منہج پر ہے، اور نصاب تعلیم بھی ابتدائی درجات ہی سے اسی منہج پر قائم ہے، پھر آخر کیسے یہ جماعتیں اس ملک میں اپنے مناہج کے ساتھ پھیل گئیں؟

تو آپ نے جواب دیا: اختلاط کے ذریعے، یہ پہلا نقطہ ہے، کہ مخالفین کے ساتھ گھلنا ملنا بغیر ان کے غلط منہج سے آگاہ ہوئے، اسی طرح ملک میں کثرت سے مسافرین اور سیاح کا آنا، اس کا بھی پہلے سے تعلق ہے جس سے اختلاط پیدا ہوا۔ تھوڑا علم لوگوں پر اثر کرتا ہے، مسافروں کی کثرت سے اختلاط ہوتا ہے، اور ان کی دعوت کتابوں، اخبارات اور میڈیا میں پھیل جاتی ہیں، لیکن جو حق پر قائم ہوتا ہے، اور علم و بصیرت والا ہوتا ہے، وہ صاحب علم ہوتا ہے صاحب بصیرت

ہوتا ہے اس پر ایسی دعوتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا: ''اور بہت زیادہ شبہات، اجانب کا کثرت سے آنا، اور قیل وقال ان سب سے آگاہ رہنا اور ان کی تحقیق کرنا واجب ہوتی ہے۔'' یہ تو بہت پہلے سے قاعدہ موجود ہے، لیکن آج اس جھوٹی میڈیا کے دور میں تو تحقیق کرنا اور آگاہ رہنا مزید واجب ہوجاتا ہے، تحقیق کرنا ایک طالب علم کا کام ہے، سلف نے اس کا اہتمام کیا ہے، کثرت مراجعہ اور دلیلوں کی روشنی میں مشکلات کو حل کیا جاتا ہے، اور یہ کہ معاملات میں تساہل سے کام نہ لیا جائے، مناظرہ بھی کیا جاسکتا ہے ضرورت پڑنے پر، لیکن وہاں بھی مقصد کتاب وسنت ہو فلاں فلاں کا قول نہ ہو، جب مشکل پیش آئے تو دلیلوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

سائل نے کہا: کیا قلت علم ان میں اہم نہیں ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ قلت علم ہی ان کے پھیلنے کا اہم سبب بنا؟

اس پر آپ نے جواب دیا: ''جی یہ سب سے خطرناک سبب ہے۔'' اس میں کوئی شک نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ہم علم حاصل کریں۔

ساتھیو! متقدمین مشائخ جو ہمارے قریب رہے ہیں ان کی یہی کوشش تھی کہ منہج سلف کو بیان کریں اور اپنے اپنے اسلوب میں مخالفین کا رد کریں، ہر کوئی اپنے اسلوب میں رد کرتا تھا، شیخ البانی کا اپنا اسلوب تھا، شیخ مقبل وادعی کا اپنا اسلوب تھا، شیخ ابن باز کا اپنا اسلوب تھا لیکن اصل سب کے یہاں ایک ہی تھا کہ منہج سلف کو بیان کرنا اور مخالفین پر رد کرنا، چنانچہ اس باب میں علماء اہل سنت کے یہاں بہت ہی نشاط پایا جاتا ہے، لیکن افسوس کہ ان علماء کے مرنے کے بعد بعض علماء جو باقی ہیں گرچہ ان کے اندر نشاط ہے مگر بہت سے سلفیوں کے یہاں اس باب میں اب کمزوری آگئی ہے، اور جمہوری طرف دیکھنے لگے ہیں۔

سبحان اللہ! ساتھیو! سلفیت منجملہ دنیادار نہیں ہے کہ اسے صرف چوسے، بلکہ دنیا کو سنوارتی ہے، سلفیت سے تمہارے پاس دولت نہیں آئے گی، گرچہ بحمد للہ خیر حاصل ہوجائے، اس کا معاملہ دوسروں کی طرح نہیں، البتہ جو منہج سلف پر قائم ہوتا ہے، وہ جس قدر عظیم سعادت مندی اور عظیم لذت میں ہوتا ہے- گرچہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہو- اس قدر کوئی دوسرا نہیں ہوتا، گرچہ وہ بہت بڑا امیر ہی کیوں نہ ہو۔

مگر افسوس ہے کہ ہمارے بہت سے ساتھی جن میں کئی ایک دکاترہ بھی ہیں، ان کا منہج بھی درست ہے، لیکن ان کے اندر سستی اور کاہلی آگئی ہے بطور خاص اس باب میں، چنانچہ ان کی طرف سے منہج سلف کی وضاحت اور دفاع

میں کچھ خاص دلچسپی نہیں دکھائی دیتی، اور نہ ہی گمراہ فرقوں سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں، میں انہیں خود اپنی ذات کا مراجعہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں کہ کسل مندی چھوڑ دیں، ذمہ داری بہت بڑی ہے، اس امت کی طرف سے ہم سب سے سوال ہوگا، ضروری ہے کہ ہمارے عزائم بلند ہوں اور ہم سلف کے نقش قدم پر چلیں۔

چوتھی تمہید: سلف صالحین کی مخالف جماعتوں اور فرقوں کے خلاف اہل علم کے کلام کو جو لوگ سنتے ہیں وہ تین طرح کے ہوتے ہیں:

پہلی قسم: یہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں کے ساتھ ہوتے ہیں، اور ان تمام فرقوں اور جماعتوں کے خلاف ہوتے ہیں، ایسے لوگ ہماری باتوں سے استفادہ کرتے ہیں، علم بھی سیکھتے ہیں اور حجت و استدلال بھی، چنانچہ ان کے پاس علم بھی ہوتا ہے اور حجت و استدلال بھی، کیونکہ آپ گرچہ اہل سنت والجماعت سے ہیں مگر آپ کے اردگرد آپ کے مخالفین رہتے ہیں، ہوسکتا ہے وہ آپ سے مناقشہ کریں، ممکن ہے وہ آپ کی دعوت کے اندر تشویش پیدا کریں، ایسی صورت میں علم وحجت اور استدلال کی ضرورت پڑتی ہے، مزید اسے اطمینان قلب بھی حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اہل سنت والجماعت کے منہج کے صحیح ہونے اور مخالفین کے منہج کے فاسد ہونے کا یقین ہوتا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ﴾ [البقرة:٢٦٠] ترجمہ: ”فرمایا اور کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں اور لیکن اس لیے کہ میرا دل پوری تسلی حاصل کر لے۔“

یعنی تاکہ علم واطمینان میں اضافہ ہو جائے، کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں: آپ کیوں اہل سنت کے ساتھ دیگر فرقوں اور جماعتوں کے بارے میں کلام کرتے ہیں، جبکہ ہم اللہ کے فضل وکرم سے اہل سنت والجماعت میں سے ہیں، کیا آپ ہمیں مطعون کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: ہم ان فرقوں کے بارے میں علی العموم جس طرح بات کرتے ہیں ویسے ہی اپنی جماعت کے سامنے بھی بات کرتے ہیں۔ اس کے چند وجوہات درج ذیل ہیں:

* پہلا یہ کہ تاکہ ہم ان سے آگاہ رہیں، کیونکہ انسان فتنوں سے مامون نہیں ہے، جب ان فرقوں کے بارے میں نہیں جانے گا تو فتنوں میں واقع ہوسکتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلے گا۔

* دوسرا یہ کہ تاکہ علم وحجت میں اضافہ ہو، تاکہ ہم ضرورت پر یا دوسروں سے مناقشہ کرتے وقت کلام کرسکیں۔

* تیسرا یہ کہ تاکہ ہمارا دل مطمئن ہو جائے۔

دوسری قسم: وہ حضرات ان جماعتوں سے دھوکے میں ہیں اور ان کی حقیقت اور خطرات سے آگاہ نہیں ہیں، بلکہ بسا اوقات نادانی میں ان جماعتوں کی طرف خود کو منسوب بھی کرتے ہیں، اس طرح کے لوگوں کو نصیحت کی جائے گی، انہیں حقیقت سے آگاہ کیا جائے گا، کیونکہ نصیحت مومنوں کے لئے مفید ہے، اس طرح کے لوگوں کو اگر حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے تو رجوع کرلیں گے۔

تیسری قسم: یہ وہ لوگ ہیں جو ان جماعتوں سے ان کی حقیقت جانتے ہوئے ان کی طرف خود کو منسوب کرتے ہیں، دل سے انہیں چاہتے ہیں، ان کے رگ وریشے میں ان کی محبت پیوست ہوتی ہے، اکثر یہ لوگ نصیحت کرنے والوں سے دشمنی کرتے ہیں، ان کے کلام کو قبول نہیں کرتے، بلکہ نصیحت کرنے والوں پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، ان کے کلام کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے لوگوں سے ہم بات صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ حجت قائم ہو جائے، اس کے سوا ہم کچھ نہیں کر سکتے، بس دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ ہر ایک کو ہدایت دے۔

اب ہم اخوان المسلمین کے بارے میں گفتگو کریں گے، صرف دس منٹ باقی رہ گئے ہیں، کل ان شاء اللہ باقی کلام پورا کریں گے، اس بحث کے اندر (مخالف فرقوں) کے عنوان سے چار مجلسیں ہیں:

* **پہلی مجلس:** جس میں چند تمہید ہیں، جن کے اندر چند شبہات کو دور کیا گیا ہے، اور وہ گزر چکی ہیں۔
* **دوسری مجلس:** یہ اخوان المسلمین کے ساتھ خاص ہے۔
* **تیسری مجلس:** یہ تبلیغی جماعت کے ساتھ خاص ہے۔
* **چوتھی مجلس:** یہ داعش کے ساتھ خاص ہے۔

اب ان تمہیدوں کے بعد اس مجلس میں ہم دوسری بحث کی طرف منتقل ہوتے ہیں: اور وہ یہ ہے کہ اخوان المسلمین جماعت کے خطرے کا بیان، چنانچہ پہلے ہم اس جماعت کے خطرے پر بات کریں گے پھر اس جماعت کے متعلق تاریخی پہلوؤں اور بعض فوائد پر بات کریں گے۔

اس امت پر اخوان المسلمین جماعت کے خطرے کی کیا شکلیں ہیں اور اس کی کیا دلیلیں ہیں؟ اس پر کچھ امور کا تذکرہ کریں گے جن سے پتہ چلے گا کہ یہ جماعت کس قدر اس امت کے لئے خطرناک ہے:

پہلی چیز: یہ اخوان المسلمین کی جماعت ایک بدعتی باطل منہج پر قائم ہے:

* اپنی ذات کے اعتبار سے بدعتی ہے۔

* اپنے منہج میں باطل ہے۔

یہ جماعت منہج سلف کے مخالف ہے، کیونکہ سنت رسول پر قائم نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''وَإِيَّاكُمْ وَالْأُمُورَ الْمُحْدَثَاتِ، فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' ترجمہ: ''اور دین میں نئی باتوں (بدعتوں) سے اپنے آپ کو بچانا، اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اور چونکہ یہ جماعت بدعتی ہے اس لئے مذکورہ نص کے تحت آئے گی۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نئی جماعتوں کی طرف نسبت کرنے کو ترک کرنا واجب ہے، سب کو چاہئے کہ خود کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی طرف منسوب کریں، اور اس تعلق سے صدق و اخلاص سے آپس میں تعاون کریں، اسی طرح سب اللہ کی اس جماعت میں شامل ہو پائیں گے جس کے بارے میں ارشاد باری ہے: ﴿أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ﴾ [مجادلہ: ۲۲] ترجمہ: ''سن لو! بے شک اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔''

پھر شیخ نے آیتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ''اللہ کی جماعت کی یہ صفات ہیں کہ یہ لوگ کتاب اللہ اور سنت رسول نیز ان کی دعوت کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف خود کو منسوب نہیں کرتے، یہ صحابہ اور تابعین جیسے سلف امت کے منہج پر چلنے والے ہوتے ہیں، یہ تمام جماعتوں اور جمعیتوں کو نصیحت کرتے ہیں اور ان سب کو کتاب وسنت کی طرف بلاتے ہیں، اور ان کے اختلاف کو بیان کرتے ہیں، جو کتاب وسنت کے موافق ہو یا ان میں سے کسی ایک کو تو قبول کر لیتے ہیں، اور جو مخالف ہو اسے ترک کر دیتے ہیں، اور اس میں اخوان المسلمین، یا انصار السنہ، اور جمعیۃ شرعیہ، یا تبلیغی جماعت یا اسلام کی طرف منسوب کرنے والی دوسری جماعتوں اور جمعیتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

یہ پہلی چیز ہوئی کہ یہ جماعت امت کے لئے بہت ہی خطرناک ہے، اور یہ چیز ہر اس شخص کے لئے واضح ہے جو معیاروں اور اصولوں کو جانتا ہے، مزید یہ کہ یہ جماعت اپنے اصولوں میں بھی بدعتی ہے کہ دین کے نام پر نئے نئے اصولوں کو جنم دیا ہے۔

اخوانی جماعت کی خطرناکی میں سے یہ ہے کہ: یہ جماعت رسولوں کی دعوت توحید کو کمتر بنا کر پیش کرتی ہے، نیز سنت پر چلنے والوں کی مخالفت کرتی ہے، اس طرح یہ ایک طرف دعوت توحید کی تخفیف کرتے ہیں تو دوسری طرف توحید کی دعوت دینے والوں کی مخالفت کرتے ہیں، چنانچہ وہ بارہا کہہ چکے ہیں کہ قبروں کے شرک کا دور ختم ہو چکا ہے، اس مسئلے میں ہمیں نہیں پڑنا چاہئے، اب ہمیں محلوں کے شرک پر بات کرنی چاہئے جسے شرک حاکمیت کہتے ہیں یہ لوگ

اپنے منحرف فکر کی بنیاد پر، اور یہ چیز ان کے لٹریچر میں کثرت سے موجود ہے۔

کہتے ہیں: شرک قبور ختم ہو چکا ہے جس کے پیچھے تم پڑے ہوئے ہو سلفیو! دعوت توحید، غیر اللہ سے استغاثہ کی حرمت، مُردوں سے استغاثہ کی حرمت اور ان سے متعلق شرک کے بیانات کا زمانہ ختم ہوگیا ہے، اس طرح کی یہ باتیں کرتے ہیں، جو صورت حال سے بالکل جہالت اور نادانی ہے، یا عمداً صریح جھوٹ بولتے ہوئے ایسا کہتے ہیں، اور یہی دوسری بات ہی صحیح ہے، کیونکہ مسلم ممالک میں جو بھی رہتا ہے اسے یقینی طور پر معلوم ہے کہ شرک القبور کثرت سے موجود ہے، اور جسے یہ شرک القصور یعنی محلوں کا شرک کہتے ہیں، اور اس میں حد درجہ غلو سے کام لیتے ہیں، نیز اسے غیر شرعی وجوہات پر محمول کرتے ہیں، چنانچہ یہ ایک طرف توحید کی مخالفت کرتے ہیں اور دوسری طرف توحید کے مقام کو گرا کر پیش کرتے ہیں۔

اس کی چند مثالیں پیش ہیں:

ابوالحسن ندوی کہتے ہیں: ”امام حسن بنّا جیسا کہ انہوں نے خود صراحت کی ہے کہ وہ شروع میں صوفی طریقہ حصافی شاذلی پر تھے، اور اس طریقے کے اوراد و اذکار پر قائم تھے، ان کے بعض خاص لوگوں نے مجھ سے یہ بات بتائی ہے، اور یہ کہ وہ انہیں اوراد و اذکار پر آخری عمر تک قائم تھے۔“

یہ بہت اہم مسئلہ ہے، آگاہ رہنے کی ضرورت ہے، کیونکہ بعض اخوانی لوگوں کو دھوکہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسن بنّا شروع میں ضرور صوفی طریقے پر قائم تھے لیکن بعد میں اسے چھوڑ دیا تھا، حالانکہ یہ ابوالحسن ندوی جو کہ حسن بنّا کے بارے میں ہم سے کہیں زیادہ جانتے ہیں اور حسن بنّا کے خواص لوگوں کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں کہ حسن بنّا شاذلی حصافی صوفی طریقے پر تھے اور اپنی آخری عمر تک اسی طریقے پر قائم رہے، جب اس جماعت کے امام اور بانی کا یہ حال ہے تو پھر توحید و عبادت کے باب میں دوسروں سے کیا امید کی جا سکتی ہے؟

حسن بنّا خود کہتے ہیں: ”ہم عزبۃ النوام – ایک جگہ – کی زیارت کرتے تھے جہاں شیخ سید سنجر کا مزار ہے اور جو طریقہ حصافیہ کے خاص پیروں میں سے مانے جاتے ہیں، وہاں ہم ایک دن ٹھہرتے تھے پھر واپس آتے تھے۔“

دیکھیں موصوف اپنے شیخ کے مزار پر جاتے تھے اور ایک دن وہاں ٹھہرتے تھے پھر واپس آتے تھے۔

موصوف جشن میلاد بھی مناتے تھے اور اس میلاد میں شرکیہ گیت بھی گاتے تھے، اسی گیت میں سے یہ شعر بھی ہے جسے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جشن میلاد میں گنگنایا کرتے تھے:

هذا الحبيب مع الأحباب قد حضر

وسامح الكل في ما قد مضى وجرى

ترجمہ: ''یہ ہیں حبیب مصطفیٰ جو احباب اور دوستوں کے ساتھ حاضر ہو چکے ہیں، اور سارے لوگوں کی پچھلی غلطیوں کو معاف کر دیا۔''

یہاں دیکھیں حبیب سے مراد نبی اکرم ﷺ کو لے رہے ہیں، اور کس طرح آپ کو یہ اختیار دے رہے ہیں کہ جشن میلاد میں موجود سارے لوگوں کے گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں، کیا توحید کے مسئلے کو کم تر بنانا نہیں ہے، شرک کی وکالت کرنا نہیں ہے؟

اخوانی مرشد تلمسانی اپنی کتاب ''شهيد المحراب عمر بن الخطاب'' میں لکھتے ہیں یہ ثابت کرتے ہوئے: ''اسی لئے میں اس رائے کا قائل ہوں کہ رسول اللہ ﷺ زندہ مردہ ہر حال میں ہر اس شخص کے لئے استغفار کرتے ہیں جو آپ کے پاس آتا ہے اسی مقصد سے۔''

گویا یہ ثابت کر رہے ہیں کہ آپ نبی اکرم ﷺ کی قبر پر جا کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے استغفار کر دیجئے۔

اور مزید کہتے ہیں: ''جو اولیاء کی کرامتوں کا قائل ہو اور ان کی پاک قبروں پر جا کر التجاء کرتا ہو اس پر بہت زیادہ نکیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

کرامت اولیاء کا ماننا الگ بات ہے، یہ اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے ہے، لیکن کیا اپنی سمجھ سے کسی کو ولی اللہ مان لیا جائے پھر اس کی قبر پر جا کر التجاء کی جائے، کیا یہ شرک نہیں ہے؟

موصوف آگے کہتے ہیں: ''اور وہاں جا کر مصیبت کے وقت دعا کرے، اب ان لوگوں پر ہم حملہ بولیں اور ان پر سختی کریں یہ مناسب نہیں۔''

گویا اگر آپ کے خلاف بولتے ہیں تو اللہ کے اولیاء کے خلاف ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے، اگر ایسا کوئی کرتا ہے تو اللہ کے اولیاء کا دفاع کرتا ہے کہ ان کے نام پر شرک جو ہو رہا ہے۔

کٹر اخوانی سعید حوی کہتے ہیں: ''امت نے عقیدے کے مسائل کو دو لوگوں کی طرف سونپ دیا ہے، وہ دونوں ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی ہیں۔''

ابوالحسن اشعری کے درمیانی مرحلے کی بات کر رہے ہیں، کیونکہ ابوالحسن اشعری تین مرحلے سے گزرے ہیں، اور اشاعرہ ان کے دوسرے مرحلے پر قائم ہیں، پھر آخری مرحلے میں موصوف عقیدہ سلف پر آگئے تھے، اور اسی عقیدے پر فوت ہوئے، لیکن اشاعرہ اس کا انکار کرتے ہیں، اور اشعری عقیدہ اور ماتریدی عقیدہ تقریباً ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں، اور اسی عقیدے پر اخوانی جماعت کے لوگ قائم ہیں۔

حالیہ زمانے میں اخوانی جماعت کے لوگوں نے دیکھا کہ توحید کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے لوگ اس جماعت سے متنفر ہو رہے ہیں، اس لئے اس جماعت کی ایک نئی شکل سامنے آئی جسے سروریہ کہتے ہیں، یہ بھی کٹر اخوانی ہیں مگر ملمع سازی کے ساتھ، اور یہ دو طریقے سے:

*علم کا اہتمام کرنا۔

*توحید کا اہتمام کرنا۔

لیکن جب ان کے علم و توحید کے اہتمام پر غور کریں گے تو دو چیزیں ملیں گی:

پہلی چیز: یہ اہتمام دراصل لوگوں کو اخوانی فکر کی طرف ڈھکیلتا ہے، گویا یہ ایک وسیلہ ہے، اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں:

-سفر حوالی جو کہ سروریوں کے سربراہوں میں مانے جاتے ہیں، عقیدہ طحاویہ کی شرح کرتے تھے، موصوف عصر کے بعد اس کتاب کی شرح کرتے، اور مغرب کے بعد سروری فکر کی تشریح کرتے جو کہ دراصل اخوانی فکر ہے۔

-سلمان عودہ جو کہ سروریوں کے سربراہوں میں مانے جاتے ہیں، شروع شروع میں وہ بلوغ المرام کی شرح کرتے تھے، اور ایک حدیث کی شرح میں پوری ایک کیسٹ بھر جاتی تھی، پھر چار چار پانچ پانچ حدیثوں کی شرح ایک ہی مجلس میں کرنے لگے، پھر بعد میں لوگوں کی توجہ دیکھ کر اخوانی منہج اور فکر کی تلقین کرنے لگے بالکل سروریوں کے منہج پر۔

اس طرح ہم تجربات سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ سروری اخوانی جو توحید اور احکام پر دروس کا اہتمام کرتے ہیں یہ دراصل وسیلہ ہے اخوانی منہج و فکر کی ترویج اور اسے نشر کرنے کا، اسی لئے سلمان عودہ کہتے ہیں: ”توحید کو صرف دس منٹوں میں سیکھا جاسکتا ہے۔“ وہ توحید جسے سمجھانے میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی بعثت سے وفات تک پوری زندگی لگا دی اسے یہ جناب دس منٹ میں سمجھا رہے ہیں۔

یہ پہلی چیز ہے جسے آپ سروری اخوانیوں کے یہاں ملاحظہ کریں گے۔

دوسری چیز: یہ توحید پر گفتگو اجمالی طور پر کرتے ہیں تفصیلی طور پر نہیں کہ جس میں شرک کی وضاحت اور اس کی شکلوں کا بیان ہوتا ہے، بلکہ صرف اجمالی طور پر بیان کر کے نکل جاتے ہیں۔

اس طرح اخوانی' دعوت توحید کے مسئلے کو ہلکا کر کے بیان کرتے ہیں جبکہ توحید کا اہتمام انبیاء ورُسل کی دعوت کا مشن رہا ہے، چنانچہ اس باب میں ان کے یہاں بہت ساری مخالفات پائی جاتی ہیں، علماء نے جن سے آگاہ کر دیا ہے جیسے شیخ ابن باز رحمہ اللہ۔

سوالات

سوال: بعض نے کہا: اسلام کے اندر بیداری کیا اخوان المسلمین کی وجہ سے آئی ہے؟

جواب: دراصل اسلام کے اندر کبھی فتور اور نیند طاری ہی نہیں ہوئی کہ اسے بیدار ہونے کی ضرورت پڑے، اسلام ہمیشہ سے بیدار رہا ہے اور الحمدللہ ہمیشہ غالب رہے گا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**لا تزال طائفة من أمتي على الحق ظاهرين**'' ترجمہ: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔''

ساتھیو! اس طرح کے مصطلحات اخوانیوں نے رائج کیئے ہیں، چنانچہ موجودہ دور میں اخوانیوں کی طرف سے دو خطرناک مصطلح رائج ہوئی ہے:

* اسلامی بیداری۔
* اسلامی فکر، اس طرح انہوں نے اسلام کو دوسرے افکار کی طرح ایک فکر بنا دیا۔

یہ امت مسلمہ کے لئے بہت ہی خطرناک ہے، اور یہ خطرہ اخوانیوں کی طرف سے آیا ہے کہ انہوں نے اسلام کو ایک فکر بنا کر پیش کیا ہے، حالانکہ فکر انسانی اجتہاد و کاوش کا نام ہے، تاکہ اس مصطلح کے ذریعے یہ اپنی شخصیتوں کو پروموٹ کریں، مثلاً اسلامی مفکر کبیر وغیرہ کہہ سکیں، یعنی وہ عالم تو نہیں ہوتا اسی لئے اسے اسلامی مفکر کا لقب دے دیتے ہیں، پھر اسی کے نام پر اجلاس قائم کرتے ہیں جس میں ان کا عصری اسکالر مفکر اسلامی بن کر لیکچر دیتا ہے۔

دوسری چیز صحوہ اور بیداری ہے، چنانچہ حقیقت میں اسے اپنے خاص معنیٰ میں مراد لیتے ہیں اور اس بیداری میں حصہ لینے والوں کو یہ اسلامی کہتے ہیں اور جو ان کی فکر کے حساب سے اس بیداری میں حصہ نہ لے اسے اس میں شامل نہیں مانتے، اس طرح انہوں نے لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے:

- ایک اسلامی
- دوسرا غیر اسلامی

مطلب جو ان کے منہج کی طرف دعوت دے وہ اسلامی ہے، اسی طرح جو چیزیں ان کے منہج اور ذوق و مصلحت کے مطابق ہیں وہ سب اسلامی ہیں اور جو ان کے مخالف ہے وہ غیر اسلامی ہے، جبکہ اسلام کی طرف دعوت دینے والا ہی حقیقت میں اسلامی ہے اور یہی سلفی منہج ہے، اور حقیقی دینداری سلفی دعوت ہی میں ہے۔

چنانچہ یہ میرا تجربہ ہے کہ میں نے تقریباً بیس سال پہلے بعض ملکوں کا سفر کیا تھا جہاں ایک یا دو مسجدیں ہوا کرتی تھیں جن میں ایک یا دو تین لوگ نماز پڑھتے تھے، لیکن جب وہاں سلفی دعوت پہنچی اور لوگوں کے اندر بیداری آئی، تو بہت سی مسجدیں بن گئیں اور یہ مسجدیں نمازیوں سے پُر ہوگئیں، یہ اللہ کا فضل ہے اور منہج سلف کی دعوت کا نتیجہ ہے، جبکہ اخوانی جماعت کی دعوت 90/سالوں سے موجود ہے لیکن اس کا حقیقی اثر زمین پر کوئی نہیں، حقیقی اثر اسی سلفی دعوت میں ہے۔

۞ ۞ ۞

معاصر منحرف فرقے (۲)

(اخوان المسلمین)

الحمدُ للهِ ربِّ العالمَين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

فاضل ساتھیو! تمام احباب کو آج بروز بدھ کی اس دوسری مجلس میں خوش آمدید ہے، اس علمی دورے کے اندر "**منہج سلف کے مخالف معاصر فرقے**" کے عنوان پر یہ ہماری پہلی مجلس ہے، اللہ اسے بابرکت بنائے۔

* **اس جماعت کے خطرات میں سے ایک یہ ہے کہ:** یہ ایک تکفیری جماعت ہے جو تکفیر پر قائم ہے، غلو پر اس کی بنیاد ہے، اسلامی سماج کو جاہلیت زدہ قرار دینا اس کا منہج ہے، اور یہ صفات اس جماعت کے دونوں فروع میں پائی جاتی ہیں چاہے وہ بنّائی جماعت ہو، یا قطبی سروری، دونوں تکفیر و غلو کے منہج پر قائم ہیں، یہ دونوں مسلم سماج کو کالی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اسے جاہلی سماج مانتے ہیں۔

سید قطب کہتے ہیں: "آج زمانہ ایک بار پھر اسی جگہ پر واپس آگیا ہے جس وقت یہ دین **لا الٰہ الا اللہ** کے ساتھ آیا تھا۔" اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ زمانہ نبی اکرم ﷺ کے دور کی طرف واپس آگیا ہے اور لوگ اس وقت بہتر زمانے میں ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ زمانہ اس سے بھی پہلے جاہلیت کے زمانے میں چلا گیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں: "آج زمانہ ایک بار پھر اسی جگہ پر واپس آگیا ہے جس وقت یہ دین **لا الٰہ الا اللہ** کے ساتھ آیا تھا، ایک بار پھر انسانیت بندوں کی عبادت اور ادیان کے ظلم کی طرف واپس ہو چکی ہے، پوری انسانیت **لا الٰہ الا اللہ** سے پھر چکی ہے، جس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مشرق سے مغرب تک **لا الٰہ الا اللہ** پڑھتے ہیں بغیر اس کی حقیقت اور مدلول کو سمجھے۔"

* **وہ ایسا کیوں کہتے ہیں؟**

کیونکہ انہوں نے اپنے کلام میں یہ ثابت کیا ہے: "اور بغیر اس کے کہ حاکمیت کی شریعت کا انکار کریں جس کا دعویٰ یہ کرتے ہیں جو کہ الوہیت کے مترادف ہے۔" یعنی یہ سماج کافر ہے کیونکہ حاکمیت کا انکار کرتا ہے، اور حاکمیت

ان کے نزدیک الوہیت کے برابر ہے، گویا ان کی نظر میں حکام معبود ہیں، چنانچہ جو ان کی حکمرانی سے راضی ہے گویا وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود پر راضی ہے۔

چنانچہ کہتے ہیں: ''چاہے اس کا انفرادی طور پر دعویٰ کریں یا پھر تشریعی جماعتوں کی شکل میں، یا قوموں کی شکل میں، سب برابر ہیں، افراد بھی جماعتوں اور قوموں کے حکم میں ہیں، کسی کو بھی حاکمیت کا حق نہیں ہے، اس طرح پوری انسانیت جاہلیت کی طرف پلٹ گئی ہے، اور کلمہ لا الہ الا اللہ سے مرتد ہو چکی ہے، اور بندوں کے اندر الوہیت کے خصائص دے رکھے ہیں۔''

چنانچہ کہتے ہیں: ''ایک بار پھر انسانیت بندوں کی عبادت اور ادیان کے ظلم وجور کی طرف واپس جا چکی ہے، پوری انسانیت لا الہ الا اللہ سے پھر چکی ہے، جس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مشرق سے مغرب تک لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں بغیر اس کی حقیقت سمجھے، جو بروز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے، کیونکہ یہ سب بندوں کی عبادت کی طرف پھر گئے یعنی مرتد ہو چکے ہیں۔''

اس طرح پورے مسلمانوں پر یہ حکم لگا دیا کہ سب جاہلی سماج میں جی رہے ہیں، اور سب کے سب مرتد ہو چکے ہیں، اور مسلمانوں کے اندر جو اذان موجود ہے اس سے کچھ فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔

اسی طرح ان کے قدیم استاد مودودی کہتے ہیں، دراصل ان کے یہاں قدیم اور جدید استاد ہوتے ہیں:

* جدید استاد سید قطب ہیں۔
* قدیم استاد مودودی ہیں۔

حقیقت میں سید قطب مودودی کی فوٹو کاپی ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ انہوں نے مودودی کے افکار کو نئے اسلوب میں ڈھال دیا ہے۔ سید قطب جن افکار باطلہ کا شکار ہیں اور جنہیں پوری صراحت سے شیخ ربیع بن ہادی مدخلی نے بیان کر دیا ہے، بالکل وہی افکار ہیں جن کا شکار مودودی تھے، مگر سید قطب نے ان افکار کو نئے اور خوبصورت بلیغ اسلوب میں پیش کر دیا جو مودودی کے کلام سے زیادہ مشہور ہو گیا۔

چنانچہ ان کے قدیم استاد مودودی کہتے ہیں: ''خلیفہ ثالث عثمان ان خصائص سے متصف نہیں تھے جن خصائص سے ان سے پہلے دو خلیفہ متصف تھے، اسی لئے اسلامی نظام کے اندر جاہلیت نے راستہ بنا لیا۔''

ساتھیو! ان کا صرف یہی عقیدہ نہیں ہے کہ جاہلیت مسلمانوں کے اندر موجودہ دور میں داخل ہوئی ہے، بلکہ ان کے

نزدیک یہ جاہلیت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں آچکی تھی، نعوذ باللہ! گویا ان کے نزدیک جاہلیت کو نظام اسلامی کے اندر سب سے پہلے لانے والے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے، نعوذ باللہ۔

یہیں سے ان کے خبیث ایجنڈے کو سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح یہ اپنے مسموم تیروں کا نشانہ خلیفہ سوم کو بھی بنانے سے نہیں شرماتے ہیں جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**ما ضر عثمان ما عمل بعد هذا اليوم**''، یعنی آج کے بعد عثمان خواہ کچھ بھی کریں انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور یہ وہی عثمان ہیں جن کی شرم وحیا کا لحاظ نبی اکرم ﷺ بھی کیا کرتے تھے، لیکن یہ اخوانی لحاظ نہیں کرتے، آپ پر بے جا الزامات لگاتے ہیں اور آپ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ یہ اخوانی مانتے ہیں کہ جاہلیت مسلمانوں کے اندر موجودہ دور میں داخل نہیں ہوئی ہے بلکہ ان کے نزدیک یہ جاہلیت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں آچکی تھی، نعوذ باللہ۔

ان کے کلام پر ان کے تیسرے استاد نے تبصرہ کیا ہے، یہ کون ہیں؟ یہ قرضاوی ہیں:

* ان کے قدیم استاد مودودی ہیں۔
* استاد ثانی سید قطب ہیں۔
* استاد سوم قرضاوی ہیں۔

چنانچہ قرضاوی ان کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''دیکھیں کس طرح علامہ کبیر نے اسلام پر جاہلیت کی طرف پلٹنے کا حکم لگایا ہے، صحابہ اور تابعین ہی کے شروع ادوار میں، جبکہ نصوص حدیث کی روشنی میں یہ خیر امت کا زمانہ ہے۔''

یعنی موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جاہلیت جب خیر القرون میں موجود تھی تو آج کے بارے میں کیا پوچھنا؟

یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے کہ یہ لوگ موجودہ دور ہی کے سماج کو متہم نہیں کرتے بلکہ عصر اسلام کے ابتدائی دور کو بھی متہم کرتے ہیں جو کہ خلافت راشدہ کا دور ہے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دور، لہٰذا حاکمیت کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے، انہوں نے اسے خلافت راشدہ ہی سے لاگو کر رکھا ہے۔

1428 ہجری کے اندر ایک اخبار نے اخوان المسلمین کے جنرل سیکریٹری محمود عزت کے بارے میں لکھا کہ انہوں نے کہا: ''2005ء میں سید قطب کے لٹریچر کے مسئلے کو اٹھایا گیا تو خود بعض اخوانیوں کی طرف سے یا ان مقالات میں جنہیں دوسروں نے لکھا، یہاں تک کہ بعض معروف اخوانی شخصیات نے اسے اپنے خاص مذاکرات

(سوانحی ڈائری) میں بیان کیا۔"

یعنی اس وقت بعض اخوانیوں ہی کی طرف سے یہ آواز اٹھائی گئی کہ سید قطب کی کتابوں اور ان کے کلام میں مسلم سماج کی تکفیر پائی جاتی ہے۔

چنانچہ محمود عزت کہتے ہیں: "استاد سید قطب کے کچھ کلام پائے جاتے ہیں جن میں موجودہ سماج کو جاہلی سماج کہہ کر اس کی تکفیر کی گئی ہے، اور ان کے کلام کا اثر دوسرے غیر اخوانی جماعتوں پر بھی پڑا جنہوں نے تشدد اور ہنسا کا طریقہ اپنالیا۔"

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اخوانیوں نے خود تشدد کا راستہ اپنایا ہے جیسا کہ میں بیان کرنے والا ہوں، چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ سید قطب کی کتابوں نے ہی تکفیر کو جنم دیا ہے جو قتل وخونریزی اور تدمیر کا سبب بنا ہے۔

آگے کہتے ہیں: "اور جب مکتب ارشاد - اخوانیوں کی مرکزی آفس جس کی سمع وطاعت تمام ممبروں پر واجب ہے - نے اس مسئلے میں مناقشہ کیا تو اس مسئلے کو قسم التربیۃ کے حوالے کر دیا کیونکہ یہی شعبہ جماعت کے فکری مسائل کو دیکھتا ہے، اسی طرح بعض ان اخوانیوں کے حوالے کیا گیا جو سید قطب کے معاصر رہ چکے تھے، بطور خاص وہ لوگ جو سید قطب سے کچھ زیادہ ہی کلوز تھے، چنانچہ بحث وتحقیق کے بعد مکتب ارشاد نے اس تکفیری مسئلے پر موافقت دے دی اور مرشد عام محمد مہدی عاکف نے جماعت کے اس موقف کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ سید قطب کا کلام اخوانی فکر سے باہر نہیں ہے۔"

اس لئے جو لوگ سید قطب اور جماعت کی فکر کے بارے میں تفصیل پیش کرتے ہیں کہ یہ سید قطب کی رائے ہے اور یہ جماعت کی رائے ہے، تو یہ لوگ دراصل لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، کیونکہ مکتب ارشاد جس پر ہر اخوانی اندھا یقین رکھتا ہے، اس کی سمع وطاعت کو واجب سمجھتے ہیں، وہ یہ فیصلہ کر رہا ہے کہ سید قطب کی فکر اور ان کلام اخوانی فکر سے باہر نہیں ہے، پھر ہم سید قطب کے کلام اور ان کی فکر کو اخوانی فکر سے الگ کیونکر کر سکتے ہیں۔

یہ ان کے پہلے مرشد حسن بنا ہیں، سید قطب کی کتاب "**العدالة الاجتماعية**" پڑھنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہی ہمارے افکار ہیں، یعنی اخوانی جماعت کے افکار ہیں۔ جبکہ یہی وہ کتاب ہے جس کے اندر سید قطب نے سیدنا عثمان پر طعن وتشنیع کی ہے، اور جس کے اندر تکفیر پائی جاتی ہے۔

اخوانی مرشد عمر تلمسانی کہتے ہیں: "شہید سید قطب کی مشہور اور عمدہ تصنیفات ہیں جیسے: "**في ظلال القرآن**"

"العدالة الاجتماعية" "معالم فی الطریق"۔

جبکہ ان ساری کتابوں میں حتیٰ کہ ظلال تک میں تکفیر بھری ہوئی ہے، اسی طرح بعض انبیاء اور بعض صحابہ پر سبّ و شتم پایا جاتا ہے، جیسے موسیٰ علیہ السلام، اور عثمان وعمرو بن عاص ومعاویہ رضی اللہ عنہم۔

عمر تلمسانی آگے کہتے ہیں: "ان کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے اندر ظلم کے تمام مظاہر پر نقد کیا گیا ہے، اور ہر طبقے سے ظلم وتشدد کو مٹانے کی وکالت ہے، اور مجھے خود "معالم فی الطریق" کے طالعہ کا شرف حاصل ہوا ہے، اس کے چھپنے سے پہلے ہی" یعنی اس کتاب کے چھپنے سے پہلے ہی انہوں نے اسے دیکھا ہے، اسے تسلیم کیا اور اسے چھاپنے کی اجازت دی۔

اخوانی مرشد حسن ہضیبی کہتے ہیں: "مجھے نہیں معلوم کہ سید قطب کا فکر اخوان المسلمین کے فکر سے کچھ بھی مختلف تھا۔"

مشہور اخوانیہ خاتون زینب غزالی کہتی ہیں: "مجھے معلوم ہے کہ مرشد حسن ہضیبی اس کتاب "معالم فی الطریق" سے باخبر ہوئے اور سید قطب کو اس کی طباعت کی خبر دی، اور جب میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو کہا: اس کتاب نے سید قطب کے ذریعے میری (خارجیت والی) امید جگا دی ہے، اللہ ان کی حفاظت فرمائے، میں نے اس کتاب کو بار بار پڑھا ہے، یقیناً اب سید قطب ہی ہماری دعوت کی پوری امید ہیں- پھر مرشد نے مجھے وہ کتاب دی جسے میں نے مکمل پڑھ لی۔"

آگے زینب غزالی نے کہا: "پھر میں اس کتاب کو لے کر مرشد کے حجرے میں بیٹھ کر پڑھنے لگی یہاں تک کہ مکمل پڑھ لیا۔"

یعنی مرشد نے اس خاتون کو باہر نہیں لے جانے دیا۔

خلاصہ یہ کہ سید قطب کی کتابوں میں موجود فکر ہی اخوانیوں کی فکر ہے جسے ان کے مرشد اور چوٹی کے افراد نے اقرار کیا ہے۔

اور یوسف العظم کہتے ہیں: "شہید سید قطب نے جیل سے نکلنے کے بعد اپنی کتاب "معالم فی الطریق" کو استاد حسن ہضیبی پر پیش کیا تاکہ یہ کتاب قابل بھروسہ ہو جائے اور تاکہ جماعت کے افراد اس کا مطالعہ کریں، یعنی اس کتاب کے افکار پر ان کی تربیت دی جائے، چنانچہ مرشد نے اس کتاب کو تسلیم کیا اور کہا: ایسی کتاب کو ہم کیوں نہ نشر کریں تاکہ اخوان اس سے باخبر ہوں اور ان کے درمیان یہ کتاب مشہور ہو۔"

اس طرح ان دلائل سے بالکل واضح ہوگیا کہ سید قطب کے تکفیری افکار ہی اخوانی جماعت کے افکار ہیں جن کی بنیاد پر یہ مسلم سماج کی تکفیر کرتے ہیں، ہم اس بات کی تہمت ان پر نہیں لگا رہے ہیں بلکہ ان کے مرشد اور اکابرین کا یہی ماننا ہے جسے ہم نے پیش کر دیا ہے۔

آئیے تکفیر کے مسئلے میں ان کے امام اکبر کی بعض عبارتوں پر بھی نظر ڈال لیتے ہیں:

حسن بنّا کہتے ہیں: ''اگر حاکم شرعی احکام کی حمایت میں کوتاہی کرتا ہے تو اسے اسلامی حاکم نہیں کہا جائے گا، اور اگر حکومت اپنی ان ذمہ داریوں کو نہ نبھائے تو اسے اسلامی حکومت نہیں کہیں گے- اس طرح نہ حاکم اسلامی رہا اور نہ حکومت- اور اگر جماعت یا پوری امت اس کوتاہی پر راضی ہو اور اس کی موافقت کرے تو پھر یہ امت بھی اسلامی نہیں رہ جائے گی خواہ وہ کتنا ہی زبان سے دعویٰ کرے کہ وہ اسلامی امت ہے۔''

حقیقت یہی ہے کہ اخوانیوں کے عقیدے کے اعتبار سے حاکمیت کا عقیدہ جو بھی نہیں رکھتا ہے' وہ مسلمان نہیں ہے گرچہ وہ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

حسن بنّا مزید کہتے ہیں: ''مصر کے حکمران نہ تو اسلام سے منسلک ہیں اور نہ ہی اسلام کی تعلیم سے، انہوں نے سیرابی کسی دوسرے چشمے سے حاصل کی ہے، کسی دوسری کتاب کو پڑھ رکھا ہے، اور اسی کے فیصلے پر حکومت کرتے ہیں۔'' گویا یہ اسلام پر قانع نہیں ہیں، اور جو اسلام پر قانع نہ ہو وہ کافر ہے۔

مشہور اخوانی میگزین ''النذیر'' کے اندر آیا ہے: ''سودی احکام مصری عدالتوں میں جاری ہو رہے ہیں اور یہ سب جلالۃ الملک کے حکم سے ہوتا ہے، آخر ہم کس ملک میں جی رہے ہیں؟ اور کس حکومت میں جی رہے ہیں؟ مسلم مصری عربی حکومت کے اندر یا مصری بت پرست حکومت کے اندر؟''

مزید ''النذیر'' میگزین کے اندر آیا ہے، حسن بنّا کہتے ہیں: ''عربوں نے قدیم زمانے میں بُتوں کی عبادت کی تھی جو انہیں کوئی نفع ونقصان نہیں پہنچاتے تھے، اور آج ہم مصر کے اندر لات وعزیٰ کی طرح حکمرانوں کی شکل میں بُتوں کی پرستش کر رہے ہیں۔''

حسن بنّا کہتے ہیں: ''عربوں نے قدیم زمانے میں بُتوں کی عبادت کی تھی جو انہیں کوئی نفع ونقصان نہیں پہنچاتے تھے، پھر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دین حق کے ساتھ مبعوث کیا' جنہوں نے مکہ کو فتح کیا، بُتوں کو توڑا، بیت اللہ کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کیا، اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم کہیں: مصر! تو بھی اپنے بُتوں کو توڑ دے، اپنے

گھر کو صالحین کے لئے پاک کر دے۔"

دیکھیں ان کے فاسد منہج کو، یہ اخوانی جس منہج اور عقیدے پر ہوتے ہیں عوام کے سامنے اسے ظاہر نہیں کرتے، کیونکہ ان کا قاعدہ ہے کہ مقصد کے حصول میں کوئی بھی وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے۔ بلکہ ان کے یہاں اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ بقاء کی خاطر آپس ہی میں ایک دوسرے پر نقطہ چینی کی جائے، اور یہ معلوم رہے کہ یہ جماعت تکفیر کی تعلیم دیتی ہے اور اس کو لازم پکڑتی ہے، بلکہ جو اسے لازم نہ پکڑے اسے جماعت سے خارج مانتے ہیں۔

ابو مصعب سوری جو کہ القاعدہ تنظیم کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ القاعدہ تنظیم اخوان المسلمین کا سگا بیٹا ہے، اور یہ جماعت اس کی ماں ہے، جس نے کئی تفجیری اور تکفیری تنظیموں کو جنم دیا ہے، چنانچہ ابو مصعب سوری کہتا ہے:

"1989ء میں اردن کے ایک اخوانی استاد نے عمان کے اندر مجھ سے کہا: اخوانی تنظیم سے میں ستّر کی دہائی میں منسلک ہوا تھا، مجھ سے طلب کیا گیا کہ میں اردن کے بادشاہ کی تکفیر کروں، کیونکہ وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف حکومت کرتا ہے، اور اس وقت ہماری بنیادی کتاب "**معالم فی الطریق**" تھی، اور میں نے تفسیری کتابوں سے بھی کچھ پڑھ رکھا تھا، اس میں بعض تابعین کا قول بھی تھا کہ یہ کفر دون کفر ہے، یعنی کفر اصغر ہے جس سے آدمی کافر نہیں ہوتا، بعض تابعین سے اس کی مراد ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جن سے یہ تفسیر مروی ہے، پھر تابعین سے اس طرح کے اقوال کو اکٹھا کیا تو ان کی تعداد پچاس سے زیادہ پہنچ گئی، چنانچہ میرا خیال ہے کہ وہ بادشاہ مسلمان ہے نہ کہ کافر۔"

گویا اس نے علم حاصل کر کے سمجھا کہ بادشاہ مسلمان ہے نہ کہ کافر گرچہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، چنانچہ آگے کہتا ہے: "چنانچہ میرا خیال ہے وہ بادشاہ مسلمان ہے نہ کہ کافر، گرچہ وہ ظالم و فاسق ہے، چنانچہ اپنے اس نظریے کی وجہ سے مجھے اخوانی مقدمے کا سامنا کرنا پڑا، گویا اخوانیوں کی نظر میں وہ گمراہ ہو گیا۔ تنظیم نے مجھے کچھ وقت کے لئے مہلت دی تاکہ بادشاہ کے کفر کا اعتقاد کر لوں یا تنظیم سے نکال دیا جاؤں، اس دوران میری ممبر شپ کو معطل کر دیا گیا، اس دوران میں نے غور و فکر کیا اور بادشاہ کے کفر کا اعلان کر دیا، اور تنظیم میں دوبارہ واپس آ گیا، کچھ سالوں کے بعد تنظیم کے اندر میں خود استاد بن گیا اور نوجوانوں کو بادشاہ کی تکفیر پر "**معالم فی الطریق**" اور دیگر کتابوں سے دلائل کی شرح کرنے لگا۔"

یہ ہے اس خطرناک جماعت کا تکفیری منہج جس کی یہ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اسی پر نوجوانوں کی تربیت دیتے ہیں۔

اس جماعت کی خطرناکیوں میں سے یہ بھی ہے کہ: یہ ایک خونی جماعت ہے جو لوگوں کے قتل اور اغواء پر قائم ہے، یہ خونی صفت اس جماعت کے اندر شروع ہی سے موجود ہے، کچھ لوگوں کی طرف سے مغالطہ کیا جاتا ہے کہ اخوان المسلمین کا دو دھڑا ہے:

* ایک بنّائی دھڑا جو ایک سیاسی جمہوری مصالحتی دھڑا ہے، اسی کو حسن بنّا کا دھڑا کہتے ہیں۔

* دوسرا اخوانی دھڑا جو تشدد کا قائل ہے، یہی سید قطب اور ان کے ساتھیوں کا دھڑا ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے کہ سید قطب کی فکر اخوانیوں کی فکر سے ذرا بھی مختلف نہیں ہے، اور اخوانیوں کی فکر وہی ہے جو سید قطب کی فکر ہے، اور یہ چیز تمام امور میں مشترک ہے، یہاں کوئی دو دھڑا نہیں ہے بلکہ ایک ہی ہے، البتہ دھوکہ دینے کے لئے اس طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں۔

محمد صباغ کہتے ہیں: ''تنظیم خاص (اخوانیوں کی مسلح فدائی خونی تنظیم) کے لوگ حکومت کے پیچھے پڑ گئے جب دیکھا کہ بلاشبہ حکومت اسلام سے لڑ رہی ہے، اور اب ہر مسلمان پر یہ واجب ہوگیا ہے کہ اس سے مسلح لڑائی کرے، اور ساتھ ہی ان سب سے لڑائی کرے جو ایسی کافر حکومت کا ساتھ دے۔''

گویا اب حکومت اور فوج کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی سب کافر ہو چکے، اور سب لوگوں پر فرض عین ہوگیا ہے کہ ان سے جنگ کریں۔ یہی اس تنظیم کا عقیدہ ہے۔ اور اسی عقیدے کا اثر ہے کہ آج یہ خونی اخوانی مصری ججوں اور فوج کے افراد کا اغواء اور قتل کرتے ہیں، اور اسے جہاد سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کی نظر میں حکومت کافر ہے، اور ہر وہ شخص کافر ہے، جو ایسی حکومت کا تعاون کرے، اسی طرح ہر وہ شخص کافر ہے جو ایسی حکومت سے راضی ہو جیسا کہ تکفیر کی بحث میں گزرا، اور اس تکفیری خونی تنظیم کی بنیاد کوئی دوسرا نہیں حسن بنّا نے خود ڈالی تھی جسے یہ جہاز سرّی یعنی پُراسرار تنظیم کہتے ہیں، جس کا دو نام ہے:

* نظام خاص۔

* پُراسرار تنظیم۔

اور اس تنظیم کی بنیاد حسن بنّا نے 1940ء میں رکھی تھی، اور یہ ایک فوجی تنظیم ہے، جو کہ اخوانی جماعت کا عسکری دھڑا مانا جاتا ہے، اس کے اندر ممبر اخوانی جماعت سے چنا جاتا ہے، جو سخت فوجی ٹریننگ لیتے ہیں، مکمل راز داری کے ساتھ، ان کے بارے میں سوائے اس ممبران کے کوئی نہیں جانتا، اور اس تنظیم کا حال عنقودی یعنی زنجیری شکل کا

ہوتا ہے، ہر تین ممبران کا ایک صدر ہوتا ہے، یہ صرف اپنے انہیں تین ساتھیوں کو جانتا ہے، پھر ان تینوں میں سے ہر ایک تین اشخاص کے صدر ہوتے ہیں، جو اپنے اپنے ہی ساتھیوں کو جانتے ہیں، اس طرح یہ تنظیم پُر اسراریت میں ڈوبی ہوتی ہے، اس طور پر کہ اس تنظیم کے تمام افراد کو اس تنظیم کے تمام افراد کبھی نہیں جان سکتے۔

اس تنظیم کی دو اہم ذمہ داریاں ہیں:

* دھمکی اور دہشت گردی۔

* اغواء اور قتل۔

یعنی اگر جماعت کا کوئی فرد جماعت کی فکر کی مخالفت کرتا ہے تو اسی تنظیم سے کسی فرد کو اس کے پاس بھیجا جاتا ہے، وہ جا کر اس سے کہتا ہے: یا تو خاموشی سے جماعت کے ساتھ رہو یا قتل کے لئے تیار ہو جاؤ، پھر نہ ماننے کی صورت میں قتل اور اغواء کر دیا جاتا ہے۔

اسی تنظیم خاص کے ایک ممبر احمد عادل کمال کہتے ہیں: ”نظام خاص ایک فوج ہے جو جماعت کی محافظ ہے۔“

یعنی جماعت اور اس کے افکار کی محافظ ہے، اور اس تنظیم کے صدر کا تعین خود حسن بنّا کرتے تھے۔

محمود عبد الحلیم جو کہ ایک وقت میں اس تنظیم کے صدر رہ چکے ہیں، پھر حسن بنّا نے انہیں حکومتی نوکری میں لگا دیا، اور اخوانیوں کا یہ طریقہ ہے کہ حکومتی اداروں میں مل کر رہنا چاہئے، حسن بنّا نے پھر محمود سے کہا کہ اپنا کوئی بدیل بتاؤ تنظیم کی صدارت کے لئے، چنانچہ ان کے بعد عبد الرحمٰن سندی کو صدر بنایا گیا، محمود عبد الحلیم کہتے ہیں: ”میں نے عبد الرحمٰن کو استاد مرشد حسن بنّا کے سامنے پیش کیا جن سے آپ نے میرے سامنے بیعت لی، اور یہ بیعت ممبران سے لی جاتی ہے، اس شرط پر کہ کوئی بھی اقدام کرنے سے پہلے سربراہی کمیٹی اور خود مجھ سے رجوع کرنا پڑے گا۔“

پھر اس تنظیم کی کئی شاخیں ہو گئیں شہروں اور قصبوں میں، اس تنظیم نے کئی لوگوں کا اغوا اور قتل کیا، قاضی احمد خازندار کا اغوا کیا، نقراشی پاشا کا اغوا کیا، سابق وزیر اعظم احمد پاشا کے قتل کی پلاننگ کی لیکن دوسرا قتل ہو گیا۔

پھر 1948ء میں جماعت نے اس نظام خاص کو دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی ایکسپورٹ کر دیا، جس طرح روافض اپنی رافضی فکر کے ایکسپورٹ کا عقیدہ رکھتے ہیں، چنانچہ یہ اپنی اس پلاننگ میں کامیاب رہے، اور بعض ملکوں میں بھیج دیا، جبکہ بعض میں ناکام ہو گئے، چنانچہ حسن بنّا سعودی عرب گئے اور ملک عبد العزیز سے کہا: ہم سعودی عرب کے اندر اخوان المسلمین کی شاخ کھولنا چاہتے ہیں، تو ملک عبد العزیز نے ان سے کہا: **شیخ حسن! اللہ آپ کو ہدایت دے،**

یہاں سعودی عرب میں ہم سب اخوان اور مسلمان ہیں، اس طرح یہاں سعودی عرب میں اس کی برانچ کھولنے میں ناکام رہے۔

اس جماعت کی خطرناکی میں سے یہ بھی ہے کہ: یہ ایک سیاسی تنظیم ہے، جس کا واحد مقصد سیاست کرنا ہے، یہ اسلام کو اپنے مقصد کے حصول میں ایک سواری سمجھتے ہیں، ان کا مقصد اسلام کو نافذ کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کے ذریعے حکومت و اقتدار تک پہنچنا ہوتا ہے، اور یہ بالکل واضح ہو کر ان موجودہ حالات میں سامنے آیا جب انہوں نے حسنی مبارک کی حکومت کو غیر شرعی کہہ کر گرادیا اور انتخابات کے ذریعے اسلام ونفاذ شریعت کا نام لے کر حکومت میں آگئے، مگر شریعت کا نفاذ نہ کر کے اسی قدیم دستور کو اختیار کیا بلکہ نیا دستور بنا کر اسی کو نافذ کر دیا جو پہلے دستور سے بھی زیادہ شریعت سے دور تھا۔

بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس دستور کے ہوتے ہوئے شریعت کا نفاذ محال ہے، تو عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے کہا: ہم دھیرے دھیرے شریعت کا نفاذ کریں گے، جب کہ یہ صرف ایک دھوکہ تھا، مرسی نے صراحت کے ساتھ کہا کہ شریعت کا نفاذ اور اسی طرح حدود کا نفاذ ممکن نہیں، یہ سب فقہی موشگافیاں ہیں۔ نعوذ باللہ

چنانچہ یہ جماعت ایک سیاسی تنظیم ہے، سیاسی لیڈروں کی طرح ان کے یہاں تلون مزاجی پائی جاتی ہے، اور اسلام کو ایک سیاسی فکر کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاکہ حکومت و اقتدار تک پہنچ سکیں، اسے آپ میکاولی سیاست کہہ سکتے ہیں جسے اخوانی سختی سے اپناتے ہیں کہ اپنے مقصد کے حصول میں ہر وسیلہ اپنایا جا سکتا ہے۔

اخوانی اس معاملے میں جمال الدین افغانی کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ افغانی کی غالی سیاسی فکر نے جماعت کے اندر گہرا اثر ڈالا ہے۔

مرشد عمر تلمسانی کہتے ہیں: ''افغانی راستے کی وہ روشن نشانی تھے کہ جن کے فکری اثرات نے بعد کے مصلحین کے اندر گہرا اثر ڈالا ہے۔'' یعنی اخوان المسلمین کے اندر۔

اور حسن بنّا نے سیاست کے اندر اس قدر غلو سے کام لیا کہ سیاست بازی کو کمال اسلام قرار دے دیا، اور جو مسلمان سیاست باز نہ ہو اس کا اسلام ناقص قرار دیتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں: ''کسی مسلمان کا اسلام اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ سیاست باز نہ ہو۔'' یعنی آپ کے والدین جو گھر چلاتے ہیں اور بچوں کی تربیت میں اور نماز روزہ میں زندگی گزار دیتے ہیں ان کا اسلام ناقص ہوتا ہے۔

اور جب تک اخوانی ماڈل کی حکومت قائم نہ ہو جائے اس وقت تک یہ مسلمانوں کو گنہگار سمجھتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں:
''ہم ایک آزاد اسلامی حکومت چاہتے ہیں، اور جب تک یہ حکومت قائم نہ ہو جائے اس وقت تک مسلمان گنہگار رہوں گے۔''

یہ صرف مصر ہی کے اندر نہیں بلکہ ہر جگہ کے مسلمان گنہگار ہوں گے۔ اور اسی حاکمیت اور سیاست کے اندر غلو کے نتیجے میں انہوں نے مسلمانوں کو دورِ جاہلیت میں پہنچا کر ان سب کی تکفیر کر ڈالی ہے، بلکہ انہوں نے یہاں تک اعتقاد کر رکھا ہے کہ اس حکومت کے قیام کی راہ میں ہر چیز کو معطل کیا جا سکتا ہے۔

حسن بنّا کہتے ہیں: ''آج مسلمانوں کا کوئی امام نہیں کوئی شرعی حاکم نہیں ہے۔'' یعنی کسی بھی ملک کے اندر، نہ ہی سعودی کے اندر، اور نہ ہی انڈونیشیا کے اندر، اور نہ ہی مصر کے اندر، اس لئے اس بڑے مسئلے کے سامنے آؤ تمام مسائل کو معطل کر دیں۔ ''ہمیں اسی کو سب سے بڑا مقصد بنانا چاہئے، یعنی توحید اور شریعت کو نہیں، کیونکہ اس حکومت کے بغیر جو کہ اللہ کی شریعت کی محافظ ہوتی ہے، مسلمانوں کا نہ تو کوئی نظام قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی احکام۔''

مزید آگے کہتے ہیں: ''یہ عجیب معاملہ ہے کہ کمیونزم کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی اپنی حکومت ہے مگر ہماری کوئی اسلامی حکومت نہیں جو اسلامی دعوت کا فریضہ پورا کر سکے، اور یہ ہمارے حکام ہیں جو اجانب کی گود میں پل رہے ہیں، انہیں کی فکر کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، انہیں کی خوشنودی کے لئے مقابلہ کر رہے ہیں، اور اگر ہم یہ کہیں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا: آزادی اور استقلال کی فکر امورِ زندگی میں شاید ان کے دلوں کے اندر پیدا ہی نہ ہوا ہو چہ جائے کہ اسے اپنا عملی منہج بنائیں۔''

بلکہ ان لوگوں نے اپنے اسی سیاسی افکار اور ایجنڈے کی خاطر پورے اسلام ہی کو رسوا کر دیا ہے:

اخوانیوں کے استاد مودودی کہتے ہیں: اس دنیا کے اندر انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت کا واحد مقصد یہ تھا کہ توحید کو قائم کریں۔ ذرا بتائیں کہ کیا مودودی نے یہی کہا ہے؟ نہیں اللہ کی قسم! یہ نہیں کہا ہے، یہ تو اللہ کا کہنا ہے: ﴿وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِي كُلِّ أُمَّةٖ رَّسُولًا أَنِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَٱجۡتَنِبُواْ ٱلطَّٰغُوتَۖ﴾ [النحل:۳۶] ترجمہ: ''اور یقیناً ہم نے ہر قوم کے اندر رسول بھیجا ہے یہ پیغام دے کر کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔''

مگر مودودی کیا کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: اس دنیا کے اندر انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت کا واحد مقصد یہ تھا کہ اسلامی حکومت قائم کریں، یہی اسلام کی سیاسی تفسیر ہے کہ دین اسلام کو ایک اصلاحی دین کے بجائے اسے ایک سیاسی

دین بنادیا جس کا واحد مقصد حکومت کا قیام رہ گیا-" اسی لئے ہر نبی اور ہر رسول نے اپنی بعثت کے بعد سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی" گویا انبیاء و رسل انقلابی تھے نہ کہ مصلحین اور توحید کی طرف دعوت دینے والے، اسی لئے کہتے ہیں: "اسی لئے ہر نبی اور ہر رسول نے اپنی بعثت کے بعد سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔"

* چنانچہ ان میں سے کسی نے قیام حکومت کی راہ بنائی اور اس کے لئے تمہید قائم کی، لوگوں کو تیار کیا جیسے ابراہیم علیہ السلام، جنہوں نے انقلاب کی پلاننگ کی اور اس کی تیاری کی۔

* اور بعض نے انقلابی تحریک کے لئے عملی طور پر کوشش کی لیکن ان کے ہاتھ پر حکومت الٰہیہ قائم ہونے سے پہلے ہی ان کی رسالت ختم ہوگئی، جیسے عیسیٰ علیہ السلام، کہ جنہوں نے انقلابی تحریک کی ابتداء تو کی مگر کامیاب نہ ہو سکے، آپ کی تحریک نتیجہ خیز ثابت ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔

* بعض اس تحریک کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جیسے موسیٰ علیہ السلام، جو کہ ایک کامل انقلابی ذہن کے تھے، انقلاب کی کوشش کی اور انقلاب برپا بھی کیا اور حکومت تک پہنچ بھی گئے، اسی طرح ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔

*** بلکہ اخوان المسلمین کا عقیدہ ہے کہ دعوت دین کی ضرورت اس وقت تک نہیں ہے جب تک کہ حکومت الٰہیہ کی طرف دعوت دے کر اسے کامیابی کے ساتھ قائم نہ کر دیا جائے:**

مودودی کہتے ہیں: "حکومتی ادارے کے بغیر دعوت کا تصور نہیں۔" مطلب آپ لوگ مدارس میں تعلیم دیتے ہو، مساجد میں خطبہ دیتے ہو، دروس دیتے ہو، دعوت و تبلیغ کرتے ہو مگر چونکہ تمہارے پاس حکومتی ادارے نہیں اس لئے تمہارے یہ سارے اعمال ضائع ہیں، بغیر حکومتی ادارے کے اس کا کوئی معنیٰ نہیں، آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ واجب ہے، یہ شریعت ہے جب تک آپ حکومت قائم نہیں کر لیتے۔

*** اس جماعت کی خطرناکیوں میں سے یہ بھی ہے:** یہ ایک انقلابی بغاوتی جماعت ہے جو صرف انقلاب و بغاوت کی طرف دعوت دیتی ہے، اس تعلق سے بہت ساری باتیں گزر چکی ہیں۔

مودودی کہتے ہیں: "مسلمانوں اور اسلامی جماعتوں کے افراد کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک میں سیاسی انقلاب برپا کریں، جہاں تک ان کے اعلیٰ مقصد اور بڑے ہدف کا تعلق ہے تو وہ تمام سرزمین کے اندر ایک عالمی انقلاب کا برپا کرنا ہے۔" یعنی ان کا ایک قریبی مقصد ہے اور ایک دور کا ہدف ہے۔

*** قریبی ہدف:** اپنے اپنے ملک میں حکومت قائم کرنا، یعنی ہر ایک اپنا مقصد اپنے ملک میں پورا کرے، جو مصر

میں ہے وہ مصر میں، جو انڈونیشیا میں ہے وہ انڈونیشیا میں۔

* **دور کا ہدف:** اس سے مراد تمام سرزمین کے اندر اسلامی خلافت کا قائم کرنا، صرف مسلم ممالک ہی میں نہیں بلکہ پوری زمین کے اندر۔

یہی اخوانی جماعت کی سوچ اور فکر ہے، اصلاح، توحید اور دعوت کی کوشش نہیں، اور یہی اس جماعت کی خطرناکی ہے کہ نوجوانوں کو اپنے بدعتی سمع وطاعت پر تربیت دیتے ہیں، شرعی سمع وطاعت سے نفرت دلاتے ہیں، آپ سوشل میڈیا، ٹی وی چینلوں اور پروگراموں میں سنتے ہوں گے کہ یہ کس طرح ان سلفیوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو مسلم حکمران کے لئے سمع وطاعت کو ثابت کرتے ہیں بغیر معصیت کے۔

ان لوگوں نے ایک بار فتنہ پرور چینل الجزیرہ کے اندر- جو کہ اخوانیوں کی فکر کو رائج کرتا ہے اور منہج سلف سے نفرت دلاتا ہے- میرا یہ قول چلایا کہ "مسلم حکمران کے تعلق سے منہج سلف یہ ہے ان کی سمع وطاعت معصیت کے علاوہ کاموں میں واجب ہے"، چنانچہ الجزیرہ نے میرے اسی طرح کے کلام سے ایک حصے کو کاٹ کر کسی پروگرام میں پیش کیا، جبکہ یہ لوگ خود اپنے مرشد کے لئے مطلق طور پر سمع وطاعت کو واجب کرتے ہیں۔

*یعنی سلفی حکمرانوں کے لئے جس شرعی سمع وطاعت کو واجب مانتے ہیں اس میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ حاکم اللہ کی معصیت کا حکم نہ دے رہا ہو۔

* جبکہ یہ لوگ اپنے مرشد کے لئے بغیر کسی شرط کے مطلق طور پر سمع وطاعت کو واجب مانتے ہیں، ایسا مرشد جو غائب خلیفہ کے قائم مقام ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح روافض کے یہاں ولی فقیہ امام غائب کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اس لئے ہمیں اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اخوانیوں اور روافض کے اندر اس قدر قربت کیوں ہے؟ کیونکہ ان دونوں کی فکر ایک ہی ہے، چنانچہ یہ دونوں ان سلفیوں کے دشمن ہیں جو مسلم حاکم کے لئے سمع وطاعت کو واجب مانتے ہیں اللہ کی معصیت کے علاوہ میں، اور اس کے لئے واضح شرعی نصوص سے استدلال بھی کرتے ہیں، جبکہ یہ لوگ اپنے مرشد کے لئے مطلق سمع وطاعت کو واجب مانتے ہیں اور اسی پر اپنے نوجوانوں کو تربیت دیتے ہیں۔

اخوانیوں کو مخاطب کرتے ہوئے حسن بنّا کہتے ہیں: "اپنی قیادت کی بات سنو اور مانو؛ سختی اور آسانی، خوشحالی اور پریشانی ہر حال میں، یہی تمہاری فکر کی علامت ہے اور یہی تمہارے آپسی تعلق کا حلقۂ وصل ہے۔"

اور آگے کہتے ہیں: ''ہماری بیعت کے ارکان میں سے سمع وطاعت ہے، اور میں طاعت سے مراد حکم کی بجا آوری لے رہا ہوں کہ ہر حال میں اس کی تنفیذ ضروری ہے چاہے سختی کی حالت ہو یا آسانی کی، خوشی کی ہو یا غمی کی۔''

اخوان المسلمین کے بارے میں ان کے قلت علم کی شکایت پر گفتگو کرتے ہوئے یوسف قرضاوی کہتے ہیں: ''کچھ لوگ جماعت پر یہ عیب لگا سکتے ہیں کہ ان کے اندر ثقافتی یا علمی یا فکری ناحیے سے اہتمام بہت کم پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ ہمارے شیخ بھی الخولی نے جب کتیبۃ الذبیح کے اندر ہم کو نصیحت کی، تو آپ کی زیادہ توجہ روحانی اور سلوکی پہلو پر تھی، اور یہ بلا شبہ اہم پہلو ہے، لیکن آپ نے علمی اور ثقافتی پہلو کا خیال نہیں کیا، اسی لئے ہماری توجہ کسی ایسی کتاب کی طرف مبذول نہیں کرائی جسے ہم پڑھ کر علم وثقافت میں گہرائی حاصل کریں۔ یا کسی علمی کام میں مشغول کریں، اس وقت ہمارے اوپر یہی فکرہ مسلط تھا کہ ہماری زیادہ سے زیادہ سمع وطاعت پر تربیت دی جائے، تاکہ ہم اپنے سربراہوں سے وہی بات کہہ سکیں جو سیدنا اسمٰعیل نے اپنے والد سے کہی تھی: ﴿يَٰٓأَبَتِ ٱفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُۖ﴾ [صافات: ۱۰۲] ترجمہ: ''ابو جان! جو حکم ہوا ہوا سے کر ڈالئے۔'' وہ فرمانبردار فوجی چاہتے ہیں نہ کہ تعلیم یافتہ دُعاۃ۔'' اخوانی یہی چاہتے ہیں۔

اس کی مثالوں میں سے ایک مثال جسے اخوانی دہراتے ہیں لیکن بعض لوگ اسے نہیں سمجھتے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں: (كُلْ وَانْتَ شَبْعَان) یعنی کھاؤ گرچہ آسودہ ہو، ساتھیو! یہ معروف ہے کہ جو آسودہ ہو چکا ہو وہ نہیں کھاتا، لیکن یہ اس طرح کی مثال کیوں دیتے ہیں، دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا امیر اگر آسودگی کی حالت میں بھی کھانے کے لئے کہے تب بھی کھاؤ، گرچہ کھانے کی رغبت نہ ہو، یعنی امیر کی اطاعت ہر حال میں کرو خواہ رغبت اور خواہش ہو یا نہ ہو۔

* سمع وطاعت میں غلو اس حد تک ہے کہ اس جماعت نے ایک بار اپنے ممبروں کو داڑھی بڑھانے سے منع کر دیا تھا، اور مرشد کی طرف سے فیصلہ صادر ہوا تھا کہ مرشد عام کی اجازت کے بغیر کوئی داڑھی نہیں بڑھا سکتا، جبکہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: (اعْفُوا اللُّحى) ترجمہ: ''داڑھیوں کو بڑھاؤ''، لیکن یہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مرشد کی اجازت ضروری ہے۔ استغفر اللہ۔

* اور اس جماعت کی خطرناکیوں میں سے یہ بھی ہے کہ شرعی اصطلاحوں کو اس کے حقیقی معنیٰ میں استعمال نہیں کرتے تاکہ عوام کے دلوں کو اپنی طرف کھینچا جائے، اور تاکہ اس سے جماعت کی مصلحتوں کو پورا کیا جائے، جیسے کہ

انہوں نے جماعت کا نام اخوان المسلمون رکھا، جبکہ مسلمانوں نے ان کے اندر اخوت و بھائی چارگی کبھی نہیں دیکھی، سوائے تکفیر، اغواء اور قتل و تفجیر کے۔ یہ بھائی ہیں تو صرف آپس میں، دوسروں کے لئے قاتل اور اغوا کار ہیں۔

اسی لئے بعض مشائخ انہیں اس نام سے نہیں پکارتے، بلکہ انہیں الاخوان المتاسلمون کہتے ہیں، اور بعض انہیں الاخوان المفلسون کہتے ہیں، لیکن بہر حال ہم ہر اس شخص کو اسی نام سے پکاریں گے جو اس نے اپنا نام رکھا ہوگا، چنانچہ اگر کوئی مشرک ہو اور اس نے اپنا نام عبداللہ رکھا ہو تو ہم اسے اسی نام سے پکاریں گے گرچہ وہ مشرک ہے۔

اسی طرح اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکومت کرنے کی اصطلاح ہے: یہ ایک شرعی محترم اصطلاح ہے، لیکن یہ لوگ اس کا استعمال صحیح معنیٰ میں نہیں کرتے، کیونکہ جب یہ خود حکومت تک پہنچتے ہیں تو اللہ کی نازل کردہ شریعت کو معطل کر دیتے ہیں، حکومت میں آنے سے پہلے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے سوا کوئی حل نہیں، اللہ کی نازل کردہ شریعت کی حکومت ہوگی، اس کے بغیر حکومت طاغوت ہے، لیکن جب حکومت واقتدار کی کرسی تک پہنچ جاتے ہیں تو یہ سارے نعرے بھول جاتے ہیں اور اس کا مفہوم ان کے یہاں بالکل بدل جاتا ہے۔

ان کا آخری حاکم جو کہ معزول کر دیا گیا تھا کہتا ہے: ''تشریعی یا قانونی پہلو ہی کل اسلام نہیں ہے، یعنی مجھ سے حدود کے نفاذ کا مطالبہ نہ کرو، اسلام فطرت کے موافق ایک دین ہے، روح کو غذا دینے والی عبادت کا نام ہے، اخلاق نفس اور ادب کا نام ہے، ایسا عمل جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہو، اور پوری دنیا کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنے۔'' یہ کلام حق ہے جس سے باطل مراد لیا گیا ہے، گویا کہہ رہا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکومت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حدود و قصاص وغیرہ میں شریعت نافذ کی جائے۔

آگے کہا: ''اسلام قانون اور سزا سے پہلے تربیت و اصلاح کا نام ہے، سزا تو منحرف لوگوں کے لئے ہے، جن کی تعداد اکثریت میں نہیں ہوتی، اور نہ ہی ان پر قاعدہ بنایا جاتا ہے، اسلام اصلاح چاہتا ہے، سزا دینا نہیں۔''

اس کا مطلب صاف ہے کہ یہ لوگ قانون و حدود نافذ کرنا نہیں چاہتے، یہ چیز ان کے نزدیک ثانوی درجہ کی ہے۔

مزید کہا: ''اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش نہیں ہوگی، بلکہ اہل بلد ہی اپنے اعتبار سے نظام بنائیں گے، کیونکہ حالات وظروف اسی کے متقاضی نہیں۔'' یعنی نظام حکومت میں لوگوں کو اختیار ہوگا، یہی ہے ان کے نزدیک اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکومت، اور اسلامی حل۔

ایک اخوانی نے فخر سے کہا: ''وہ لوگ جو سیاسی اعتبار سے خود کو زیادہ ماڈرن سمجھتے ہیں ہم ان سے زیادہ روشن خیال

اور ماڈرن ہیں، اور اس کے لئے ہم نے عملی طور پر بے پردہ خواتین کو انتخابی میدان میں اتارا ہے، اور باقی سیاسی پارٹیوں کو چیلنج دیا ہے کہ وہ بھی اس طرح کی خواتین کو میدان میں اتاریں خواہ ایک ہی خاتون کیوں نہ ہو اور وہ خواہ باحجاب ہی کیوں نہ ہو۔''

مزید کہا: ''ہم ان ننگے ساحلوں کو ختم نہیں کریں گے جہاں مرد وخواتین اختلاط کے ساتھ تیرتے ہیں، یا اس بکنی پر پابندی نہیں لگائیں گے جسے ننگی عورتیں پہن کر تیرتی ہیں، اور عورتوں پر حجاب کو لازم نہیں کریں گے۔''

اب ایسی صورت میں نفاذ شریعت اور تحکیم اسلام کہاں گیا؟

معاصر منحرف فرقے (۳)

(تنظیم داعش)

ہم نے اخوان المسلمین اور تبلیغی جماعت کے بارے میں گفتگو کی ہے، ان شاء اللہ سنیچر کے روز دونوں کے بارے میں بعض دیگر فوائد کے ساتھ' دوبارہ گفتگو کریں گے۔

*** آج داعش کے بارے میں یہاں گفتگو کریں گے:**

یہ تنظیم بالکل نئی ہے جو اخوان المسلمین سے نکلی ہے، شروع میں یہ جماعۃ التوحید والجہاد کے نام سے بنی تھی جس کی بنیاد ابو مصعب زرقاوی نے رکھی تھی جو کہ اردن کا ایک تکفیری ہے، اس نے اس جماعت کی بنیاد عراق میں رکھی تھی، یہ لوگ اردن کے شہر زرقاء میں تھے جو تکفیر سے معروف تھے، ان کے درمیان اختلاف ہو گیا اس بات پر کہ کیا اب عملی دور کا وقت نہیں آیا یا اب تک ہم دور تربیت ہی میں جی رہے ہیں؟

*بعض کا خیال تھا کہ ابھی دور تربیت ہی میں جی رہے ہیں، ابھی عملی دور کا وقت نہیں آیا ہے۔

* ابو مصعب زرقاوی کا خیال تھا کہ عملی دور کا وقت آگیا ہے، اس لئے وہ عراق چلا گیا وہاں امریکیوں کے آنے کے بعد، اور وہاں جماعت التوحید والجہاد کی بنیاد ڈالی۔

اس جماعت کی بنیاد کے ایک سال بعد زرقاوی نے القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن سے بیعت کرلی، اس طرح یہ جماعت عراق کے اندر القاعدہ کی شاخ ہوگئی، چونکہ انہیں سعودی عرب کو ٹارگیٹ کرنا تھا اس لئے اس جماعت کو عراق میں ہونا ضروری تھا۔

پھر اس کے بعد عراق کے اندر اس طرح کی کئی تنظیمیں بنائی گئیں، اور کئی تنظیمیں ایک دوسرے میں ضم ہوگئیں، زرقاوی نے مجاہدین کی ایک شوریٰ کمیٹی بنائی، انہوں نے مسلم نوجوانوں کو دھوکہ دیا اور اپنی جماعت میں شامل کرتے ہوئے کہا:

عراق جہاد کی سرزمین ہے، مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے یہاں آئیں، لیکن جب نوجوان وہاں پہنچتے ہیں تو عراقی مسلمانوں کی مدد کی بجائے انہیں یہ اپنی تنظیم کا ممبر بناتے اور انہیں تکفیر و تفجیر کا طریقہ سکھاتے۔

شوریٰ کمیٹی کا صدر ایک عراقی تھا جسے ابوعبدالرحمٰن البغدادی کہا جاتا تھا، اسی طرح یہ لوگ کنیت سے مشہور ہوتے ہیں، اس عراقی کا نام عبداللہ الرشید بتایا جاتا ہے، جو ابوعبدالرحمٰن البغدادی سے معروف ہوا۔

زرقاوی عراق کے اندر اس جماعت کے بننے کے دو سال بعد قتل کر دیا گیا، اس کی جگہ پر جماعت نے اپنا لیڈر ابوحمزہ المہاجر کو بنالیا، اس کا نام عبدالمنعم بدوی بتایا جاتا ہے، اس نے بھی جماعت کا لیڈر بنتے ہی اسامہ بن لادن سے بیعت کرلی، اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ داعش اور القاعدہ میں کتنی قربت ہے۔

پھر یہ تنظیم عراق کے اندر باہر سے نوجوانوں کے آنے کی وجہ سے' دن بدن بڑھتی چلی گئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب ان کے پاس ایک حکومت ہوسکتی ہے، اور اب وقت آگیا ہے کہ یہ حکومت کا اعلان کر دیں، چنانچہ انہوں نے عراق کے اندر اسلامی حکومت کا اعلان کر دیا، اور اس کے لئے ابوعمر البغدادی سے بیعت کرلی، جس کا نام حامد الزاوی بتایا جاتا ہے، اسے بطور امیر کے چن لیا گیا، اور ابوحمزہ المہاجر کو وزیر حرب کے طور پر چنا گیا، اور اس نے ابوعمر البغدادی سے سمع وطاعت پر بیعت کرلی۔

پھر ابوحمزہ المہاجر اور ابوعمر البغدادی کو 2010ء کے اندر قتل کر دیا گیا، تو انہوں نے ابوبکر البغدادی کو اپنا امیر چن لیا جس کا نام ابراہیم عواد بتایا جاتا ہے، یہ اخوان المسلمین میں تھا، اس کی خبر خود یوسف قرضاوی نے دی ہے، امیر بننے کے بعد اس نے بھی اسامہ بن لادن سے بیعت کرلی۔

2012ء کے اندر اس تنظیم نے عراق کے علاوہ شام کے اندر بھی اپنی ایک شاخ بنالی جسے 'جبهة النصرة لأهل الشام' سے جانا گیا، اس کا سربراہ ابومحمد الجولانی کو چنا گیا، جس کا نام اسامہ الواحدی ہے، اسے بغدادی نے عراق سے سیریا بھیجا تھا، وہاں انقلاب و بغاوت پھوٹنے کے بعد، بغدادی نے اعلان کیا کہ سیریا کے اندر جبهة النصره عراق کے اندر موجود دولة اسلامية ہی کا حصہ ہے، اس لئے اس کے بعد انہوں نے ان دونوں تنظیموں کو ایک ساتھ ضم کرکے ''الدولة الاسلامية فى العراق والشام'' یعنی داعش کے نام سے اعلان کر دیا، داعش یعنی؟

* (د) سے الدولۃ۔
* (ا) سے الاسلامیۃ۔
* (ع) سے العراق۔

* (ش) سے الشام۔

اس طرح میڈیا کے اندر یہ لوگ داعش سے مشہور ہو گئے۔

پھر القاعدہ اور اس تنظیم کے اندر اختلاف ہوگیا، یہ اختلاف فکری نہیں تھا بلکہ ترجیحات کا اختلاف تھا، اس لئے اس تنظیم نے القاعدہ سے اپنی علاحدگی کا اعلان کر دیا، چنانچہ اس کے بعد القاعدہ نے اس کے خاتمے کا اعلان کر دیا جبکہ اس سے پہلے اس کی تعریف کرتا تھا اور اس میں شمولیت کی دعوت دیتا تھا، کیونکہ یہ تنظیم اب اس کے دائرہ اثر سے نکل گئی اور اس کی اطاعت سے باہر ہوگئی، یہاں تک کہ ایمن ظواہری نے بغدادی کے خلاف فوری فرمان جاری کیا اور اس کی تنظیم کو کالعدم قرار دے دیا، اور اعلان کیا کہ القاعدہ کی شاخ اب **جبهة النصره** ہے اور اب وہ البغدادی کے تابع نہیں ہے۔

اس طرح داعش اور القاعدہ کے درمیان جدائی ہوگئی لیکن دونوں کا مقصد ایک ہی رہا کہ عراق اور سیریا کے اندر مسلمانوں کے خلاف قتل وخونریزی مچاتے رہے، اپنے مخالفین کی عورتوں کو قیدی اور لونڈی بناتے رہے، یہاں تک کہ بعض لوگ اپنی لڑکیوں کو ان کے مراکز کے پاس ہونے کی وجہ سے کہیں دور بھیج دیتے کہ اگر وہ دیکھ لیتے ہیں تو انہیں لونڈی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور بسا اوقات یہ آپس میں انہیں لونڈی سمجھ کر ایک دوسرے کو ہدیہ کے طور پر دیتے ہیں، چنانچہ وہ کسی کے پاس ایک رات رہتی، پھر وہ کسی دوسرے کو ہدیہ کر دیتا۔

بعض عراقی لوگ مدینہ آئے اور یہ خبر دی کہ شیخ! ہم اس وقت مجبور ہو گئے ہیں کہ روافض کی طرح داڑھی چھوٹی کر کے رہیں، کیونکہ یہ مجرمین ہمیں باریش دیکھتے ہیں تو ہم پر زندیق ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ ربیع مدخلی اور نہ جانے کس کس کے پیروکار ہو، پھر ہمیں مارتے ہیں، ہم کہیں ادھر ادھر نہیں جا سکتے، لیکن اگر ہمیں روافض کی طرح دیکھتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہیں، یہ حقیقت میں روافض کو کچھ نہیں کہتے۔

داعش اور جبہتہ النصرہ کے درمیان اختلاف گرچہ ہوگیا مگر دونوں نے خوب فساد مچایا، اختلاف کی وجہ جبہتہ النصرہ کا القاعدہ کے ماتحت ہو جانا بتایا جاتا ہے، اسی لئے داعش نے اعلان کر دیا کہ وہ اب ایک مستقل حکومت ہے، انہوں نے جبہتہ النصرہ سے کہا: ہم تمہیں ذبح کرنے کے لئے آئے ہیں۔ جبہتہ النصرہ داعش پر الزام لگاتی ہے کہ یہ خوارج ہیں، جبکہ سب خوارج ہیں، بلکہ جبہتہ النصرہ کے لیڈر جولانی نے داعش کو باغی کہا جو کہ اسلام کے مقابلے کفر سے زیادہ قریب ہے۔

چنانچہ انٹرنیٹ کے اندر اپنے پیج پر کہتا ہے: ''داعش کے اندر اس وقت ہر طرح کے لوگ بھرے پڑے ہیں، ان میں خارجی ہیں، ان کے اندر غنڈے موالی اور چور ہیں، کرائے کے ٹٹو ہیں، ان میں کچھ بدلہ لینے والے ہیں، اور کچھ تو ایسے ہیں جو ایک مدت تک طاغوت کی جوتی سیدھی کرتے رہے ہیں۔''

مزید کہتا ہے: ''اس مجرم گروہ کے بارے میں ہم نے آگاہ کر دیا ہے جو اسلام کے شعار کے ساتھ موجود ہے، اور القاعدہ کے نام پر فتوے دیتی ہے، یہاں تک کہ بہت سے جہاد سے محبت کرنے والے نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔''

چونکہ یہ پہلے القاعدہ کا حصہ تھے، اسی سے بیعت کر رکھا تھا، اور القاعدہ کے لیڈران اس بیعت سے راضی بھی تھے، لیکن جب اختلاف ہو گیا تو اب آپس میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کرنے لگے اور ہر کوئی ایک دوسرے پر شک کرنے لگا۔

کہتا ہے: ''ان لوگوں نے القاعدہ سے بغاوت کر لی جبکہ یہ بھول گئے کہ القاعدہ ہی نے امریکہ کو توڑا ہے، پھر آخر اسے البغدادی کا گروہ کیسے ختم کر سکتا ہے۔''

یہ مسکین بیچارے، ان کے پاس صرف لن ترانیاں ہیں، ان لوگوں نے امریکہ کے دو ٹاور کو گرا دیا اور سمجھ لیا کہ امریکہ کو توڑ دیا، جبکہ انہیں نہیں معلوم کہ ان کے اسی مجرمانہ کارستانیوں کی وجہ سے دو مسلم ممالک کو مٹا دیا گیا۔

ساتھیو! جبہۃ النصرہ ہو یا داعش، دونوں آپس میں ایک دوسرے سے شام کے اندر لڑ رہے ہیں، انہیں سیریا کے مسلمانوں کی مدد کی کوئی فکر نہیں ہے، یہ صرف سیریا کے اندر اپنی ایک حکومت بنانا چاہتے ہیں، یہاں تک کہ ایک نوجوان جو اُن کے پاس گیا تھا اور ان کی حقیقت سمجھنے کے بعد بڑی مشکل سے بھاگ آیا، کیونکہ جب کوئی نوجوان ان کے پاس جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کا پاسپورٹ لے لیتے ہیں، اگر کوئی بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے قتل کر دیتے ہیں، لیکن اس نوجوان کو اللہ نے نجات دی اور ان کے چنگل سے بھاگ نکلا۔

وہ نوجوان کہنے لگا: سارے پاسپورٹ ٹکڑی کے سردار کے پاس ہوتے ہیں، ایک بار وہ سویا ہوا تھا، میں نے کسی طرح اپنا پاسپورٹ نکال لیا اور پھر وہاں سے بھاگ کر ترکی چلا گیا، وہاں سعودی سفارت خانے میں جا کر میں نے خود کو حوالے کر دیا، پھر اپنے ملک سعودی بھیج دیا گیا۔

اس نوجوان نے بتایا کہ وہ کیوں فرار ہوا، کہنے لگا: ہم وہاں اپنے مرکز میں ایک بار فٹبال کھیل رہے تھے اور سیریا

کے مسلمانوں کو بم سے اڑایا جا رہا تھا، میں نے کہا: ہم جہاد کے لئے آئے ہیں، نہ کہ فٹبال کھیلنے، ہمیں اپنے بھائیوں کی مدد کرنی چاہئے، تو ہم سے کہا گیا کہ نہیں، اور لوگ ہنسنے لگے۔ تو میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ جہاد کے لئے نہیں ہیں، پھر میں نے ان کا ساتھ چھوڑنے کا پلان بنالیا۔

حالانکہ اس نوجوان کا جانا خود یہ شریعت کے خلاف ہے، بہر حال جب اس نے ان کی حقیقت سمجھ لی تو ان کا ساتھ چھوڑ دیا، چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ یہ لوگ آپس میں لڑتے ہیں، امدادی سامان کو لوٹتے ہیں، وہ سامان سیریا کے مسلمانوں کے لئے بھیجے جاتے ہیں، جیسا کہ سیریا کے بعض ساتھیوں نے مجھ سے بتایا ہے۔

*** اس مجرم تنظیم داعش کا خطرہ بہت بڑا ہے، اس کی خطرناکیوں میں: اس کے وہ خطرناک افکار ہیں جن کی انہیں تربیت دی جاتی ہے اور جو اہل سنت والجماعت کے منہج کے خلاف ہوتے ہیں، جیسا کہ ان کے خطبوں اور تقریروں سے پتہ چلتا ہے۔**

*** چنانچہ ان کے افکار میں ہے کہ:** یہ تمام ممالک کو دیار کفر وحرب سمجھتے ہیں نہ کہ دیار اسلام، یہ لوگ کسی بھی ملک کو اس سے مستثنیٰ نہیں کرتے سوائے اپنی حکومت کے، حتی کہ مکہ اور مدینہ کو بھی دیار کفر سمجھتے ہیں، اسی لئے یہ مکہ اور مدینہ میں حملہ کرنے سے بھی باز نہیں آتے، بلکہ مسجد نبوی اور مسجد حرام پر بھی جرأت کر جاتے ہیں، چنانچہ انہوں نے سال گزشتہ کے ماہ رمضان میں مسجد نبوی کے اندر دھماکہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر اللہ نے محفوظ رکھا، اور جس شخص کو اس کام کے لئے مکلف بنایا گیا تھا اس نے مسجد نبوی پر پہنچنے سے پہلے خود کو اڑا لیا، کیونکہ وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ پولس اسے پکڑ لے گی، یہ واقعہ رمضان کے آخری عشرے کا ہے۔

اسی طرح حرم مکی کی پولس نے بہت سے ایسے قرآنی مصاحف کو ضبط کیا جس کے اندر دھماکہ خیز مواد رکھے ہوئے تھے جنہیں مسجد حرام میں بھیجنے کے لئے رکھا گیا تھا یعنی انہیں دھماکہ خیز مواد کے ساتھ مسجد حرام میں بھیجا جا رہا تھا، اس میں کسی حیرت کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ مکہ اور مدینہ کو دار الحرب اور دار الکفر مانتے ہیں، اور وہاں سے ہجرت کو واجب سمجھتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں: اس وقت مسلمانوں پر ان کی حکومت کی طرف ہجرت واجب ہے اور جو ہجرت نہیں کرے گا وہ گنہگار ہوگا، اور اپنے امیر کے لئے خلیفۃ المسلمین کے طور پر تمام مسلمانوں پر بیعت کو واجب مانتے ہیں، اور تمام مسلم حکمرانوں کو کافر سمجھتے ہیں، چنانچہ ان کی نظر میں البغدادی کے سوا اس سر زمین پر کوئی بھی مسلم حاکم نہیں ہے، سارے کے سارے کفار ہیں۔

تمام مسلم فوجوں کو یہ کافر کہتے ہیں، اور ان سے جہاد کرنا واجب سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ ملک کے اندر موجود پولس کو بھی کافر سمجھتے ہیں جو کہ ملک کے اندر امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے ہوتے ہیں، چنانچہ انہوں نے پولس محکمے کی مسجد میں ایک بار دھماکہ کیا۔ سبحان اللہ! یہ اللہ کی مسجدوں میں بھی نمازیوں کو کافر سمجھ کر مارتے ہیں، ان کے پاس نہ مسجد کی حرمت ہے نہ نماز کی، نہ قرآن پاک کی، یہ مسجدوں میں داخل ہو کر دھماکہ کرتے ہیں، مسجد کے اندر پہنچ کر خود کو اڑاتے ہیں، نمازیوں کو قتل کرتے ہیں، مصاحف جل رہے ہوتے ہیں، مگر انہیں کوئی تکلیف نہیں بلکہ اس سے انہیں سکون ملتا ہے، بلکہ خوارج کے طرح ان کے دل پتھر ہوتے ہیں، ان کی حالتیں عجیب ہوتی ہیں، یہ معمولی چیزوں میں ورع وتقویٰ سے کام لیتے ہیں لیکن ان کے یہاں مسلمانوں کے خون کی کوئی حیثیت نہیں۔

قدیم خوارج کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک خنزیر سے گزرے، ان میں سے ایک نے اسے تلوار سے مار دیا، پھر کہا: ہوسکتا ہے یہ خنزیر اہل کتاب میں سے کسی کا ہو، اس لئے وہ اس کے مالک کی تلاش کے لئے نکل گیا تاکہ حلالہ کرالے یعنی اس سے معاملہ رفع دفع کرلے۔ اسی طرح ایک خارجی نے راستے میں لقمہ دیکھا جسے اپنے منہ میں ڈال لیا، پھر باہر نکال دیا یہ کہہ کر کہ شاید یہ حرام لقمہ ہو۔ لیکن ان خوارج نے جب صحابی کے بیٹے صحابی عبداللہ بن خباب اور ان کی حاملہ بیوی کو دیکھا تو بیوی کا پیٹ چاک کردیا اور بچے کو نکال کر انہیں قتل کردیا، ساتھ ہی ان کے شوہر عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کردیا۔

اس دور میں بھی انہوں نے ایک عورت کا سر کاٹ دیا، اسے میڈیا میں نشر بھی کیا گیا، عورت یورپین تھی، چنانچہ ان خوارج نے اس میں اختلاف کیا، وہ اختلاف کیا تھا؟ وہ یہ کہ کیا اس عورت کا بال پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟ مطلب اس کے سر کاٹنے میں کوئی اختلاف نہیں، مسئلہ تھا کہ اس کا بال پکڑ کر میڈیا میں مشہور کیا گیا تو کیا ایسا جائز ہے یا نہیں؟ ان کا حال ویسا ہی ہے جس طرح ان کے بارے میں ابن کثیر نے کہا ہے: ''یہ عجیب وغریب لوگ ہوتے ہیں۔''

اسی تنظیم سے کچھ شاخیں پیدا ہوئی ہیں:

انہیں میں سے '**جماعت انصار بیت المقدس**' ہے، یہ جماعت سیناء میں سرگرم ہے، اور داعش ہی کے تابع ہے، یہ مصری فوج سے لڑ رہے ہیں، مصر کے اندر دھماکہ کرتے ہیں، نوجوانوں کو اپنی تنظیم میں دھوکہ دے کر شامل کرتے ہیں، اس جماعت نے مصری حاکم کی تکفیر کا اعلان کیا اور اس کے خون کو حلال کیا، اسی طرح مصری فوج کی تکفیر کی، اور یہ کہ اس کا خون حلال ہے، یہ سب ان کے بیانات میں موجود ہے۔

اسی مجرم تنظیم سے اسی فکر پر ایک اور تنظیم نکلی ہے: جسے جماعت 'بوکو حرام' کہتے ہیں، یہ افریقہ بالخصوص نائجیریا میں سرگرم ہے، یہ عورتوں کو اغواء کرتی ہے، انہیں غلام بناتی ہے، لوگوں کو قتل کرتی ہے۔

اسی طرح جزائر کے اندر اسی طرح کی ایک جماعت جند الخلافة ہے یہ بھی داعش سے نکلی ہوئی ہے۔

اس وقت داعش سوچ رہی ہے کہ عراق سے کہیں دور چلی جائے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ انڈونیشیا کے جنگلات میں جانا چاہتی ہے تاکہ امریکی فوجیوں سے دور ہو جائے، اور عملی طور پر انہوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا ہے، اس لئے طالب علموں پر ضروری ہے کہ اس سے آگاہ رہیں اور نوجوانوں کو اس تنظیم کے خطروں اور اس کے منحرف افکار سے آگاہ کریں۔

بلاشبہ داعش خوارج کے افکار پر ہیں، ایک مرتبہ میں نے ریاض کے اندر جامع کبیر میں سماحۃ المفتی کے سامنے ''**داعش کے خطرات اور اس سے لڑنے کے طریقے**'' کے عنوان پر لیکچر دیا، یہ لیکچر یوٹیوب وغیرہ پر موجود ہے، کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ لوگ اس سے باخبر ہو جاتے اور اسے سنتے، اس جماعت کے خطرات کے بہت سے طریقوں کو میں نے اس میں جمع کر دیا ہے۔

اس تنظیم کے بارے میں کبار علماء کے فتاوے نقل کر رہا ہوں:

شیخ صالح الفوزان رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: ''**آج کل بعض جماعتیں ایسی ہیں جو اسلام کا نام لیتی ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کا دعویٰ کرتی ہیں، لیکن اسلام کا ان سے نقصان ہو رہا ہے، ان کے قتل و خونریزی، حرمات کی پامالی، پُرامن لوگوں کو ڈرانے اور صف کو توڑنے کی وجہ سے، آپ کی کیا رائے ہے اس تعلق سے؟**'' اس سوال میں القاعدہ اور اس کی طرح کی ساری خونی تنظیمیں آجائیں گی۔

آپ نے جواب دیا: ''الحمدللہ! جہاد اسلام کی چوٹی ہے، اور اسلام کے اندر جہاد اور ہجرت کی بڑی فضیلت ہے، لیکن جہاد حاکم وقت کی اجازت سے ہوتا ہے، بلکہ اسی کے حکم پر منحصر ہے، کیونکہ وہی تنفیذ کرتا ہے، وہی اشراف کرتا ہے، یا اپنا نائب بھیجتا ہے، یہ ساری باتیں اہل سنت والجماعت کی عقیدہ کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں لکھا ہے: جہاد جاری رہے گا ہر حاکم کے ساتھ خواہ وہ نیک ہو یا برا، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی، اسی کو مشروع جہاد کہتے ہیں، البتہ قتل و خونریزی اور حاکم وقت کی نافرمانی خوارج کا طریقہ ہے، اسے فساد فی الارض کہا جاتا ہے نہ کہ جہاد۔''

سائل نے کہا: ''**شیخ! بعض نوجوان اس طرح کی تنظیموں کے خوشنما نعروں کی وجہ سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں،**

اوران سے جاملتے ہیں، اس طرح وہ حاکم وقت کے خلاف خروج کرجاتے ہیں، ان سے دشمنی رکھتے ہیں، ان کے بارے میں کچھ رہنمائی فرمائیں؟''

آپ نے فرمایا: ''اس طرح جولوگ کرتے ہیں ان سے رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا ہے، اوران سے حاکم وقت کو بھی ڈرایا ہے، ایسی صورت میں نصیحت ضروری ہے، اور جو نصیحت قبول نہ کرے، ایسی صورت میں حاکم وقت کا فرض بنتا ہے کہ کسی بھی طرح انہیں روکے، کیونکہ دین کے لئے ضروری ہے کہ ملک محفوظ ہو، اور سب اس کے ذمہ دار ہیں، پولس، فوج، حکمران اور رعایا سب برابر کے ذمہ دار ہیں، ایسی صورت میں ان لوگوں کے تعلق سے خاموش رہنا درست نہیں۔''

یعنی اگر کسی کو پتہ چل جائے کہ اس کا پڑوسی یا کوئی طالب علم اس طرح کے باطل افکار کا شکار ہے، تو ایسی صورت میں اسے نصیحت کرنا واجب ہے، اگر نصیحت سن لے تو ٹھیک ورنہ اس پر اور لوگوں پر رحم کھاتے ہوئے پولس محکمہ کو شکایت کرے، کیونکہ اگر آج اسے چھوڑ دیا گیا تو کل یہ خود اپنے آپ کو دھماکے سے اڑائے گا اور دیگر مسلمانوں کا خون ناحق بہائے گا، اب اگر کوئی جان سن کر خاموش رہتا ہے تو وہ بھی اس جرم میں شریک مانا جائے گا، اسی لئے شیخ نے کہا: ''ایسے لوگوں کے حق میں خاموش رہنا درست نہیں، یا کوئی ان کی تعریف کرے، تو یہ بہت بڑی نادانی اور جہالت ہے، بلکہ ان کا ساتھ دینے کے برابر ہے، چنانچہ اگر کسی نے ان کی تعریف کی یا ان کے اعمال کو جائز ٹھہرایا تو اس کا بھی حکم انہیں کی طرح ہوگا۔''

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ سے سوال کیا گیا: **''ہمارے ملک میں بعض داعی یہ کہتے ہیں کہ القاعدہ اور داعش کا تعلق سلفیوں سے ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رہنمائی ہے؟''**

شیخ نے جواب دیا: ''یہ دھوکہ ہے، یہ گمراہ کن اور متشددانہ بات ہے جس کا مقصد لوگوں کو دعوت حق، دعوت توحید و دعوت سنت سے دور رکھنا ہے، اس سے لوگوں کو خوف دلا کر دور رکھنا چاہتے ہیں جبکہ اس کی طرف ایسی چیزوں کو منسوب کرتے ہیں جس سے وہ بری ہے، دعوت دین کے سچے شیدائیوں سے لوگوں کو دور ہٹانا ان کا اصل مقصد ہے۔''

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ سے سوال کیا گیا: **''شیخ داعش کے خطرے سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے اور اس سے دور رہنے سے متعلق کچھ رہنمائی فرمائیں؟''**

شیخ نے جواب دیا: ''صرف داعش ہی نہیں بلکہ ہر وہ جماعت جو اہل سنت والجماعت کے منہج سے منحرف ہو اس سے آگاہ رہنا اور بچنا ضروری ہے، واجب ہے کہ لوگوں کو اہل سنت والجماعت کے منہج کی تعلیم دی جائے، کیونکہ بہت

سے لوگوں کو اہل سنت والجماعت کے منہج کا علم نہیں ہے، اس لئے سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہر کوئی حق پر ہے، اسے بدعتی اور سنّی میں کوئی فرق نہیں لگتا، ضروری ہے کہ ہر کوئی تعلیم حاصل کرے، اہل سنت والجماعت کے منہج کے بارے میں سوال کرے تا کہ اسے جانے اور اسی پر قائم رہے۔"

ساتھیو! اس لئے ضروری ہے کہ ہم لوگوں کو اہل سنت والجماعت کا منہج سکھائیں، اور منحرف فرقوں سے آگاہ کریں، اس علمی دورے میں ہم یہی کر رہے ہیں، جس کے انعقاد کے مقاصد میں یہ شامل ہے کہ ہم علم وبصیرت کے ساتھ اہل سنت والجماعت کے منہج پر قائم ہوسکیں، اور دوسرے لوگوں کو بھی سکھائیں، اسی طرح ہمارے پاس منحرف فرقوں کا علم بھی ہو تا کہ ان سے دور رہیں اور لوگوں کو ان سے آگاہ رکھیں۔

شیخ کہتے ہیں: "بہر صورت فتنوں کے وقت مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا اور اس کی سمع و طاعت کرنا امر واجب ہے، یہی صحیح طریقہ اور راہ نجات ہے، نبی اکرم ﷺ نے جب فتنوں کا ذکر کیا تو حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: اگر وہ وقت ہم پا جائیں تو ایسی صورت میں ہمیں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا، عرض کیا: اگر اس وقت کوئی جماعت نہ ہو؟ تو آپ نے فرمایا: تمام منحرف فرقوں سے دور ہو کر رہنا۔"

شیخ کہتے ہیں: "بدعتیوں، گمراہوں اور اہل انحراف سے دور رہو، ان کے پاس نہ جاؤ، ان سے پرہیز کرو، مسلمانوں کے امام کے پاس رہو۔"

ساتھیو! اہل سنت والجماعت کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ منحرف فرقے جو مسلمان حاکم کی مخالفت کریں ان کے ساتھ ہم نہ بیٹھیں، ان سے دور رہیں، کسی چیز میں ان کی مدد نہ کریں خواہ اپنا نام کچھ بھی رکھ لیں، ہم حق کے لئے کوشش کریں، جہاں تک لوگوں کا یہ کہنا کہ اہل باطل اور اہل انحراف کے پاس ہم جاتے ہیں تا کہ ان تک حق کو پہنچا دیں یا باطل کو مٹا دیں، تو یہ درست حجت نہیں ہے، اس کے اندر شرعی مخالفت اور سلف صالحین کے منہج کی مخالفت ہے، ایسے لوگوں سے دور رہو، ان سے آگاہ رہو، حاکم وقت جب تک مسلمان ہے گرچہ ظالم ہے، اہل سنت والجماعت اسی کے ساتھ رہتے ہیں، گرچہ وہ غلطی کرے، ظلم کرے، اسے ظلم سے دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

شیخ کہتے ہیں: "بدعتیوں، گمراہوں اور اہل انحراف سے دور رہو، ان کے پاس نہ جاؤ، ان سے پرہیز کرو، مسلمانوں کے امام اور ان کے جماعت کے ساتھ رہو، اور اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو تمام منحرف فرقوں سے

دور ہو کر سنت پر قائم رہ کر تنہائی اختیار کرلو۔"

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ سے سوال کیا گیا: **"کچھ لوگ داعش کے بارے میں کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے فتنہ کہنا صحیح نہیں ہے؟"**

اس پر شیخ نے جواب دیا: "داعش ہو یا کوئی بھی جماعت اس کے باطل کو بیان کرنا ضروری ہے، اگر ہم باطل کو ایکسپوز نہیں کریں گے تو یہ لوگوں میں پھیل جائے گا، لیکن جب ہم ان کا مقابلہ کریں گے، تو لوگوں کے سامنے باطل اور اہل باطل سب ایکسپوز ہو جائیں گے، اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ لوگ ان کا مقابلہ کر رہے ہیں، اس طرح یہ بیٹھ جائیں گے اور پیچھے ہٹ جائیں گے، اس لئے اس میدان کو کبھی نہ چھوڑیں اور اس میدان میں وہ اہل علم ہی جائیں جو علم و حجت اور دلائل سے مسلح ہوں۔"

شیخ الفوزان نے مزید کہا: "داعش تنظیم اور ہر وہ شخص اور جماعت جو صراط مستقیم سے بھٹک گیا وہ شیطانی گروہ میں شامل ہو گیا، یا تو اس کا تعلق خوارج سے ہوگا یا دوسرے گمراہ داعیوں سے، ان کا مقابلہ علم نافع ہی سے کیا جا سکتا ہے، انہیں کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿جَٰهِدِ ٱلۡكُفَّارَ وَٱلۡمُنَٰفِقِينَ﴾ [تحریم:۹] ترجمہ: "کافروں اور منافقین سے جہاد کرو۔" یہ گمراہ داعی ہیں، ان کا مقابلہ علم نافع ہی سے کیا جا سکتا ہے، سب مسلمانوں کو اپنے حاکم کے جھنڈے کے تلے ہی رہنا چاہئے، ارشاد باری ہے: ﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْ﴾ [آل عمران: ۱۰۳] ترجمہ: "اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں اختلاف نہ کرو۔"

یعنی مختلف جماعتوں اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ، کہ ہر جماعت یہ دعویٰ کرے کہ وہی صرف مسلمان ہے اور اسی کا صرف امیر یہ حق رکھتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

شیخ عبدالمحسن العباد جو کہ کبار علماء میں شامل ہیں، آپ سے سوال کیا گیا کہ **بعض لوگ داعش کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ خوارج ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟**

شیخ نے جواب دیا: "بلاشبہ یہ خوارج ہیں، ان کے اوصاف اور افعال سب خوارج کے ہیں، اور یہ دولۃ الاسلامیہ نہیں دولۃ داعش ہے، اسلامیہ کہنا مناسب نہیں، بلکہ دولۃ داعشیہ کہنا چاہئے، یہی نام اس کے لئے مناسب ہے، کیا دولۃ اسلامیہ لوگوں کو چھری سے ذبح کرتی ہے؟ خونریزی مچاتی ہے؟ ان سب کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اور جب داعشیوں نے ایک اردنی پائلٹ کو ایک پنجرے میں رکھ کر تکبیر وتہلیل کے ساتھ جلا دیا، اس وقت شیخ عبد المحسن سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ’’یہ لوگ مجرم ہیں، ان کے اعمال قبیح ہیں، اس سے پہلے بھی یہ اس طرح کی حرکت کر چکے ہیں، یہ جب کسی کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو اسی طرح چھری سے ذبح کرتے ہیں جیسے بکری کو ذبح کیا جاتا ہے، اور آگ سے عذاب دینا بالکل جائز نہیں۔‘‘

داعش پر شیخ نے 1435ھ میں ایک مقالہ نشر کیا جس کا یہ نام تھا: ’’**فتنة الخلافة الداعشية العراقية المزعومة**‘‘ اس کے اندر فرمایا: ’’**الحمد لله وحده، وصلى الله وسلم على من لا نبی بعده، نبينا محمد وعلى آله وصحبه، أما بعد......**

عراق کے اندر چند سال پہلے ایک فرقے نے جنم لیا جس نے اپنا نام ’’**دولة الاسلام فی العراق والشام**‘‘ رکھا، جو بعد میں اس نام کے کلمات کے ابتدائی چار حروف سے مشہور ہوا جسے ’’**داعش**‘‘ کہا گیا، اس کی سربراہی کئی لوگوں نے کی جنہیں ابوفلاں الفلانی کہا گیا، کنیت اور ساتھ میں کسی شہر یا قبیلہ کی طرف نسبت، جیسا کہ مجہول اور نامعلوم کنیتوں اور انساب کا حال ہوتا ہے۔

سیریا کے اندر ہو رہی لڑائی پر ایک مدت گزر جانے کے بعد سیریائی نظام کے خلاف لڑنے والوں میں سے بہت سے لوگ اس فرقے میں داخل ہو گئے، لیکن یہ لوگ حقیقت میں اہل سنت سے لڑائی کر رہے ہیں، اور انہیں قتل کر رہے ہیں، اور ان کے بارے میں مشہور ہے کہ جب یہ کسی کو قتل کرتے ہیں تو اسے چھری چاقو سے ذبح کرتے ہیں تاکہ لوگ زیادہ خوف زدہ ہوں۔

1435ھ کے رمضان کے اوائل میں ان لوگوں نے اپنے فرقے کا نام بدل کر الخلافۃ الاسلامیۃ رکھ لیا، اور اس فرقے کا جو خلیفہ ہے جسے یہ لوگ ابوبکر البغدادی کہتے ہیں، موصل کی جامع مسجد میں خطبہ دیا، اور اس خطبے میں کہا: مجھے تمہارا حاکم بنایا گیا جبکہ میں تم سے بہتر نہیں۔ بالکل وہی بات جو سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔

اس پر شیخ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ’’یقیناً اس نے سچ کہا، وہ بالکل ان سے اچھا نہیں ہے۔‘‘ یعنی وہ اہل خیر سے تعلق نہیں رکھتا، کیونکہ جو لوگ چھری چاقو سے معصوموں کو ذبح کرتے ہیں یا تو اس کے حکم سے، یا اس کے علم سے یا اس کے اقرار سے، ہر صورت میں وہ ان میں سب سے برا ہوگا، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’**وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا**‘‘ ترجمہ:

''اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے اس کو گناہ پر چلنے والوں کا بھی گناہ ہوگا اور چلنے والوں کا گناہ کچھ کم نہ ہوگا۔''

شیخ کہتے ہیں: ''اس خطبے کے اندر اس نے جو بات کہی ہے، یہی بات رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلام کے پہلے خلیفہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کہی تھی، جو کہ اس امت کے سب سے بہترین شخص ہیں، آپ نے تواضع اور خاکساری میں یہ بات کہی تھی، جسے صحابہ جانتے تھے کہ آپ سب سے بہتر ہیں۔

اس لئے اس منحرف فرقے کے لئے واجب ہے کہ یہ اپنا مراجعہ کرے، خیر و بھلائی کے راستے پر آجائے، قبل اس کے اس کی حکومت ہواؤں کے ایک جھونکے سے اڑ جائے، جس طرح تاریخ میں پہلے اس طرح کے خارجی فرقوں کے ساتھ ہوا۔''

لیکن حقیقت ہے کہ یہ لوگ کسی کی نصیحت قبول نہیں کریں گے۔ نہ ہی شیخ عبدالمحسن کی نصیحت اور نہ ہی کسی دوسرے کی نصیحت، بلکہ الٹا یہ ان علماء کی تکفیر کریں گے۔

ایک نوجوان نے مجھ سے بتایا کہ میں سیریا گیا تھا جہاد کرنے، نوجوانوں کو یہی بتایا جاتا ہے کہ عراق و شام میں جہاد ہو رہا ہے، نوجوان نے کہا: مجھے ان لوگوں نے ایک شرعی کمیٹی میں ڈالا، کمیٹی کے صدر نے کہا: تم کو فدائی حملہ کرنا ہے، میں نے کہا: میں کافروں سے جنگ لڑنا چاہتا ہوں، اور اس طرح کے حملے تو جائز نہیں، پوچھا گیا: کس نے کہا کہ اس طرح کا عمل جائز نہیں؟ میں نے کہا: شیخ صالح الفوزان، ان میں سے ایک نے کہا: اگر میں صالح الفوزان تک پہنچ جاؤں تو اس کی داڑھی کو اوپر اٹھا کر- اس کی تکریم میں- چھری سے اس کی گردن کاٹ دوں۔ یعنی ان کے یہاں گردن کی کوئی عزت و اکرام نہیں، کیونکہ یہ علماء دین کی تکفیر کرتے ہیں۔

شیخ نے مزید کہا: ''اور افسوس کی بات یہ ہے کہ داعش کا یہ فتنہ بلاد حرمین کے نوجوانوں میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔'' اور اس کا سبب یہ میڈیا ہے، جو ان کی خوب تشہیر کر رہا ہے، اور اہل حق خاموش پڑے ہیں، اسی وجہ سے یہ فتنہ بڑھ رہا ہے۔

شیخ نے کہا: ''اور بعض تو ایسے ہیں جو اس مزعوم خلیفہ کے لئے بیعت کرنے پر آمادہ ہیں، آخر ایسے لوگوں سے خیر کی امید کیسے کی جا سکتی ہے جو تکفیر جیسے فتنے میں مبتلا ہوں اور جو قتل و اغواء کے سوا کچھ نہ جانتے ہوں؟ نوجوانوں پر واجب ہے کہ وہ خود کو اس طرح کے پروپیگنڈے سے دور رکھیں، ایسے فتنوں کے وقت اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں، کیونکہ اسی میں سلامتی اور نجات ہے، دنیا اور آخرت ہر دو جگہوں میں، اور اسی طرح خیر خواہ علماء کی طرف

رجوع کریں۔''

پھر شیخ نے''الخلافة الداعشية المزعومة تقتل المصلين وتذبح الآدميين بالسكاكين'' کے عنوان سے ایک دوسرا مقالہ نشر کیا۔جس کے اندر بلیغ نصیحت کی،اور شیخ کے یہ دونوں مقالے شیخ کے پیج پر موجود ہیں۔

اس گمراہ تنظیم کے تعلق سے اسی طرح کے مزید فتاوے ہیں،ان شاء اللہ سنیچر کے روز کل انہیں ذکر کیا جائے گا تاکہ ان سے استفادہ کیا جاسکے،اور مسلمانوں کو اس گمراہ تنظیم سے آگاہ کیا جاسکے۔اس وقت یہیں پر رکتے ہیں اور جمعہ کی نماز کی تیاری کرتے ہیں،عصر کی نماز کے بعد دوبارہ واپس آئیں گے،ان شاءاللہ۔ **والله اعلم وصلى الله علىٰ نبينا وسلم**

مُعاصر منحرف فرقے ④

(تبلیغی جماعت)

الحمدُ للهِ ربِّ العالمَين، والصَّلاةُ والسَّلامُ الأتَمّانِ الأكمَلانِ عَلى المَبْعُوث رَحْمَةً للْعالمين، وعَلى آله وصَحبه وأجمعين۔

حمد وثناء کے بعد!

تمام احباب کو آج جمعرات کی اس دوسری مجلس میں خوش آمدید ہے، اس علمی مجلس کے اندر ہم "**منہج سلف کے مخالف معاصر فرقے**" کے عنوان کے تحت اپنی گفتگو کو آگے بڑھائیں گے، اللہ اسے بابرکت بنائے۔

✷ **آج ان شاءاللہ ہم تبلیغی جماعت پر گفتگو کریں گے:**

دعوت وتبلیغ کے میدان میں یہ جماعت منہج سلف کی سب سے بڑی مخالف ہے، کیونکہ یہ خالص دعوتی جماعت ہے، اور یہ معلوم ہے کہ دعوت دین سب سے عمدہ اور بہتر، افضل اور کامل عمل ہے، یہ انبیاء ورُسل کا وظیفہ رہا ہے، ہمارے دین میں دعوت تقرب الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اور ہمیں یہ بھی علم ہے کہ عبادات میں اصل توقیف ہے، اس لئے کوئی بھی عبادت اسی صورت میں جائز ہوگی جب وہ سنت رسول کے موافق ہوگی۔

✷ **اور نبی اکرم ﷺ سے دعوت کے بارے میں جو کچھ مروی ہے اسے ایک آیت نے اکٹھا کر دیا ہے، اور وہ اللہ کا یہ قول ہے:** ﴿قُلۡ هَٰذِهِۦ سَبِيلِيٓ أَدۡعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِيۖ وَسُبۡحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلۡمُشۡرِكِينَ﴾ [یوسف:۱۰۸] ترجمہ: "کہہ دیجئے یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر، میں اور وہ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

جو راستہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں موجود تھا وہی راستہ آج بھی موجود ہے، اور ضروری ہے کہ اسی راستے کی طرف آج بھی دعوت دی جائے، جوکہ رسول اللہ ﷺ کا راستہ ہے، اور ہر وہ دعوت جو رسول اللہ ﷺ کے راستے کے علاوہ کی طرف منسوب ہوگی وہ دعوت شرعی نہیں ہوسکتی۔

کیونکہ اللہ نے اپنے نبی سے کہہ دیا ہے: ﴿قُلۡ هَٰذِهِۦ سَبِيلِيٓ أَدۡعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِۚ﴾ یہ دوسری شرط ہے شرعی

دعوت کے لئے کہ وہ دعوت اللہ کے لئے ہو اور یہ دعوت درج ذیل امور سے پوری ہو سکتی ہے:

✷ **پہلا امر: اخلاص ہو،** چنانچہ ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس دعوت سے اللہ کی رضا چاہتا ہو کسی شیخ اور بزرگ یا جماعت کے کسی امیر کی رضا مقصود نہ ہو، بلکہ خالص اللہ کی رضا مقصود ہو۔

✷ **دوسرا امر: وہ دعوت اللہ کی طرف ہو** کسی جماعت یا فرقے کی طرف نہ ہو، نہ ہی کسی شخص کی طرف، وہ دعوت خالص اللہ کی طرف ہو۔

✷ **تیسرا امر:** وہ اسی چیز کی طرف دعوت دے جس کی طرف اللہ نے دعوت دی ہے، اپنی مرضی دعوت میں نہ چلائے، یعنی کتاب وسنت کے مطابق دعوت دے۔

چنانچہ جو دعوت اللہ کی طرف نہیں ہوگی وہ دعوت شرعی نہیں ہوگی، اور اگر خالص نہیں ہوگی تو شرعی بھی نہیں ہوگی، اور جو دعوت کسی جماعت یا فرقے کی طرف دعوت ہوگی وہ بھی شرعی نہیں ہوگی، اور اگر وہ دعوت کتاب وسنت کے مطابق نہیں ہوگی بلکہ اپنی مرضی کے مطابق ہوگی، تو وہ دعوت بھی شرعی نہیں ہوگی۔

﴿أَدْعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ﴾ بصیرت یہاں علم کے معنیٰ میں ہے، اس لئے بغیر علم کے دعوت دین نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ بنیادی شرط ہے۔

﴿أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِيۖ﴾ چنانچہ جو بھی میرے اس راستے کی پیروی کرے گا، اللہ کی طرف علم وبصیرت کے ساتھ دعوت دے گا، اسی کی دعوت شرعی دعوت ہوگی، لیکن جو اللہ کی طرف دعوت دے مگر بغیر علم وبصیرت کے ہو، اس وقت وہ دعوت شرعی نہیں ہوگی۔

﴿وَسُبۡحَٰنَ ٱللَّهِ﴾ یعنی میں اللہ کو تمام عیوب ونقائص سے پاک کرتا ہوں، چنانچہ میری دعوت کے اندر اللہ کی تنزیہ بھی ہے ہر اس عیب سے جو اس کے لائق نہیں، اور سب سے بڑا عیب شرک ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ہماری دعوت توحید کی طرف ہو، کیونکہ اس کے بغیر ہم اللہ کو پاک کر ہی نہیں سکتے، چنانچہ جس دعوت کے اندر توحید نہ ہو اور نہ ہی شرک سے آگاہی ہو، وہ دعوت شرعی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ دعوت کامیاب ہو سکتی ہے، بلکہ وہ بدعتی دعوت ہوگی۔

چنانچہ اس دنیا کے اندر جو بھی دعوت ہے اسے ہم مذکورہ آیت پر پیش کریں گے:

* چنانچہ جب وہ دعوت اس آیت کے موافق ہو جائے ہر پہلو سے تو اسی صورت میں وہ شرعی دعوت کہلائے گی جو

صحیح اور نفع بخش ہوگی۔

*لیکن جو دعوت اس آیت کے مخالف ہوگی یا اس آیت کے بعض پہلو کے مخالف ہوگی تو وہ دعوت شرعی نہیں ہوگی، چنانچہ اس کی یا تو تصحیح کی جائے گی یا اسے ختم کر دیا جائے گا۔

دعوت دین میں یہی اصل ہے، اور اسی کے مطابق ہم چلتے ہیں، اور یہ تمہید تھی جس کا ہونا ضروری تھا، جو اسے یاد کرلے گا وہ اس باب کو اچھی طرح سمجھ لے گا۔

اور یہ تبلیغی جماعت ابھی جلد وجود میں آئی ہے، چودھویں صدی ہجری کے وسط میں اس کی بنیاد ڈالی گئی ہے، اس کے بانی محمد الیاس بن محمد اسمٰعیل ہیں، جن کی تعلیم ان کے بھائی محمد یحیٰ کے ہاتھ پر شروع ہوئی، قرآن حفظ کیا، اور بعض حدیث کی کتابیں پڑھیں، پھر مدرسہ دیوبند چلے گئے، جہاں فقہ حنفی کی پڑھائی کی، وہاں پر اپنے شیخ رشید احمد سے صوفی بیعت کی، پھر جب ان کے شیخ رشید وفات پا گئے تو اس بیعت کی تجدید خلیل کے بدست کی، جنہوں نے صوفی طریقے کی اجازت دی کہ دوسروں کو بھی بیعت کرا سکتے ہیں، یعنی ابھی تک بیعت کرتے تھے اب اس لائق ہو گئے کہ لوگ ان سے بیعت کریں۔

موصوف قبروں پر مراقبہ کرنے میں مشہور تھے، عقیدے، عقیدت، عبادت اور منہج میں دیوبندیوں کے طریقے پر تھے، چنانچہ عام احناف کی طرح عقیدہ ماتریدی تھا، سلوک اور طریقت میں صوفی تھے، فقہ میں حنفی تھے، تبلیغی جماعت کے امیر تھے، وفات کے بعد لڑکا محمد امیر ہوگیا، لڑکا بھی باپ کے مذہب اور طریقے پر تھا، فرزند کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ والد کی قبر پر مراقبہ کرتا تھا، قبر کے پاس سر کو ڈھک کر طویل وقت والد کی قبر پر گزار دیتا تھا، اسی کو صوفیوں کے نزدیک مراقبہ کہتے ہیں، یعنی قبر کے پاس تنہائی میں جا کر بیٹھ جانا، سر اور چہرہ ڈھک کر، اسی کو مراقبہ کہتے ہیں، یہ بھی عقیدے میں ماتریدی تھے، اور طریقے میں صوفی تھے۔

یہ محمد یوسف ہیں تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر، انہوں نے ہی ''**حياة الصحابة**'' لکھی ہے، یہ کتاب عربوں کے لئے لکھی گئی ہے، جو اس جماعت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں، کیونکہ تبلیغی جماعت دو کتابوں میں جو خاص کر جماعت کے لئے لکھی گئی ہیں:

* ایک ''**تبلیغی نصاب**''، جو غیر عربوں کے لئے ہے۔

* دوسری ''**حياة الصحابة**''، جو عربوں کے لئے ہے۔

شیخ حمود تویجری رحمہ اللہ جو کہ تبلیغی جماعت کے بارے میں سب سے زیادہ جانتے ہیں، اہل علم کے یہاں ایک معروف معتدل عالم ہیں، کہتے ہیں: ''محمد یوسف کی کتاب ''حیاۃ الصحابۃ'' خرافات، جھوٹے قصے اور کہانیوں، موضوع اور ضعیف حدیثوں سے بھری ہوئی ہے، یہ کتاب شر وفتن اور گمراہیوں کا پٹارہ ہے۔''

محمد یوسف کی وفات کے بعد جماعت کے تیسرے امیر انعام الحسن بنے، یہ بھی اپنے پیشروؤں کے طریقے پر تھے، چنانچہ موصوف بھی صوفی طریقے، اور ماتریدی عقیدے پر تھے، موصوف نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں آیا ہے: ''صوفی طریقے پر بیعت لینا برصغیر کے اندر مشہور اور رائج ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم بیعت نہ بھی لیں تو بھی یہ بیعت کریں گے خواہ دوسروں سے کرنا پڑے۔'' اس لئے ہم ہی ان کی بیعت لے لیتے ہیں، کیونکہ اگر ہم بیعت نہ لئے تو دوسرے لے لیں گے۔

شیخ حمود تویجری رحمہ اللہ انعام الحسن کے بارے میں فرماتے ہیں: ''موصوف اپنے پیروکاروں سے صوفیوں کے چار طریقوں پر بیعت کرتے تھے چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ، جہاں تک موصوف کے عجمی پیروکاروں کا تعلق ہے تو وہ بڑی صراحت کے ساتھ ان چاروں طریقوں میں یقین رکھتے ہیں اور یہ وہ کم علم سادہ لوگ ہوتے ہیں جو تبلیغی جماعت میں رہنے کو اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں اور انہیں یہ پتہ نہ ہوتا کہ یہ بدعتی اور گمراہ ہیں۔''

ان کے یہاں ایک اور معروف کتاب ہے جسے ''**فضائل اعمال**'' کہتے ہیں، اسے محمد زکریا نے لکھا ہے، موصوف بانی جماعت محمد الیاس کے داماد ہیں، انہیں جماعت کا عالم سمجھا جاتا ہے، چونکہ اس جماعت میں علم کا رواج نہیں، بلکہ علم سے نفرت کراتے ہیں، اور جماعت کے بارے میں یہ معروف ہے کہ یہ جن چیزوں پر قائم ہے اس کی تعریف کرتی ہے اور جو چیزیں اس کے مخالف ہیں ان سے نفرت دلاتی ہے قصوں اور مثالوں کے ذریعے۔

مثلاً یہ کہتے ہیں: عالم کی مثال کنویں کی طرح جبکہ داعی کی مثال نہر کی طرح۔

*کنویں سے وہی حاصل کرسکتا ہے جو اس کے پاس پریشان ہو کر آتا ہے، اور محنت کر کے پانی نکالتا ہے۔

* جبکہ داعی جو کہ نہر کی طرح ہے یہ بہتا رہتا ہے اور ہر کوئی اس سے مستفید ہوتا ہے۔

بہرحال اس سادہ لوح مثال سے یہی ثابت کرتے ہیں کہ داعی ایک عالم سے افضل ہوتا ہے، اور دعوت کے لئے نکلنا طلب علم کے لئے نکلنے سے افضل ہوتا ہے، اور اس کے لئے قصے اور کہانیاں پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ لوگ کہتے ہیں:

- کچھ لوگ دعوت میں نکلے، راستے میں پٹرول ختم ہوگیا، گاڑی رک گئی، اب کیا کریں؟ ٹنکی میں پانی ڈال دیا، اور گاڑی چلنے لگی، یہ اللہ کی مدد ہے، ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُدَٰفِعُ عَنِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْۗ﴾ [حج:۳۸] ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ مومن بندوں کا دفاع کرتا ہے۔''

- ایک ساتھی نے گوشت خریدا، مسجد میں بیٹھے احباب سے اس کا گزر ہوا، تو ان کے ساتھ بیٹھ گیا، پھر اس گوشت کو لے کر گھر گیا، خاتون نے اسے پکایا، تو اس میں اضافہ ہوگیا، تو وہ بندہ شیخ کے پاس گیا اور اس کی خبر دی، شیخ نے پوچھا: تم نے کیا کیا؟ کہا: میں مسجد میں جا کر احباب کے ساتھ بیٹھ گیا تھا، شیخ نے کہا: یہی برکت ہے جو گوشت میں آئی ہے۔

اس طرح کے بے شمار قصے ہیں جن کے ذریعے یہ سادہ لوح لوگوں کا دل جیتتے ہیں، یہی ان کا منہج ہے، کیونکہ ان کے پاس علم نہیں ہوتا جس پر اپنی دعوت کو قائم کریں، یہ صرف مثالوں اور قصوں و کہانیوں کے ذریعے دعوت کا کام کرتے ہیں۔

محمد زکریا ان کے یہاں مقدم ہیں، ان کی کتابیں معتمد ہیں، شیخ محمد الیاس نے ان سے طلب کیا کہ جماعت کے لئے کچھ خاص کتابیں تالیف کردیں، یہ خود صوفی طریقے پر تھے، اور کہا کرتے تھے: ''اللہ سے تعلق بنانے کے لئے تصوف کا طریقہ سب سے قریب ترین طریقہ ہے۔''

خلیل احمد نے انہیں بیعت وارشاد کی اجازت دی تھی یعنی ان سے دوسرے لوگ بھی بیعت کرسکتے ہیں، شیخ حمود تویجری رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ محمد زکریا دیوبندی چشتی نقشبندی تھے، جماعت میں ان کی بڑی عزت تھی، انہیں ریحانۃ الہند و برکۃ العصر کہا جاتا ہے، موصوف بھی صوفی طریقے پر تھے، تبلیغی نصاب کے مولف آپ ہی ہیں، اس کتاب کے اندر بدعات وخرافات، شرک اور گمراہیاں بھری ہوئی ہیں۔

اس تعلق سے دائمہ کمیٹی میں سوال آیا جو اس طرح تھا: ''شیخ زکریا ہند و پاک کے مشہور علماء میں شمار ہوتے ہیں، خاص طور پر تبلیغی جماعت کے اندر، ان کی کئی کتابیں ہیں، ''فضائل اعمال'' ان میں سے ایک ہے جو اس جماعت میں بہت مشہور ہے، اس جماعت کے ممبران اسے صحیح بخاری جیسا مانتے ہیں۔'' سائل نے کہا: ''میں بھی انہیں میں سے تھا، اس کتاب کے پڑھنے کے دوران بعض قصوں کو میں نے پایا جو میری سمجھ سے باہر تھے، ان پر یقین نہیں آتا تھا، اسی لئے آپ کے پاس اس مسئلے کو بھیجا تا کہ آپ حل کردیں؟''

انہیں میں سے ایک قصہ احمد رفاعی کا ہے جو کہتے ہیں: ''حج کی ادائیگی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کی قبر کی

زیارت کی اور درج ذیل اشعار قبر رسول کے پاس کھڑے ہو کر پڑھے:

في حالة البعد روحي كنت أرسلها

تقبل الأرض عني وهي نائبتي

وهذه دولة الأشباح قد حضرت

فامدد يمينك كي تحظى بها شفتي

ان اشعار کے پڑھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا دست شریف باہر نکل آیا اور میں نے اسے چوم لیا۔

اس صوفی روایت کو علامہ سیوطی وغیرہ نے بیان کیا ہے اور اسی کو تمام صوفی ہر جگہ بیان کرتے رہتے ہیں۔

اس قصے کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ میں آپ سے چند سوال کرتا ہوں:

1- کیا اس قصے کی کوئی اصل ہے؟

2- سیوطی کی کتاب "الحاوی" کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیونکہ یہ قصہ اسی کتاب سے منقول ہے۔

3- اگر یہ قصہ صحیح نہیں ہے، تو کیا اس امام کے پیچھے نماز جائز ہوگی جو اس قصے کو بیان کرتا ہو اور اس کے اندر یقین واعتقاد رکھتا ہو؟

4- اور کیا اس طرح کی کتابیں مساجد میں پڑھنا جائز ہیں، کہ اس طرح کی کتابیں برطانیہ کی مسجدوں میں تلاوت کی جاتی ہیں تبلیغی جماعت کی طرف سے؟

جواب: "یہ قصہ سرے سے باطل ہے، کیونکہ میت میں اصل یہ ہے کہ خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی، وہ اپنی قبر میں حرکت نہیں کر سکتا، نہ ہاتھ کے ذریعے نہ ہی کسی اور عضو کے ذریعے، چنانچہ جو بھی نبی اکرم ﷺ کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے رفاعی کے لئے اپنا ہاتھ نکالا تھا یہ صحیح نہیں ہے، یہ ایک وہم اور خیال ہے، اس کی تصدیق کرنا جائز نہیں، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو ابو بکر، عمر وغیرہ جیسے صحابی کے لئے نہیں نکالا تو دوسروں کے لئے کیوں نکالیں گے، اور سیوطی کا اپنی کتاب "الحاوی" میں اس قصے کو بیان کر دینے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، کیونکہ علماء نے سیوطی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ حاطب لیل تھے، رطب و یابس سب لکھ دیتے تھے، اسی طرح فضائل اعمال یا اس طرح کی کتابوں کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے، جو شرک و بدعات اور خرافات، نیز جھوٹی کہانیوں پر مشتمل ہوں، مساجد کے اندر یا باہر کہیں بھی نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ اس سے لوگوں کے اندر گمراہی اور خرافات پھیلے گی۔"

شیخ حمود تویجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تبلیغیوں کے یہاں سب سے اہم کتاب تبلیغی نصاب ہے جسے محمد زکریا نے لکھا ہے، یہ اس کتاب کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح اہل سنت صحیحین کی تعظیم کرتے ہیں۔''

جبکہ اس کتاب کی اندر بدعات اور گمراہیوں کا پٹارہ ہے، یہ کتاب ان کے یہاں مسلم ہے، اس طور پر میں کہہ سکتا ہوں کہ تبلیغی جماعت ایک صوفی بدعتی جماعت ہے:

* یہ بذات خود ایک بدعتی جماعت ہے، کیونکہ مذکورہ آیت پر اگر ہم اسے پیش کریں تو کسی طرح بھی منطبق نہیں آئے گی۔

* اس کے اصولوں میں بدعات بھرے ہوئے ہیں، اسی طرح ان کے یہاں ایسی کتابیں ہیں جن میں بدعات و خرافات بھرے ہوئے ہیں۔

تبلیغی نصاب اور فضائل اعمال:

* اس کے اندر قبر رسول کی طرف متوجہ ہونے اور مراقبہ کرنے کو ثابت کیا گیا ہے، نیز نبی اکرم ﷺ کا مخاطب ہونا، آپ سے شفاعت کا سوال کرنا، قبر کی طرف متوجہ ہو کر کہنا: یارسول اللہ! میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور اللہ کے لئے آپ کا وسیلہ طلب کرتا ہوں۔

* اس کے اندر ایسی دعا پر ابھارا گیا ہے کہ اللہ سے رسول کے فضل (صدقے اور طفیل) سے قبول کی جائے۔

* اس کے اندر ایسے قصے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء، ابدال اور اقطاب تمام دنیا سے آکر لوگوں کے ساتھ حج کرتے ہیں، اور ان کے پیروکاروں پر واجب ہے کہ وہ ان کے فیوض و برکات سے استفادہ کریں۔

اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ سب صوفی خرافات ہیں، اس طرح کا اعتقاد صوفی رکھتے ہیں کہ ان کے شیوخ واقطاب حج کے لئے جاتے ہیں، ہر سال بغیر کسی وسیلے کے، بلکہ بعض تو یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیخ مسجد حرام کے اندر تمام نماز ادا کرتے ہیں، لوگ ان سے کہتے ہیں: تمہارے شیخ ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھتے، وہ کہتے ہیں: وہ مسجد حرام میں پڑھتے ہیں، چنانچہ جب موذن اذان دیتا ہے تو وہ اپنا پیر پھیلا دیتے ہیں کہ اچانک کعبہ کے پاس پہنچ جاتے ہیں، پھر وہاں نماز پڑھ کر واپس آجاتے ہیں، بعض لوگ افریقہ میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ نے فلاں شیخ کے لئے زمزم کا پانی وہاں تک پہنچا دیا ہے شیخ کے لئے، اس طرح کے بہت سارے قصے اور کہانیاں موجود ہیں۔

اسی میں سے یہ بھی ہے: اسی طرح اس کتاب میں ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما پر سلام بھی لکھا ہے ان الفاظ میں: ہم آپ دونوں کے پاس آئے ہیں تاکہ آپ کے وسیلے سے رسول اللہ ہماری شفاعت کردیں، اور ہمارے لئے ہمارے رب سے دعا کردیں۔ جبکہ یہ معلوم ہے کہ مردوں سے وسیلہ مانگنا بدعت ہے۔

اس کتاب میں ایسی باتیں بھی ہیں جنہیں بہت سے غالی صوفی بیان کرتے ہیں کہ کعبہ خود بعض اولیاء کے پاس جاتا ہے، یہاں تک کہ ان کے یہاں ایک مسئلہ یہ بھی زیر بحث ہوتا ہے کہ اگر کعبہ بعض اولیاء کے پاس چلا جائے تو ایسی صورت میں لوگ کدھر متوجہ ہوں گے؟ یعنی اس شیخ کی طرف جہاں کعبہ گیا ہے یا اس کے اصلی جگہ کی طرف؟ اس کتاب کے اندر اس طرح کے بھی خرافات موجود ہیں۔

اس کتاب کے اندر درود وسلام کے صیغوں کے تعلق سے بھی بہت سی بدعتیں موجود ہیں۔

اس کتاب کے اندر ابن عربی صوفی کی تعریف کی گئی ہے، جس پر محققین علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے، کیونکہ اس کے اعتقادات کفریہ ہیں۔

البتہ یہاں ایک فرق یاد رہے وہ یہ کہ ابن عربی اور ابن العربی میں فرق ہے، ابن عربی صوفی ہے جبکہ ابن العربی مالکی ہیں، یہ دوسرے ہیں، بعض اہل علم نے کہا: معرفہ استعمال کرو تو معرفہ کو پہچان لوگے اور نکرہ استعمال کرو تو نکرہ کو جان لوگے۔

*یعنی ابن العربی معرفہ کے ساتھ کہو گے تو اس سے مالکیہ کے معروف عالم دین مراد ہوں گے۔

* اور ابن عربی نکرہ استعمال کروگے بغیر (ال) کے، تو اس سے مراد وہی گمراہ صوفی ہوگا جس پر علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔

اس طرح آپ جماعت کی سب سے قابل اعتماد کتاب کے اندر ہر طرح کے خرافات و بدعات وشرکیہ اعمال سے بھرا ہوا پائیں گے، مگر یہ جماعت اس کتاب کی حقیقت ہر ایک سے نہیں بیان کرتی، اسی لئے بعض نیک لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں، پھر جب یہ لوگ جماعت میں جاتے ہیں تو اسے سمجھا دیا جاتا ہے کہ جماعت پر لوگ طعن وتشنیع کریں گے اسے کبھی نہ سننا، اس لئے وہ شخص پھر علماء کے کلام سے کبھی مستفید نہیں ہوتا۔

*** یہ جماعت بھی دیگر صوفی جماعتوں کی طرح تعظیم قبور پر قائم ہے:**

سیف الرحمٰن بن احمد دہلوی نے کہا: ’’تبلیغیوں کے اکابرین قبروں پر مراقبہ کرتے ہیں، وہاں وہ اہل قبور سے

کشف و کرامات اور روحانی فیض کا انتظار کرتے ہیں، یہ نبی اکرم ﷺ اور اولیاء کے قبر میں باحیات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، بالکل دنیاوی زندگی کی طرح نہ کہ برزخی زندگی، جس طرح قبر پرست عقیدہ رکھتے ہیں۔"

اس طرح یہ جماعت ایک بدعتی جماعت ہے جو بدعات وخرافات اور گمراہیوں پر قائم ہے۔

*** اس جماعت کو ہم شرعی اصولوں پر دیکھیں گے خاص کر توحید پر جوکہ دین کی بنیاد اور جنت کی چابی ہے:**

چنانچہ جب ہم اس جماعت کو توحید کے معیار پر پرکھتے ہیں تو پاتے ہیں کہ یہ جماعت یہاں معیار پر پوری نہیں اترتی اور اس کا شرعی موقف درست نہیں ہے، وہ موقف جسے نبی اکرم ﷺ لے کر آئے، نہ ہی توحید ربوبیت میں، نہ ہی توحید الوہیت میں اور نہ ہی توحید اسماء وصفات میں، ایسا دو وجہوں سے:

* **پہلی وجہ:** یہ جماعت توحید کا اہتمام نہیں کرتی، اور نہ ہی توحید کی طرف دعوت دیتی ہے۔

* **دوسری وجہ:** یہ توحید کو توحید ربوبیت پر محمول کرتے ہیں، چنانچہ کلمہ طیبہ کی تفسیر کرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی خالق، رازق اور مدبر کائنات نہیں ہے۔ اور یہ توحید میں انحراف ہے۔

اسی طرح ان کے یہاں توحید کے تمام اقسام میں انحراف پائے جاتے ہیں، وہ توحید کا اہتمام بالکل نہیں کرتے، بلکہ توحید کی طرف دعوت دینے سے منع کرتے ہیں، وہ توحید کی تفسیر اجمالی طور پر توحید ربوبیت سے کرتے ہیں، کیونکہ جماعت کے نزدیک ایک قاعدہ ہے کہ "جس مسئلہ میں اختلاف ہو اس سے بچنا ضروری ہے"۔

- چنانچہ جب آپ لا الہ الا اللہ کا معنیٰ یہ بتائیں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، یا اللہ کے سوا کوئی مدبر کائنات نہیں، تو کیا اس سے آپ کی کوئی مخالفت کرے گا؟ کوئی نہیں کرے گا، لیکن جب آپ کہیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو پھر یہاں اختلاف ہوگا آپ کے اور ان قبر پرستوں کے درمیان جو قبروں پر سجدہ کرتے ہیں، اس لئے ان کے یہاں توحید الوہیت سے اس کی تفسیر کرنے سے بچنا ضروری ہوگا۔

- اور جب آپ توحید اسماء وصفات کی طرف آئیں گے تو یہاں بھی امت کے مختلف فرقوں میں اختلاف پائیں گے، اس لئے توحید اسماء وصفات سے بھی بچنا ضروری ہوگا۔

اس طرح اب تبلیغی جماعت کے لئے کیا بچا جو اس کے منہج کے مطابق ہو؟ اجمالی طور پر صرف توحید ربوبیت بچا ہے، اس کے علاوہ بھی توحید ربوبیت میں ان کے یہاں بہت سے فاسد اعتقادات پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح ان کے یہاں توحید ربوبیت میں یہ بھی پایا جاتا ہے: یہ حقیقت ہے کہ عمروں کا پتہ صرف اللہ کو ہے، اور اللہ

ہی زندہ اور مردہ کرتا ہے، لیکن اس جماعت کا اپنے شیوخ کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ اولیاء بھی عمروں کو جانتے ہیں، اسی طرح یہ مردوں کو زندگی عطا کر دیتے ہیں۔

محمد زکریا نے کہا: ''شیخ ابو یعقوب نے کہا: مکہ کے اندر ایک مرید آیا اور کہا: استاذ میں کل ظہر کے وقت مرنے والا ہوں، یہ دینار لے لو، اس کے آدھے سے میرے کفن لے لینا اور آدھے سے قبر کھدوا لینا، جب کل ظہر کا وقت آیا تو وہ مسجد حرام میں طواف کیا پھر وہیں لیٹ گیا اور مر گیا، پھر میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اسے قبر میں اتار دیا، اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں، میں نے اس سے کہا: موت کے بعد زندہ؟ اس نے کہا: بلکہ میں زندہ ہوں، اور ہر اللہ کا محبوب زندہ ہوتا ہے۔''

اس طرح کے خرافاتی قصوں کو ثابت مان کر ذکر کیا ہے۔

اور آگے کہا: ''ابو الحسین المالکی کہتے ہیں: میں شیخ خیر نور پاشا کے ساتھ سالوں سال رہا، انہوں نے اپنی موت سے آٹھ دن پہلے کہا: میں جمعرات کی شام کو مغرب کے وقت مر جاؤں گا، اور جمعہ کی نماز کے بعد دفن کیا جاؤں گا، اسے بھولنا مت، لیکن میں کلی طور بھول گیا، موت کے دن لوگوں نے مجھے خبر دی کہ ان کا انتقال ہو گیا' جس طرح انہوں نے کہا تھا، اور یہ کہ انہیں جمعہ کی نماز کے بعد دفن کیا جائے گا، چنانچہ جب میں ان کے گھر گیا اور ان کی وفات کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تو مجھ سے ایک شیخ نے جو ان کی وفات سے پہلے موجود تھے بتایا کہ مغرب کی نماز سے پہلے ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی، پھر تھوڑا افاقہ ہوا تو یہ کہنے لگے جبکہ ان کا چہرہ گھر کے ایک کونے کی طرف کر دیا گیا، مجھے تھوڑا مہلت دو، مجھے تھوڑا مہلت دو، گویا ملک الموت سے مخاطب تھے، جس طرح تم حکم پر مامور ہو میں بھی حکم پر مامور ہوں، لیکن جس حکم پر تم مامور ہو وہ ٹل نہیں سکتا اور جس حکم پر میں مامور ہوں وہ مجھ تک باقی رہے گا، اس لئے مجھے تھوڑا مہلت دو کہ اسے پورا کر دوں، پھر پانی طلب کیا اور دوبارہ وضو کیا اور نماز پڑھی اس وقت ملک الموت انتظار کر رہا تھا، پھر آنکھیں بند کر لیں اور پھر پیر پھیلا کر لیٹ گئے اور انتقال کر گئے۔''

اس طرح ان کے یہاں یہ اعتقاد ہے کہ شیوخ اور ان کے مرید سب' عمروں کو، موت کی جگہوں کو جانتے ہیں۔

کہتے ہیں: ''شیخ ابو علی روذباری نے کہا: میرے پاس عید کے دن ایک فقیر آیا–صوفیوں کے یہاں فقیر سے مراد اللہ کا ولی ہوتا ہے–اس کا حال بہت پتلا تھا، پھٹے پرانے کپڑے تھے، کہا: کیا یہاں کوئی صاف جگہ ہے جہاں یہ مفلس فقیر کی موت آ جائے؟ میں نے اسے فضول سمجھا اور لاپرواہی میں کہا: اس جگہ جاؤ اور کہیں بھی مر جاؤ، چنانچہ وہ فقیر اندر گیا،

وضو کیا اور چند رکعات نماز پڑھی، پھر لیٹ گیا اور مر گیا، میں نے اس کی تجہیز وتکفین کے اندر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اس کے چہرے کو کھول کر زمین پر رکھ دوں تا کہ اللہ اس کی مسکینی کو دیکھ کر اسے معاف کر دے، چنانچہ میں نے اس کا چہرہ کھولا تو اچانک اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں، میں نے پوچھا: میرے آقا! موت کے بعد زندگی؟ کہا: میں زندہ ہوں، اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے، اور بروز قیامت میں اپنے جاہ ومقام سے تمہاری مدد کروں گا۔''

ظاہر ہے اس طرح کی بات کہنا جائز نہیں ہے، اللہ سے محبت کی جاتی ہے نہ کہ عشق، اللہ کی طرف اس لفظ کی نسبت کرنا جائز نہیں، اس طرح بہت سی خرافات یہ بیان کرتے ہیں۔

*** اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ شیوخ دلوں کی بات جانتے ہیں:**

سید محمد شاہد کہتے ہیں: ''امیر جماعت شیخ انعام الحسن دلوں کے احوال اور سینوں کے وسوسوں سے واقف ہیں، اس طرح کہ عصر حاضر میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔''

یعنی جس طرح یہ قصوں اور کہانیوں پر یقین رکھتے ہیں اسی طرح اس بات پر بھی ان کا یقین اور عقیدہ ہے۔

کہتے ہیں: ''جماعت کے ایک مبلغ اور ممبر نے بارہا اپنے لڑکے کو شیخ انعام الحسن سے بیعت کی رغبت دلائی لیکن اس نے انکار کر دیا، تو اس لڑکے نے خواب میں دیکھا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے: دہلی جا کر شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ چنانچہ خواب کو بنیاد بنا کر وہ تبلیغی مرکز گیا اور شیخ سے بیعت کے لئے طلب کیا، شیخ نے اسے دیکھ کر مسکرایا اور کہا: تمہیں خواب پر اس حد تک بھروسہ ہے۔ یعنی شیخ کو پتہ چل گیا کہ یہ خواب دیکھ کر آیا ہے۔ پھر اس نے بیعت کی، اور یہ مرید ہمیشہ حیرت میں رہتا اور کہتا: میں نے اپنے خواب کے بارے میں کسی کو نہیں بتلایا اور پھر شیخ کو کیسے پتہ چل گیا؟''

یعنی اس لڑکے نے خواب کے بارے میں اپنے والد کو بھی نہیں بتلایا لیکن شیخ انعام الحسن کو مرید کے دل کے بارے میں غیب کا علم ہو گیا۔

جماعت کے ایک ممبر کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے کہا: ''ایک بار میں نے 1200/ روپے میں ایک بھینس خریدی، پھر میں مرکز نظام الدین دہلی گیا تا کہ 200/ روپے نکال دوں، میں شیخ انعام الحسن کی مجلس میں بیٹھا، مجھے دیکھ کر کہا: کچھ لوگ 1200/ روپے میں بھینس خریدتے ہیں، اور 200/ روپے لے کر اللہ کے راستے میں آتے ہیں، مرید کہتا ہے: میں نے اس بارے میں کسی کو خبر نہیں دی۔''

اس طرح کی بہت سی کہانیاں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے مشائخ دلوں کی باتوں کو اور غیب کو جانتے ہیں، حالانکہ اس سے توحید ربوبیت میں خلل پڑتا ہے، جبکہ یہ لوگ خود توحید ربوبیت سے تفسیر کرتے ہیں، اس طرح ان کے یہاں تاریکیاں ہی تاریکیاں ہیں۔

ساتھیو! یہ تبلیغی جماعت ایک جماعت ہے پوری دنیا میں، ایسا نہیں ہے کہ انڈونیشیا میں الگ ہو، مصر میں الگ اور سعودی عرب میں الگ، یہ ایک ہے اور صوفی جماعت ہے، چنانچہ اگر کوئی آ کر کہے: بھائی میں صوفی نہیں ہوں، تو ہم کہیں گے: ہم آپ کو متہم نہیں کرتے، وہ اگر کہے: میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ شیوخ دلوں کی بات جانتے ہیں، ہم کہیں گے: ہم آپ کو اس سے بھی متہم نہیں کرتے، لیکن آپ ایسی جماعت سے منسلک ہیں جس کا یہی عقیدہ ہے، اس لئے یہ جائز نہیں کہ آپ ایسی جماعت سے منسلک ہوں، اسے چھوڑ دینا واجب ہے۔

*** ساتھیو! بلکہ ان کے یہاں ان کے امیروں اور مشائخ سے ایسی باتیں ملتی ہیں کہ شیخ اور اولیاء کے لئے اہل جنت اور اہل دوزخ کا کشف کیا جاتا ہے:**

مثلاً شیخ محمد زکریا کہتے ہیں: ”شیخ ابو زید قرطبی نے کہا: میں نے سنا ہے کہ جو ستّر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرے گا وہ نار دوزخ سے نجات پا جائے گا۔ یہ پہلی بدعت ہے۔ جب میں نے یہ خبر سنی تو اس نصاب کا ورد کیا یعنی ستّر ہزار مرتبہ ورد کیا، وہیں پاس ایک نوجوان تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ صاحب کشف ہے اور اس کو جنت وجہنم کا کشف ہوتا ہے، مجھے شک تھا، ایک مرتبہ وہ ہمارے ساتھ دوپہر کے کھانے پر تھا، کہ اچانک اس نے چیخ ماری اور وہ تنفس کا شکار ہو گیا اور کہا: میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے اور میں نے یہ منظر دیکھا ہے۔

قرطبی نے کہا جنہوں نے اس کلام کو نقل کیا ہے: میں اس کی گھبراہٹ کا مشاہدہ کر رہا تھا، اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس کی ماں کو ایک نصاب بخش دوں، چنانچہ میں نے اپنے نصابوں میں ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دیا، اور یہ میں نے بڑی راز داری سے کیا کہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، لیکن اس نوجوان نے فوراً کہا: میرے چچا! میری ماں دوزخ سے نجات پا چکی۔“

قرطبی نے کہا: ”اس قصے سے مجھے دو فائدے حاصل ہوئے:

*** پہلا فائدہ:** مجھے اس نصاب کی برکت کا تجربہ ہو گیا۔

*** دوسرا فائدہ:** اس نوجوان کی سچائی ثابت ہو گئی۔

اس قصے پر شیخ محمد زکریا نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ ایک قصہ ہے، جبکہ اس طرح اس ملک کے اندر بہت سے قصے مل سکتے ہیں۔''

کہا: ''اور فقیہ ابو اللیث کے بارے میں عجیب قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ کہتے ہیں: مکہ میں ایک خراسانی تھا، بہت ہی نیک امانت دار تھا، لوگ اس کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے، ایک شخص نے ایک بار دس ہزار دینار رکھے، پھر نکل کر اپنے کام پر چلا گیا، وہ شخص جب مکہ آیا تو خراسانی مر چکا تھا، اس کے بچوں سے مال کے بارے میں پوچھا تو انہیں کچھ بھی معلوم نہیں تھا، تو اس آدمی نے علماء مکہ سے کہا: میں نے فلاں کے پاس دس ہزار دنیار بطور امانت کے رکھے تھے، وہ شخص مرگیا، میں نے اس کے بچوں سے پوچھا تو انہیں اس سلسلے میں کوئی علم نہیں، اب آپ لوگ ہمیں کیا حکم کرتے ہیں؟

علماء مکہ نے کہا: ہمیں امید ہے کہ خراسانی جنتی ہے، جب رات کا تیسرا یا آدھا حصہ گزر جائے تو زمزم کے پاس جاؤ اور اس میں جھانک کر دیکھو، اور پکارو: یا فلان بن فلان، میں صاحب امانت ہوں۔

اس طرح اس نے تین راتوں تک کیا مگر کوئی جواب نہیں، تو آ کر ان سے خبر دی تو انہوں نے اس سے کہا: **إنا لله وانا إليه راجعون**، ہمیں خوف ہے کہ تمہارا ساتھی جہنمی ہو، تم ایسا کرو، فلاں وادی میں جاؤ جہاں ایک کنواں ہے، اس میں جھانکو، اور جب رات کا ایک تہائی یا نصف گزر جائے تو پکارو: یا فلان بن فلان: میں صاحب امانت ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا، تو پہلی ہی آواز میں جواب آیا: تمہارا مال اسی حال پر ہے، میں نے اپنی اولاد کو اس کے بارے میں خبر نہیں دی ہے، اسے میں نے ایک فلاں گھر میں دفن کر دیا ہے، میرے بچوں سے کہو کہ تمہیں فلاں گھر میں لے جائیں، وہاں سے کھود کر نکال لو، وہ وہاں سے واپس آیا، اور اپنے مال کو اسی حال میں پایا، پھر اس شخص نے تعجب سے پوچھا: تم یہاں کنویں میں کیوں آگئے جبکہ یہ کنواں تو دوزخیوں کا ہے، زمزم تو جنتیوں کا ہے؟ اور آپ تو اہل خیر میں سے تھے؟ تو اس بندے نے جواب دیا: خراسان میں میرے گھر والے تھے، میں نے ان سے تعلق توڑ لیا، یہاں تک کہ میری وفات ہوگئی، تو اللہ نے مجھے یہاں اتار دیا۔''

اس طرح یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اہل جنت کی روحیں زمزم کے کنویں میں اکٹھا ہوتی ہیں، اور اہل دوزخ کی روحیں اس وادی کے کنویں میں اکٹھا ہوتی ہیں، جبکہ یہ سب خرافات ہیں، دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

* **اسی طرح یہ قصوں اور کہانیوں سے یہ بھی ثابت کرتے ہیں:** رحم مادر میں کیا ہے ان کے شیوخ جانتے ہیں، جبکہ

آج کے اطباء آلات کے ذریعے بھی ایک مدت گزر جانے کے بعد ہی پتہ لگا پاتے ہیں، جبکہ تفصیلی طور پر اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، جبکہ اطباء کا علم جزوی اور سببی ہے، اللہ کے علم کے مخالف نہیں ہے، سب واضح ہو جانے کے بعد ہی جزوی طور پر یہ بتا پاتے ہیں، جبکہ اللہ کا علم یقینی ہے اور شروع سے آخر تک محیط ہے اور وہ بھی تفصیلی طور پر۔

اسی طرح جیسا کہ لوگ کہتے ہیں: فلاں ماہ میں گرہن ہوگا، تو یہ علم غیب نہیں ہے، کیونکہ گرہن کے اسباب موجود ہیں، دراسہ کرنے کے بعد انہیں اس وقت کا پتہ چل جاتا ہے، یہ کوئی علم غیب نہیں، اور اس کی بھی کبھی تصدیق ہو پاتی ہے اور کبھی نہیں، کیونکہ جو چیز سببی ہوتی ہے اس کی تصدیق اسی سبب کے ہونے پر ہی ہو سکتی ہے، اور اللہ چاہے تو اس سبب کو ختم کر دے اور وہ چیز واقع نہ ہو جس طرح موسم بتانے والوں کا حال ہوتا ہے کہ کبھی کبھی مانسون نہیں آتا ٹل جاتا ہے اور بارش نہیں ہوتی جبکہ اس کی پیشن گوئی کر دی گئی تھی، اسی طرح کہتے ہیں: اس سال 80/فی صد بارش کی توقع ہے مگر ضروری نہیں کہ اس مقدار میں ہو ہی جائے، کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی، یہ مانسون پر منحصر ہے۔

ساتھیو! اس لئے یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے، چنانچہ وہ علم جو اسباب حاضر پر مبنی ہے اسے علم غیب نہیں کہہ سکتے، اسی لئے جب چار ماہ گزر جاتے ہیں تبھی ڈاکٹر کو پتہ چلتا ہے وہ بھی کیمرہ وغیرہ کے ذریعے، اور یہ اس عقیدے کے بالکل مخالف نہیں ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ رحم مادر میں ہے، کیونکہ اللہ اس کے وجود میں آنے سے پہلے بھی جانتا تھا، اور جب رحم میں آیا اس وقت بھی جانتا تھا، وہ لڑکے کی شکل میں ہے یا لڑکی کی شکل میں اسے بھی جانتا تھا، اسی طرح اس کو کتنی اولاد ہوگی یہ بھی جانتا ہے، جبکہ ان لوگوں کا علم تمام اوقات کو محیط نہیں ہے، ایک خاص مرحلے ہی میں بالکل واضح ہو جانے کے بعد ہی جان سکتے ہیں وہ بھی اسباب اور آلات کے ذریعے۔

لیکن یہ لوگ صوفیوں کے طریقے پر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے مشائخ بغیر اسباب کے رحم مادر میں کیا ہے سب جانتے ہیں، ان کا شیخ دیکھتے ہی بتا دیتا ہے کہ اس کے پیٹ میں لڑکا ہے، بلکہ غالی صوفیوں کا انہیں میں جفری بھی ہے، یہ عقیدہ رکھتا ہے: اللہ کا ولی رحم لڑکے کو پیدا بھی کر سکتا ہے، اور اگر نسبوں کا اختلاف نہ ہوتا تو وہ ایسا کر دیتے، جفری نے ایسی بات کہی ہے، اس کی آواز کے ساتھ موجود ہے کہتا ہے: اللہ کا ولی ماں کے پیٹ میں لڑکا پیدا کر سکتا ہے، وہ لڑکے سے کہے گا: اپنی ماں کے پیٹ میں جاؤ اور وہ ہو جائے گا، انہیں اس سے کون سی چیز روک سکتی ہے؟ کہتے ہیں: اختلاف نسب روک سکتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا باپ کون ہوگا؟ کیا وہ اس عورت کا شوہر ہوگا یا ولی ہوگا؟ اسی لئے وہ اس سے رک گئے ورنہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

یہ انتہائی درجے کا غلو ہے، اس سے بھی گھٹیا عقیدہ رکھتے ہیں کہ فلاں شیخ کی برکت سے بانجھ عورت حاملہ ہو جاتی ہے، جب شیخ اس کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں تو وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔اس تعلق سے بہت سی کہانیاں ہیں۔

دوستو! یہی ہے ان کا توحید کے تعلق سے عقیدہ:

پہلی چیز: یہ توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات سے گریز کرتے ہیں، ایسا کیوں؟ کیونکہ ان کے خیال سے اس سے اختلاف ہوگا، اور امت کا ان دونوں مسئلوں میں اختلاف ہے، یہ صرف توحید ربوبیت ہی پر مرکوز رہتے ہیں، اور جب کلمہ طیبہ کی تفسیر کرتے ہیں تو اس کی تفسیر توحید ربوبیت سے کرتے ہیں، جبکہ توحید ربوبیت کے اندر بھی ان کے یہاں خلل پایا جاتا ہے۔

تبلیغی جماعت کے یہاں دعوت کا منہج کیا ہے؟

اس جماعت کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جماعت کا منہج ربانی منہج ہے، وحی یعنی کتاب وسنت پر مبنی نہیں بلکہ کشف پر مبنی، اور کشف ہی صوفیوں کے یہاں اصلی علم ہے۔

جماعت کے بانی محمد الیاس کہتے ہیں: ”اس جماعت کے اصول وضوابط کو میں نے خود اپنے ارادے سے نہیں بنایا ہے، بلکہ اللہ نے مجھ پر ان اصولوں اور بنیادوں کا کشف کیا ہے، اور مجھے حکم ہوا کہ میں انہیں پر چلوں۔“ اور یہ اصول وہی ہیں جنہیں یہ اصول ستہ یا چھ باتوں کے نام سے جانتے ہیں:

* **پہلی چیز:** کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ)۔
* **دوسری چیز:** نماز۔
* **تیسری چیز:** علم وذکر۔
* **چوتھی چیز:** اکرام مسلم۔
* **پانچویں چیز:** اخلاص یعنی نیت کی تصحیح۔
* **چھٹی چیز:** اللہ کی راہ میں نکلنا۔

یہ ان کے یہاں عمدہ کلمات اور سب سے بہتر مصطلحات ہیں جس طرح معتزلہ کے نزدیک چھ اصول ہیں، لیکن ان چھ اصولوں کی یہ کیا تفسیر کرتے ہیں، یہ اصل مسئلہ ہے۔

حقیقت میں جماعت کے نزدیک دو اصل ہے:

*کلمہ طیبہ

*نماز

اور اہل تبلیغ نے دعوت کو اسی میں محصور کر دیا، اس سے نکلنے کو حرام کر دیا، اسی لئے آپ اگر ان کے ساتھ نکلتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم کتاب التوحید پڑھنا چاہتے ہیں، تو وہ کہیں گے: نہیں، آپ کہیں گے: میں توحید پر کچھ کہنا چاہتا ہوں، وہ کہیں گے: نہیں، دعوت صرف چھ اصولوں پر منحصر ہے، اسی لئے ان میں سے ہر شخص دعوت کا کام کر سکتا ہے، کیونکہ اس جماعت کے نزدیک علم صرف انہیں چھ اصولوں میں منحصر ہے، پھر اس کے بعد قصے اور کہانیاں ہیں۔

ان میں سے ہر کوئی داعی بن سکتا ہے، کیونکہ ان چھ اصولوں کے علاوہ اسے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں۔

شیخ محمد ثانی حسنی محمد یوسف کے ان اصولوں کے اہتمام کے بارے میں کہتے ہیں کہ محمد یوسف کہتے ہیں: ''جن چھ اصولوں پر عمل مکمل طور پر منحصر ہے وہ یہ ہیں: کلمہ، نماز، علم، ذکر، اکرام مسلم، تحسین نیت، وقت کا نکالنا، چنانچہ آپ پوری کوشش کرتے تھے کہ ہر کوئی انہیں اصولوں کی پابندی کرے۔''

***کلمہ طیبہ سے ان کا کیا مقصود ہے؟**

ان کے اپنے بیانات اور صراحت کے مطابق اس کا مقصود یہ ہے: دل سے یقین فاسد کو نکال کر اللہ کی ذات پر یقین صحیح کو داخل کر دینا، اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی خالق، رازق اور مدبر نہیں ہے، اس طرح یہ اس کی تفسیر توحید ربوبیت سے کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کے فضائل کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن اس کا جو صحیح مفہوم ہے اسے نہیں چھیڑتے، نہ اس کے شروط اور اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں، جبکہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس کی طرف دعوت دی، اس کے معنیٰ کو واضح کیا اور اسی کے مطابق لوگوں نے اس پر عمل کیا۔

*** دوسری چیز:** نماز ہے، بعض کہتے ہیں: نماز سے مراد خشوع والی نماز ہے، انہیں یہ فکر نہیں ہوتی کہ نماز سنت کے موافق ہونی چاہیئے، بس یہ فکر ہوتی ہے کہ خشوع والی ہو، ایسا کیوں؟ اس لئے کہ سنت کے مطابق کہیں گے تو اس میں اختلاف ہوگا، احناف کچھ کہتے ہیں، شوافع کچھ کہتے ہیں، مالکیہ کچھ کہتے ہیں، اہل حدیث کچھ کہتے ہیں، اسی لئے سنت کے مسئلے کو نہیں چھیڑتے کہ کیسے پڑھیں گے؟ ان کی ساری تفسیر خشوع پر ہوتی ہے اور اس تعلق سے فضائل بھی بتاتے ہیں۔

*** تیسری چیز:** علم اور ذکر ہے: یہ علم سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اصول جماعت کا علم اور اسے سیکھنا مراد لیتے ہیں، ورنہ یہ

تو علم سے نفرت دلاتے ہیں، تعلیم سے نفرت دلاتے ہیں، جبکہ علم سے مقصود؛ علم دین کو سیکھنا ہونا چاہئے، تاکہ حقوق و فرائض کا علم ہو اور تاکہ حلال وحرام کی تمیز ہو، لیکن یہ لوگ علم سے مراد چھ اصولوں کا علم مراد لیتے ہیں، اسی طرح جماعت کی کتابوں کا علم، پھر یہ علم کے فضائل بیان کرتے ہیں جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ علم دین حاصل کرو بلکہ جماعت کی کتابوں کا علم حاصل کرو، کیونکہ حقیقت میں یہ علم سے نفرت دلاتے ہیں۔

اور ذکر سے مراد صوفی ذکر ہے، اور ایک ساتھ مل کر مسجد میں ذکر کرنا تاکہ جماعت پر مدد نازل ہو، ان کے یہاں ضروری ہے کہ مسجد میں ایک جماعت ہو جو ذکر کرتی رہے، تاکہ آسمان سے مدد نازل ہوتی رہے، اور پھر ان ٹولیوں کی طرف یہ مدد منتقل ہو جائے جو دعوت کے لئے نکلی ہیں۔

اور جیسا کہ ہم نے کہا: یہ لوگ اپنی باتوں کو ثابت کرنے کے لئے قصوں اور کہانیوں کو پیش کرتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ جو ہمیشہ اپنے پیروکاروں پر خاص کر نئے ممبران پر دہراتے رہتے ہیں وہ یہ کہ: ایک بار ایسا ہوا کہ بعض احباب نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، جب بھی دروازہ کھٹکھٹایا لوگوں نے بھگا دیا، ان کی ایک نہ سنی، انہیں تعجب ہوا، کیونکہ عادت یہی ہے کہ جماعت کے لئے دل کھول دئے جاتے ہیں، اور لوگ متوجہ ہوتے ہیں، لیکن آج ایسا کیوں ہو رہا ہے، کہ جیسے ہی دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں لوگ بھگا دیتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ مسجد واپس آگئے، دیکھا تو ان کے بھائی سوئے ہوئے ہیں، مدد منقطع ہو چکی ہے، جس میں مرید کو یہ پیغام ہے کہ جب اسے یہ کام سونپ دیا جائے تو وہ کبھی نہیں سوتا، کیونکہ وہ ڈائنما یعنی خود کار مشین ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یہ لوگ علم کا ذکر کرتے ہیں مگر اسے انہیں چیزوں پر منحصر کرتے ہیں جو ان کے پاس ہیں، ان کے علاوہ دوسری چیزوں سے نفرت دلاتے ہیں، اور ذکر کا بیان کرتے ہیں اور اسے صوفیوں کے ذکر اور ان مخصوص ذکر پر منحصر کرتے ہیں جو ان کی جماعت کے یہاں معروف ہیں۔

* **اکرام مسلم:** مطلب یہ ہے کہ ہم مسلمان بھائیوں کی عزت کریں، ان کے حقوق کی حفاظت کریں، انہیں تکلیف دینے سے بچیں، بڑوں کا خیال کریں، چھوٹوں پر رحم کریں، علماء ومشائخ کا احترام کریں، اس پر یہ کچھ نصوص بھی ذکر کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان کی عزت نہیں کرتے، کیونکہ یہ سلفی منہج کے دشمن ہیں، یہ ہر ایک کی عزت کرتے ہیں سوائے سلفی کے، اور یہ علماء میں صرف صوفیوں کا احترام کرتے ہیں۔

* **نیت کی تصحیح:** اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی نیت اللہ کی خاطر خالص کر لے، اور اس سے متعلق یہ فضائل بھی

بیان کرتے ہیں۔

* **اللہ کی راہ میں نکلنا:** اسی کو یہ جہاد کہتے ہیں، اور جہاد فی سبیل اللہ کی تفسیر خروج سے کرتے ہیں، اکرام اللہ جان کہتے ہیں: ''اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نکلیں اپنے اموال اور جان کے ساتھ، اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائیں یہاں تک کہ اللہ کا دین پوری دنیا میں پھیل جائے۔''

تبلیغ کے لئے نکلنے کے پروگرام کو یہ لوگ بڑے منظم طریقے سے ترتیب دیتے ہیں، اور اس کی فضیلت بھی بیان کرتے ہیں، جنہیں بعد میں بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ۔ یہ ان کی دعوت کے اسلوب میں شامل ہے، اس مسئلے میں بھی یہ منہج سلف کے مطابق نہیں ہیں، اور جو منہج سلف کے مخالف ہو کسی ایک بھی اصول میں اس کے لئے کافی ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے، پھر کیا حال ہو گا اس کا جو کئی اصولوں میں مخالف ہے؟

اس طرح یہ جماعت شرعی جماعت نہیں ہے، اور یہ باتیں جماعت کے تعلق سے بہت کم ہیں جنہیں میں نے ذکر کیا، ورنہ اس کے تعلق سے بہت سی خرافات بھری پڑی ہیں، ہوسکتا ہے اگلی مجلس میں کچھ مزید باتیں آئیں۔ ان شاء اللہ۔ اب اس مجلس کو ہم یہیں پر ختم کرتے ہیں۔

اس مجلس میں کوئی سوال نہیں ہو گا، اس لئے کہ وقت ختم ہو چکا ہے، سوال و جواب - ان شاء اللہ - اگلی مجلس میں ہوں گے۔ شام کے وقت۔

میں اپنے ساتھ اوراق لاؤں گا، اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں دین کی سمجھ عطا کرے اور اپنے چاہنے والوں کی راہ پر لگا دے، اور ان لوگوں میں شامل کرے جو حقیقی دعوت دین کا کام کرتے ہیں، اور بدعتیوں اور ان کی بدعتوں سے محفوظ رکھے۔ واللہ اعلم وصلی اللہ علی نبینا وسلم۔

منہج سلف کا تحقیقی جائزہ

(کھلی نشست)

سوالات:

***عوام پر اہل بدعت کی اصطلاح استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں، یا اس میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے؟**

جواب: علماء کہتے ہیں: احوط دلیل کی موافقت ہے، اگر دلیل ظاہر ہو جائے تو اسی کو لیا جائے گا اور یہی احوط ہے، لیکن اگر دلیلیں ایک دوسرے کے متقارب ہوں اور اقوال متشابہ ہوں، تو احوط یہی ہے کہ اس چیز پر عمل کیا جائے جس سے آدمی اپنے ذمہ سے بری ہو جائے، جو کہ اسباب ترجیح میں سے ایک ہے۔

مثلاً: باوضوہو کر قرآن کو چھونا، یہ اختلافی مسئلہ ہے، اور اس میں اقوال ایک دوسرے کے متقارب ہیں، اور دلیلیں بھی متقارب ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ﴾ [واقعہ:۷۹] ترجمہ: ''اسے پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔''

اس آیت میں اختلاف ہے یہ ہے کہ ﴿لَّا يَمَسُّهُۥٓ﴾ میں ضمیر سے مراد کون ہے؟ قرآن یا لوح محفوظ؟ اور اسی طرح سے ﴿ٱلْمُطَهَّرُونَ﴾ سے کیا مقصود ہے؟ ایک پاک مسلمان یا فرشتے؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''لَا يَمسَّ القُرآنَ إلَّا طَاهِرٌ'' ترجمہ: ''قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک شخص۔''

یہاں حدیث میں بھی اختلاف ہے کہ یہاں طاہر سے کیا مراد ہے؟ اس سے ایک مومن مراد ہے جس سے کافر نکل جائے گا، کیونکہ مومن نجس نہیں ہوتا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے، یا اس سے مقصود فرشتے ہیں، یا کون مراد ہیں؟ علماء کا اختلاف ہے، لیکن دلیلیں متقارب ہیں۔

ایسی صورت میں ترجیح اسے حاصل ہوگی جس کی بنیاد پر ذمہ سے برأت اور گناہ سے سالم ہو جائے، اور بلا شبہ احوط یہی ہے کہ ایک مسلم قرآن کو باوضو ہو کر ہی چھوئے، اور اس سے بچے مستثنیٰ ہیں، مصحف چھونے کے لئے ان کے وضو کی شرط نہیں ہے، ہاں وضو کے لئے ترغیب دلائیں گے مگر زبردستی نہیں کریں گے، ممکن ہے وضو کرے پھر اس کا وضو ٹوٹ جائے، اسی لئے علماء نے انہیں مستثنیٰ کر دیا ہے، البتہ بڑے لوگوں کے لئے احوط یہی ہے کہ باوضو ہو کر ہی چھوئیں۔

اسی طرح ایک مسئلہ مسجد میں حائضہ کا داخل ہونا، یہ بھی علماء کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے، اور دلیلیں محتمل ہیں، مثلاً

نبی اکرم ﷺ نے جب حائضہ کو عیدگاہ سے دور رہنے کے لئے کہا تو فرمایا: اور حائضہ عورتیں عیدگاہ سے دور رہیں۔

اب یہاں بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے پتہ چلا کہ حائضہ مسجد میں نہیں جا سکتی، کیونکہ جب عیدگاہ میں نہیں جا سکتی تو مسجد میں بدرجہ اولیٰ نہیں جا سکتی۔

جبکہ مخالفین نے کہا کہ یہاں مصلّیٰ یعنی عیدگاہ سے مراد نماز ہے، چنانچہ حائضہ عورت نماز سے دور رہے گی۔

اسی طرح اختلاف ہے اس حدیث کے بارے میں: ''لَا أحِلُّ لِحائِضٍ وَلَا جُنُبْ'' ترجمہ: ''میں مسجد کو کسی حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں کرتا۔'' کہ کیا یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟ اقوال متقارب اور دلیلیں متشابہ ہیں، اس لئے احوط کی بنیاد پر ترجیح دی جائے گی جس طرح امام احمد نے کہا ہے: ''احوط اور سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں۔'' اور بلاشبہ احوط یہی ہے کہ حائضہ مسجد میں ہی نہ جائے۔

ساتھیو! اس لئے آگاہ رہیں، احتیاط یہی ہے کہ دلیل کے ساتھ رہیں، نہ کہ شدت کے ساتھ، دلیل پکڑنے ہی کو احتیاط کہتے ہیں، لیکن اگر دلیلیں مشتبہ اور متقارب ہو جائیں تو ایسی صورت میں احوط کی بنیاد پر ترجیح ہوگی۔

بعض سوالوں کے جواب میں یہ باتیں میں نے اس سے پہلے بتادی ہیں۔

***سوال: اس عبارت کے بارے میں آپ کا کیا موقف ہے: ''ان کا اتفاق حجت قاطعہ اور ان کا اختلاف رحمت واسعہ ہے۔''؟**

جواب: جہاں تک اتفاق اور اجماع کی بات ہے تو بلاشبہ یہ حجت ہے، لیکن اسے حجت قاطعہ کہنا یہ اجماع کے اعتبار سے ہوگا، کیونکہ اجماع:

*کبھی قطعی ہوتا ہے۔

*کبھی ضمنی ہوتا ہے۔

اگر اجماع قطعی ہے تو اسے حجت قاطعہ کہہ سکتے ہیں۔

لیکن اگر اجماع ضمنی ہے اسے صرف حجت کہیں گے حجت قاطعہ نہیں۔

اور جہاں تک اختلاف کی بات ہے تو بلاشبہ کبھی رحمت ہو نہیں سکتا، اس لئے کہ اگر اختلاف رحمت ہوتا تو اتفاق عذاب ہوگا، اور بلاشبہ یہ باطل ہے، بلکہ رحمت اتفاق میں ہے، اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اتفاق کی کوشش کریں، لیکن اگر اختلاف واقع ہو جائے تو ایسی صورت میں دلیل کی طرف رجوع کریں تا کہ اتفاق ہو جائے، لیکن اگر

اختلاف ہونے کی صورت میں فہم مسائل میں دشواری ہوجائے تو دیکھا جائے گا؛ اگر وہ مسئلہ نہ ہی عقیدے کا ہو نہ ہی اصول منہج کا، بلکہ فقہی ہو تو ایسی صورت میں اس اختلاف کو مہذب بنائیں گے دو وجہ سے:

پہلی وجہ: اختلاف کی وجہ سے دلیل نہ چھوڑیں گے، اور نہ ہی اختلاف کو حجت بنائیں گے، بعض لوگ کہتے ہیں: علماء کا دو قول ہے، میں کسی ایک پر عمل کرلوں گا، جبکہ ایسا درست نہیں، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ دلیل کی بنیاد پر عمل کیا جائے۔

دوسری وجہ: اس اختلاف کی وجہ سے دلوں کے اندر اختلاف نہ ہو، چنانچہ اختلافی مسائل کی وجہ سے آپسی اختلاف اور دوری نہیں ہونی چاہئے، بلکہ مسائل میں اختلاف کرکے بھی آپس میں بھائی چارہ کے ساتھ رہیں گے، ہم میں سے ایک رکوع کے بعد نیت باندھ لیتا ہے اور ایک ہاتھ کو گرا دیتا ہے، کیونکہ وہ اسی کو سنت سمجھتا ہے، اب اس کی وجہ سے ہمارے دلوں میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے، اختلاف بھی ہو تو ادب کے ساتھ اور دل صاف رہے۔

ابو بکر صدفی کہتے ہیں: ”میں امام شافعی سے زیادہ عقلمند کسی کو نہیں دیکھا، میں نے ایک بار ان سے مناظرہ کیا یعنی اختلاف کیا، وہ مجھ سے دوسرے دن ملے اور میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: ابو عبداللہ! کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم نے گرچہ اختلاف کیا آپس میں بھائی بن کر رہیں؟“

امام احمد اور ایک عالم کے درمیان اختلاف ہوگیا، یہاں تک کہ دونوں کی آواز بلند ہوگئی، کہتے ہیں کہ جب وہ عالم اٹھ کر جانے لگے تو امام احمد نے کھڑے ہوکر ان کی سواری پکڑ لی تاکہ آرام سے وہ بیٹھ جائیں۔

اور امام شافعی نے خود امام احمد سے کئی مسائل میں اختلاف کیا ہے اور دونوں نے مناظرہ کیا ہے، اس کے باوجود امام احمد لوگوں کو ابھارتے تھے کہ امام شافعی سے مسائل سیکھیں، اور جب امام احمد مکہ جاتے اور وہاں امام شافعی ہوتے تو آپ کہتے: ”اس قریشی نوجوان کے فقہ کو لازم پکڑو، کیونکہ حدیث تو ہر جگہ مل جائے گی، لیکن اس نوجوان کی عقل کو اگر تم نے کھو دیا تو اسے کہیں نہیں پاسکتے۔“

آپ اپنے شاگردوں سے کہتے: ”اگر علم چاہتے تو اسے لازم پکڑو۔“

اور آپ کہتے تھے: ”میں سجدے میں امام شافعی کے لئے دعا کرتا ہوں۔“

جبکہ دونوں کے درمیان بہت سارے مسائل میں اختلاف تھے۔

کچھ اشعار امام شافعی کی طرف منسوب کئے گئے ہیں:

قالوا: يزورك أحمد وتزوره

قلت: الفضائل لاتفارق منزله

إن زارني فبفضله أو زرته

فلفضله والفضل في الحالين له

”لوگوں نے کہا: احمد آپ کی زیارت کرتے ہیں اور آپ ان کی زیارت کرتے ہیں، میں نے کہا: فضائل ان کے گھر کو نہیں چھوڑ سکتے۔

اگر وہ میری زیارت کرتے ہیں تو یہ ان کا فضل ہے، اور اگر میں ان کی زیارت کرتا ہوں تو ان کے فضل کی وجہ سے، اور دونوں حال میں فضل انہیں کا ہے۔“

بلکہ ہمارے زمانے میں امام ابن باز اور امام البانی نے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا، انہیں میں سے رکوع کے بعد نیت کا باندھنا ہے۔

* شیخ ابن باز اسے سنت مانتے ہیں۔

* جبکہ شیخ البانی اسے بدعت حجازیہ کہتے ہیں۔

اس کے باوجود شیخ ابن باز البانی کی تعریف کرتے اور شیخ البانی شیخ ابن باز کی تعریف کرتے۔

چنانچہ ہم اختلاف کو کبھی بھی شر وفتنہ کا سبب نہ بنائیں، بلکہ اسے ختم کرکے اتفاق کی طرف آنے کی کوشش کریں، یا تو دلیلوں کی روشنی میں رد کرکے، اور اگر اس کا امکان نہ ہو تو دو طریقے سے مہذب اختلاف کریں:

* اس کی بنیاد پر ترک دلیل اور اختلاف کو حجت بنانا لازم نہ آئے۔

* اس سے دلوں کی دوری اور بغض و دشمنی لازم نہ آئے۔

سوال: ایک شخص امامت کر رہا ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ بسم اللہ نماز میں باآواز بلند نہیں پڑھا جاتا، لیکن وہ لوگوں کا خیال کرکے بلند آواز سے پڑھتا ہے، تو کیا وہ گنہگار ہوگا اپنے عقیدے کی وجہ سے؟

جواب: اگر اس کا اعتقاد ہے کہ افضل اور سنت الگ چیز ہے، اور اس کے چھوڑ دینے میں تالیف قلب ہے تو ایسی صورت میں اس کے لئے یہی درست ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں: ”جو یہ سمجھے کہ فصل وتر افضل ہے یعنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے، پھر ایک رکعت پڑھے، وہ امامت کرائے ایسے لوگوں کی جو وصل وتر کو افضل سمجھتے ہیں

یعنی تین رکعات کو ایک ہی سلام کے ساتھ، تو افضل یہی ہے کہ وہ وصل وتر کے ساتھ پڑھے تالیف قلب کی خاطر، کیونکہ لوگوں کا دل جوڑنا بہت بڑی مصلحت ہے۔"

چنانچہ اگر آدمی سمجھتا ہے کہ دل میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے لیکن وہ ایسے لوگوں کی امامت کرا رہا ہو جو با آواز بلند پڑھنے کو سنت سمجھ رہے ہوں، تو ایسی صورت میں بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے لوگوں کے لئے تالیف قلب ہو رہا ہے۔

سوال: کیا میلاد کا مسئلہ علماء کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے؟

جواب: اس طرح کہنے کو تو قرآن اللہ کا کلام ہے، لیکن یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے۔

اگر کسی مسئلہ میں اجماع ہو، تو اس میں اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، جس طرح قرآن مخلوق ہے اس مسئلے میں سلف کا اجماع ہے کہ کلام اللہ مخلوق نہیں ہے، اس لئے اس میں کوئی اختلاف قابل اعتبار نہیں ہوگا۔

اسی طرح میلاد کا مسئلہ ہے، اس میں بھی اجماع ہے، کیونکہ صحابہ نے کبھی بھی میلاد نہیں منایا، نہ ہی نبی ﷺ کی زندگی میں اور نہ ہی بعد میں، اسی طرح تابعین اور تبع تابعین نے، اسی طرح ائمہ اربعہ نے، یہ میلاد شروع ہوا ہے فاطمیوں کے دور میں چوتھی یا پانچویں دور میں، اس سے پہلے اس کے چھوڑنے پر اجماع تھا، اور یہ اختلاف متاخرین میں پایا جاتا ہے اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اسی طرح اس اختلاف کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو دلیل اور شرعی اصولوں کے مخالف ہو، چنانچہ اختلاف نہ تو حجت ہے اور نہ ہی اس کا کوئی اعتبار ہے، اعتبار دلیل کا ہے۔

ہمارے پاس اس سلسلے میں شرعی دلیل ہے، ارشاد باری نبوی ہے: "**كل محدثة بدعة ، وكل بدعة ضلالة**" ترجمہ: "ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" "**من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد**" ترجمہ: "جو ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کرے جو اس کا حصہ نہ ہو وہ مردود ہے۔"

اب ایسی صورت میں جو آکر کہے: ہم میلاد منائیں گے، تو ہم اس سے کہیں گے: اس کی کیا دلیل ہے؟ اب اگر وہ دلیل لاتا ہے، تو ٹھیک، اور وہ دلیل کبھی نہیں لاسکتا، تو بصورت دیگر ہم اس کے اختلاف کو رد کریں گے شرعی دلیل سے، کیونکہ یہ شرعی دلیل کے خلاف ہے۔

سوال: اگر کوئی عورت کسی بستی، علاقہ یا اس سے بڑی جگہ کی صدر بن جاتی ہے تو اس میں صحیح موقف کیا ہے؟

جواب: میں عورت کی حکمرانی پر بات نہیں کر رہا، میں شرعی دلیل کی بات کر رہا ہوں: اگر کوئی حاکم بن جائے اور حکومت اس کے لئے مستقر ہو جائے، تو ایسی صورت میں شرعی احکام اس کے لئے ثابت ہوں گے، گرچہ وہاں تک غیر شرعی طریقے ہی سے پہنچا ہو، سلف کے یہاں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک حاکم کے خلاف خروج حرام ہے، لیکن اگر کوئی تلوار کی زور پر حاکم بن جائے اور حالات اس کے حق میں ہو جائیں اور بیعت اسے حاصل ہو جائے، تو اس کے لئے شرعی احکام ثابت ہوں گے، تا کہ لوگوں کی مصلحتیں پوری ہوں، ان کے حالات نہ بگڑیں۔

سوال: کیا حاکم کو نصیحت کرنے اور حاکم کی طرف سے منکر پر نکیر کرنے میں فرق ہے؟

جواب: جو علماء نصیحت کرنے پر قادر ہوں ان پر نصیحت کرنا واجب ہے، مگر اسی طریقے سے جو اس حاکم کے لائق اور مناسب ہو اور ہر انسان اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے نصیحت کرے گا، جس طرح کہ آپ جب اپنے بچے کو نصیحت کرتے ہیں تو اسی طرح عام لوگوں کو نصیحت نہیں کرتے، ایسی صورت میں بہت ہی مناسب طریقے کا استعمال کرتے ہیں۔

اسی طرح جب آپ ایک حاکم کو نصیحت کریں گے تو اسی اسلوب میں کریں گے جو اس کے مناسب ہو، ساتھ ہی یہ نصیحت راز داری میں ہوگی، اگر وہ قبول کرلے تو الحمدللہ، اور اگر قبول نہ کرے، تو آپ نے اپنا واجب پورا کردیا، سوائے ایک حالت میں کہ اس وقت راز داری شرط نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ: وہ معاملہ حاکم کے سامنے ہو، اور اس پر نکیر کسی بڑے عالم کی طرف سے اسی وقت ہو بشرطیکہ فتنے کا امکان نہ ہو۔

*منکر حاکم کے سامنے ہو۔

*نکیر کرنے والا بارعب ہو اور فتنے کا امکان نہ ہو۔

*عوام فتنے سے محفوظ ہوں۔

ایسی صورت میں علانیہ نکیر جائز ہوگی، اور بعض صحابہ کی طرف سے اسی قسم کی نکیر واقع ہوئی ہے۔

ہمارے اس قید کہ (حاکم کے سامنے ہو) سے وہ سارے منکرات نکل جائیں گے جو حاکم کی غیر موجودگی میں انجام دئے جاتے ہیں۔

اور (نکیر کرنے والا بارعب عالم ہو) اس قید سے ہر وہ شخص نکل جائے گا جو اس مقام کا نہ ہو، کیونکہ اگر اس مقام کا نہیں ہوگا اور علانیہ نکیر کرے گا تو ایسی صورت میں ممکن ہے حاکم کے ظلم کا شکار ہو جائے اور معاملہ مزید بگڑ جائے۔

اور (عوام فتنے سے محفوظ ہوں) اس قید سے وہ صورت خارج ہو جائے گی کہ جس علانیہ انکار کرنے کی وجہ سے رعایا حاکم کے خلاف ہو جائیں اور فتنے پیدا ہو جائیں۔ اس لئے ایسی صورت میں علانیہ نکیر نہیں کی جائے گی۔

منکر پر نکیر کرنے کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت: نکیر ڈائریکٹ حاکم پر ہو، اس میں اصل یہ ہے کہ یہ نصیحت اور نکیر راز داری میں ہو، اس سے صرف ایک ہی حالت مستثنیٰ ہے۔

دوسری حالت: نکیر منکر پر ہو نہ کہ حاکم پر، اس میں اس منکر پر نکیر کی جائے گی اور حاکم کا نام نہیں لیا جائے گا۔

مثلاً: سود اور سودی بینکوں کا مسئلہ، اس پر نکیر کرنے کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت: نکیر حاکم پر ہو، اور اسے سودی کاز کے ترک کرنے کی نصیحت کی جائے گی، یہ بھی راز داری میں ہو گی نہ کہ خطبوں اور تقریروں میں بیان کیا جائے گا اور نہ ہی مظاہرے کئے جائیں گے۔

دوسری حالت: نکیر بینکوں کے ساتھ تعامل کرنے پر ہو، ایسی صورت میں عالم پر واجب ہے کہ وہ عوام کے سامنے یہ واضح کریں کہ سودی بینکوں کے ساتھ تعامل کرنا جائز نہیں، اور سودی معاملہ کرنا حرام اور منکر عظیم ہے، یہی علماء کا منہج ہے۔

اس طرح دونوں نکیر میں فرق ہے، حاکم اور منکر پر نکیر جو حکومت کی طرف سے ہو، چنانچہ عوام کے سامنے اس منکر پر نکیر کی جائے گی اور اس کے خلاف دلیل بھی قائم کی جائے گی۔ البتہ حاکم پر نکیر کرنے میں دونوں اصول کا خیال کیا جائے گا۔

سوال: **داغ لگوانے کا کمالِ توحید سے کیا تعلق ہے؟**

جواب: کمال مرتبہ یہی ہے کہ داغ نہ لگوائے اور اسی کو کمال توحید کہتے ہیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ستّر ہزار لوگ جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل ہوں گے، انہیں میں ان لوگوں کا بھی تذکرہ کیا جو داغ نہیں لگواتے، اور یہ اللہ کے ساتھ ان کے شدید تعلق کو ظاہر کرتا ہے، کہ انہوں نے اس تعلق کی خاطر بعض ان نفع بخش امور کو بھی چھوڑ دیا جو ان کے لئے جائز تھا، جیسے داغ لگوانا، اور بعض اہل علم نے اسے مکروہ کہا ہے، اسی لئے یہ کمال توحید ہے اور ان ستّر ہزار لوگوں کی یہ ایک صفت بھی ہے جو بلا حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔

سوال: **کیا اگر کوئی حکومت کے خلاف مظاہروں میں شامل ہوتا ہے تو اسے ہم مطلق طور پر خوارج کہیں گے؟**

جواب: جی، مظاہرات بھی خوارج کے خروج کی ایک قسم ہے، خروج صرف اسلحہ اور تکفیر ہی سے نہیں ہوتا، ان مظاہروں سے بھی ہوتا ہے جنہیں لے کر خوارج حکمرانوں کے خلاف نکلتے ہیں اور ان کے اندر مسلح خروج کو مزین بناتے ہیں، چنانچہ اکثر یہی مظاہرات مسلح خروج کا سبب ہوتے ہیں، پھر ملک تباہی کے دہانے پر جاتا ہے، مظاہروں کے تعلق سے یہ میری اپنی رائے ہے۔

سوال: **بعض ان صحابہ کے عمل کو کیا کہیں گے جنہوں نے لوگوں کے سامنے حاکم پر نکیر کی؟**

جواب: اس کا جواب پہلے آچکا ہے، چنانچہ حاکم کو نصیحت کرنے اور اس کے منکر عمل پر نکیر کرنے میں اصل یہی ہے کہ اسے راز داری کے ساتھ نصیحت کی جائے اور ایسے اسلوب میں جس کا وہ حاکم مستحق ہے اور جو اس کے مقام و مرتبہ کے لائق اور مناسب ہو، اور اس کا اظہار نہ کیا جائے اور یہی سنت سے ثابت ہے، اور حکمرانوں کو نصیحت کرنے میں صحابہ نے اسی پر عمل کیا، ہاں اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ بھی تین شرائط کے ساتھ:

پہلی شرط: یہ کہ حاکم کے سامنے ہو۔

دوسری شرط: نکیر کرنے والا بارعب عالم ہو اور فتنے کا امکان نہ ہو۔

تیسری شرط: عوام فتنے سے محفوظ ہوں۔ لیکن اگر عالم کو معلوم ہو کہ عوام کے سامنے نکیر کرے گا تو عوام کو حاکم کے خلاف بھڑک جائیں گے اور فتنہ ہوگا، تو ایسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

اور بعض صحابہ سے انہیں شرائط کی روشنی میں حاکم کے سامنے نکیر والا معاملہ پیش آیا ہے۔

سوال: **اس شخص کو آپ کیا رہنمائی کریں گے جو کہتا ہے کہ اخوان المسلمین مجرد ایک سیاسی پارٹی ہے یہ دوسرے فرقوں کی طرح کوئی عقدی فرقہ نہیں ہے؟**

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ اخوان المسلمین کے بارے میں جو کچھ بیان کر دیا گیا اب کچھ باقی نہیں رہ جاتا اسے سمجھنے کے لئے، مزید سوال کرنا ایک ناسمجھی اور ہٹ دھرمی ہے۔

سوال: **بعض لوگ کہتے ہیں کہ اخوان المسلمین اہل سنت والجماعت میں سے ہیں؟**

جواب: یہ القاب ان جیسی جماعتوں کے لئے کبھی سودمند نہیں ہوں گے، انہیں اہل سنت والجماعت کبھی نہیں کہہ سکتے، بلکہ جو ایسے عقائد رکھیں جن کی تفصیل گزر چکی ہے انہیں اہل سنت والجماعت کے قریب کیسے کہہ سکتے ہیں؟

سوال: **اخوان المسلمین کے موضوع پر آپ نے کون سی کتاب پڑھی ہے؟**

جواب: یہ ساری باتیں میں نے مختلف جگہوں سے جمع کی ہیں، ان شاء اللہ دورے کے آخر میں بتاؤں گا کہ میں نے کن کتابوں پر بھروسہ کیا اور پڑھا ہے، پوری تفصیل سے بتاؤں گا۔اسی سے متعلق یہ میری تحریر بھی ہے جسے میں جمع کیا ہوں۔

سوال: **اگر اسے کتاب کی شکل میں پی ڈی ایف بنا کر تقسیم کر دیا جائے تو بہتر ہوگا؟**

جواب: یہ ضرور ہوسکتا ہے، مگر میں نے ساتھیوں کو مشورہ دیا ہے کہ میرے لیکچرز کو اگر تحریری شکل دی جائے تو پھر میں اس کا مراجعہ کر کے اس میں حذف و اضافہ کر دوں پھر اسے کتاب کی شکل میں چھاپ دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ان شاء اللہ

سوال: **اخوانی جماعت کا عوام پر بالخصوص دُعاۃ پر اثر ہے، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سے دُعاۃ ہیں جو اس جماعت سے متاثر ہیں؟**

جواب: بہت سے ایسے دعاۃ ہیں جو اخوان المسلمون کے افکار سے متاثر ہیں، بلکہ اس کی طرف دعوت بھی دیتے ہیں، مثلاً: سلمان عودہ، سفر حوالی، محمد عریفی، یہ لوگ اخوان المسلمون کی فکر پر ہیں، اسی لئے جب مصر کے اندر اخوانیوں کی حکومت قائم ہوئی تو محمد عریفی کو اس حکومت نے بطور مہمان بلایا، اور وہاں عریفی نے خطبہ بھی دیا، اللہ ہمیں ہدایت دے، یہی صورت حال ہے۔

سوال: **کہتے ہیں کہ اہل سنت دو قسموں میں بٹ گئے ہیں: انہیں میں سے ایک اہل سنت عام معنیٰ میں ہیں؟**

جواب: میں نے اسے جان بوجھ کر چھوڑ دیا تھا، دراصل اہل سنت والجماعت جب بولا جاتا ہے اس سے دو مفہوم ہوسکتا ہے:

پہلا مفہوم عام: اس کا اطلاق جب روافض کے مقابلے میں ہوگا' تو ایسی صورت میں روافض کے مقابلے جتنے بھی فرقے ہیں سب اہل سنت میں داخل ہوں گے، یہ اس کا عام معنیٰ ومفہوم ہے، لیکن یہ امتیازی لقب ہے نہ کہ تشریفی اور فضیلت والا یعنی فقط روافض سے ممتاز ہونے کے لئے یہ لقب ہے۔

دوسرا خاص معنیٰ: اور یہ تشریفی لقب ہے، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو سلف صالحین کے منہج پر قائم ہیں۔

سوال: **کہتے ہیں کہ امام شافعی نے کہا ہے کہ جماعت کی دو قسمیں ہیں: ایک بدنی جماعت، اور ایک شرعی جماعت، چنانچہ مسلمانوں کی جماعت شرعی جماعت ہے نہ کہ بدنی، اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرماتے ہیں؟**

جواب: جی، کلام کو سیاق وسباق سے جانا جائے گا، چنانچہ وہ جماعت جس کا لازم پکڑنا مسلمانوں پر واجب ہے وہ دینی اور شرعی جماعت ہے، اور یہ ایک ہی ہے، اس کی کوئی حد نہیں، اس لئے کوئی انڈونیشیا سے آکر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا اپنا سلطان ہے میں اس جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا، ہماری اپنی الگ خصوصیات ہیں اور ہمارا اپنا انڈونیشی اسلام ہے، یہ تفریق حرام ہے۔

سوال: کیا بدنی جماعت شرعی جماعت نہیں ہے؟

جواب: بلاشبہ وہ بدنی جماعت جو ایمان پر قائم ہے وہ شرعی جماعت ہے، اور بلاشبہ امام شافعی نے اسی کو ثابت کیا ہے، خواہ کوئی تلوار کے ذریعے غالب آجائے تو اس کی حکمرانی کو ثابت مانا جائے گا، اور اسی کو پکڑنا لازم ہوگا۔

سوال: اس عبارت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے: ''بدنی جماعت کا امام ملک کا صدر ہوگا، اور دینی شرعی جماعت کا امام رسول اللہ ﷺ ہوں گے''؟

جواب: رسول اللہ ﷺ سب کے امام ہیں، یہاں تک کہ صدر مملکت کے بھی امام ہیں، اسے بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، چنانچہ وہ بھی کوئی فیصلہ اس شریعت کے بغیر نہیں کرسکتا جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں، اسی لئے تمام مسلم حکمرانوں کو جس بھی ملک کے ہوں، انہیں اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں، اور اس تعلق سے اپنی پوری کوشش صرف کریں، ساتھ ہی ہم مسلم حکمرانوں کی تکفیر بھی نہیں کرتے، مزعوم توحید حاکمیت کی روشنی میں، جیسا کہ اخوان المسلمون کی جماعت توحید کی تفسیر توحید حاکمیت سے کرتی ہے اپنے کچھ سیاسی اہداف کو پورا کرنے کے لئے، یعنی ان کے نزدیک نہ تو توحید اُلوہیت ہے اور نہ ہی توحید اسماء وصفات۔

انہوں نے توحید حاکمیت کے معنیٰ میں تحریف کی ہے، جبکہ اہل سنت والجماعت حکمرانوں کو نفاذ شریعت کی دعوت دیتے ہیں، اسی طرح جس طرح سنت میں رہنمائی آئی ہے، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ ان کے فیصلے میں امام ہیں، ساتھ ہی ان کے حکمرانوں کی تکفیر بھی نہیں کرتے جو شریعت کا نفاذ نہیں کرتے۔

سوال: محققین اہل علم سے کیا مقصود ہے؟ کیا صرف اہل علم کہنا کافی نہیں ہے؟

جواب: محققین کی صفت اہل علم کے لئے ایک زائد صفت کے طور پر ہے، اس کا ذکر خود قرآن پاک میں آیا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ ٱلْأَمْنِ أَوِ ٱلْخَوْفِ أَذَاعُوا۟ بِهِۦ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُو۟لِى ٱلْأَمْرِ

مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسۡتَنۢبِطُونَهُۥ مِنۡهُمۡۗ ﴾ [نساء: ۸۳] ترجمہ: ''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے اسے مشہور کردیتے ہیں اور اگر اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹا دیتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں۔''

یہ منافقین کی حالت تھی کہ جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے تو وہ اسے مشہور کردیتے تھے اور مومنین کی حالت یہ تھی کہ وہ اسے رسول کی طرف لوٹاتے تھے' آپ کی زندگی میں، اور آپ کی وفات کے بعد' آپ کی سنت کی طرف اور اپنے حکام کی طرف لوٹاتے ہیں، اور ''اُولو الأمر'' سے مراد یہاں علماء ہیں، جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد علماء اور حکمران دونوں ہیں، جبکہ راجح یہی ہے کہ صرف علماء مراد ہیں۔

﴿وَإِلَىٰٓ أُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنۡهُمۡ﴾ یعنی الو الامر سے مراد اولو العلم ہیں، اور آگے اللہ نے فرمایا: ﴿لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسۡتَنۢبِطُونَهُۥ مِنۡهُمۡ﴾ وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں۔ اس سے مراد محققین اہل علم ہیں، جو مسائل کا استنباط کرتے ہیں، جن کا مقام و مرتبہ دیگر اہل علم سے بڑا ہوتا ہے، جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ علم کے مراتب ہیں، لیکن یہ مراتب تفاضل کے ہیں، اس سے دوسرے کے اندر کوئی نقص لازم نہیں آتا، چنانچہ اگر میں کہوں کہ فلاں فلاں سے زیادہ علم والا ہے' تو میں نے گویا زیادہ علم والے کی تعریف کی مگر کم علم والے کی مذمت نہیں کی ہے، اسی کو تفاضل کا قاعدہ کہتے ہیں جس سے نقص لازم نہیں آتا۔

اسی لئے اہل سنت والجماعت کہتے ہیں: اللہ کا کلام اللہ کی صفات میں سے ہے، جس کے اندر تفاضل پایا جاتا ہے، چنانچہ قرآن کے اندر سب سے عظیم آیت آیۃ الکرسی کو کہا گیا ہے، تو کیا اس سے دوسری آیتوں میں نقص لازم آئے گا؟ نہیں، یہ تفاضل فی الکمال کے باب سے ہے۔

اسی طرح اہل جنت کے اندر تفاضل ہوگا، تو کیا اس سے دوسرے جنتی کے اندر نقص لازم آتا ہے؟ نہیں، اسے تفاضل فی الکلام کہتے ہیں، ہر کوئی نعمت میں ہوگا لیکن کوئی بڑی نعمت میں ہوگا کوئی تھوڑی نعمت میں، تو کیا جو تھوڑی نعمت میں ہوگا اس کے اندر نقص لازم آتا ہے؟ نہیں، یہ تفاضل کے باب سے ہے۔

سوال: انبیاء کے درمیان تفاضل کب جائز ہے اور کب نہیں؟

جواب: انبیاء کے درمیان تفاضل جائز ہے' جب یہ تفاضل فی الکمال کے باب سے ہو، چنانچہ ہم کہیں گے: محمد ﷺ سید الانبیاء، افضل الانبیاء ہیں، اور بلاشبہ آپ ایسے ہیں، مگر اس سے دوسرے کے اندر نقص لازم نہیں آتا، کیونکہ

ایسا کہنے والا دوسرے کے اندر کسی عیب اور نقص کو مراد نہیں لیتا، اگر ایسا مراد لیتا ہے تو حرام ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی صورت میں فرمایا ہے: ترجمہ: ''مجھے تم لوگ یونس بن متیؑ پر فضیلت مت دو۔'' کیونکہ یہ نقص کے باب سے ہے۔

البتہ تفاضل فی الکمال انبیاء کے اندر جائز ہے، انبیاء میں سے بعض بعض سے افضل ہیں، اور ان میں سب سے زیادہ افضل پانچ اولوالعزم رسول ہیں: ان پانچ میں دو سب سے افضل ہیں اور وہ ابراہیم، محمد ﷺ ہیں، ان دونوں محمد ﷺ افضل ہیں، کیا اس سے نقص لازم آتا ہے؟ نہیں، یہ تفاضل فی الکمال کے باب سے ہے۔

سوال: چاروں مذاہب کے بارے میں آپ کی کیا رہنمائی ہے؟ کیا ہمیں ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا چاہئے؟

جواب: مذاہب اربعہ چار ائمہ کی طرف منسوب ہیں: ابوحنیفہ النعمان، مالک بن انس، محمد بن ادریس الشافعی اور احمد بن حنبل، ان مذاہب کے ائمہ علماء ہیں ان کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے۔

امارات میں میرا ایک دورہ ہوا تھا، جو کہ کتاب کی شکل میں چھپ چکا ہے، اس میں ائمہ اربعہ کے بارے میں گفتگو کی تھی، اور بعض سے متعلق کچھ شبہات پر رد کیا تھا، چنانچہ جیسا کہ کہا یہ چاروں ائمہ علماء اور ائمہ دین ہیں، امت کا اجماع ہے کہ یہ چاروں فقہ میں امام ہیں، اور انہی مذاہب کے اندر حق منحصر نہیں ہے، کیونکہ حق ان سے پہلے بھی موجود تھا، اور ان سے پہلے بھی مسلمانوں کے ائمہ تھے۔

اس مسئلے میں معاملہ اعتدال اور میانہ روی کا یہ ہے کہ کسی مذہب کی طرف نسبت کرنا کوئی ایسی بدعت نہیں جو قابل مذمت ہو، بلکہ مذہب اختیار کرنا علماء کا اجماعی مسئلہ ہے، لیکن یہ کوئی فرض اور ضروری نہیں ہے، بس جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس کی وجہ سے حق کو رد نہ کرے۔

- چنانچہ یہ جائز ہے کہ کوئی اگر چاہے تو شافعی کہلائے یا مالکی، حنفی اور حنبلی کہلائے، یا اس کے علاوہ کوئی مذہب اختیار کرلے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کی وجہ سے حق کو رد نہ کرے۔

- اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ ان میں سے کسی بھی مذہب کو اختیار نہ کرے، اس طرح دونوں صورت جائز ہے۔ بس حق کو رد نہ کرے کسی بھی شکل میں۔

سوال: فقہ اور عمل کے اعتبار سے ہم پر کیا واجب ہے؟

جواب: ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ دلیل کی روشنی میں بات لے، چنانچہ جب کسی چیز پر دلیل مل جائے تو اسی کو پکڑ لے، گرچہ وہ اس کے مذہب کے مطابق نہ وہ، اور لوگ اس تعلق سے تین قسم کے ہیں:

پہلی قسم: مجتہد کی ہے، اس سے وہ شخص مراد ہے جس کے اندر اجتہاد کے شرائط موجود ہوں، چنانچہ یہ کتاب وسنت سے ہر مسئلہ اخذ کرے گا، وہ کسی مذہب کی تقلید نہیں کرے گا، اور نہ ہی اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کی تقلید کرے، اسی طرح ہر کوئی یہ بھی نہیں کہے گا کہ میں کسی امام کی بات نہیں مانوں گا، میں خود قرآن اور حدیث پڑھ کر مسئلہ اخذ کروں گا، یہ صحیح نہیں ہے۔

اس طرح کی تربیت فاسد ہے، بلکہ نوجوانوں کو اس طرح کی تربیت کرنا انہیں جری بناتا ہے اور یہ منحرف تربیت ہے، یہ علماء ربانیین کا طریقہ نہیں ہے، کتاب وسنت سے ڈائریکٹ وہی مسئلہ اخذ کرسکتا ہے جو مجتہد عالم ہو، اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان اقوال کی مخالفت نہ کرے جو اس کے پہلے گزر چکے ہیں، چنانچہ وہ کوئی نیا قول ایجاد نہ کرے، بلکہ ضروری ہے کہ سابقہ اقوال میں وہ کسی امام کے قول پر ہو، ہاں پیش آمدہ مسائل میں جدید قول اختیار کرسکتا ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، لیکن کسی ایسے مسئلے میں اجتہاد نہیں کرسکتا جس میں متقدمین علماء اجتہاد کر چکے ہوں، اور کوئی نیا قول اس مسئلہ میں نہیں لاسکتا۔

اس سے ہم لوگ مراد نہیں ہیں، ہم مجتہد نہیں ہیں، بلکہ ہم مجتہد علماء کی طرف دیکھتے ہیں، جس طرح ایک انسان زمین سے سورج کی طرف دیکھتا ہے، مجتہدین ہمیشہ کم رہے ہیں، اور اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں رہا ہے، اور نہ قیامت تک بند ہوگا، لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ ہر وہ شخص جو ایک دو کتاب پڑھ لے مجتہد ہوگیا، بلکہ اجتہاد کے شروط ہیں، حتی کہ جو مجتہد ہوتے ہیں وہ خود کہتے ہیں کہ میں مجتہد نہیں ہوں، ایسا وہ تواضع اور خاکساری کے ضمن میں کہتے ہیں۔

دوسری قسم: جو فقہ کے اصول اور دلیلوں کو جانتا ہو، کیونکہ ہر قول کے لئے ضروری ہے کہ اس کی کوئی دلیل ہو، اور اس کی وجہ استدلال ہو، اور یہ کہ وہ کسی معارضے سے محفوظ ہو یا کم از کم اس کے مقابلے قوی ہو، مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آپ نے ایک حدیث یاد کرلی اور کہہ دیا کہ یہ دلیل ہے، بلکہ اس کے لئے تین امور ضروری ہیں:

* اس کے لئے دلیل ثابت ہو، اور فقہ کے اندر ہر دلیل جس کے بارے میں دعویٰ ہے کوئی ضروری نہیں کہ وہ ثابت بھی ہو۔

* اس کے لئے وجہ استدلال بھی ضروری ہے، جسے علماء اس دلیل کی کیفیت دلالت کہتے ہیں۔

* اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دلیل اپنے جیسے کسی دوسری معارض دلیل سے محفوظ ہو یا اس سے قوی تر ہو۔

چنانچہ جو اس کا جانکار ہو گا وہ دلیلوں کی تمییز کر لے گا، اصول فقہ سے واقف ہو گا، حکم پر دلیل کی کیفیت سے آگاہ ہو گا، اسی طرح تعارض اور ترجیح کی صورتوں کو جانتا ہو گا، تو اس پر واجب ہے کہ وہ ائمہ کے اقوال کے درمیان ترجیح کرے، اور کسی کی تقلید نہ کرے، بلکہ اقوال علماء میں ترجیحی دلیلوں کی روشنی میں راجح کو اختیار کر لے، محققین علماء کے نزدیک یہ اتباع کے درجے میں ہے اسے اجتہاد اور تقلید نہیں کہیں گے۔

تیسری قسم: جو دلیلوں کے اندر تمییز نہ کر سکے، نہ دلیلوں کی کیفیت سمجھ سکے، اور نہ ہی تعارض اور ترجیح نیز دلیلوں کے درمیان تطبیق کو بھی نہ پہچان سکے، ایسے شخص پر تقلید ضروری ہے، اب وہ یا تو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرے، یا علم وفقہ میں معروف اپنے معاصر علماء میں سے کسی کی تقلید کرے، البانی کی تقلید کرے، یا ابن باز کی، یا مالک، شافعی، احمد، ابو حنیفہ جیسے ائمہؒ اسلام میں سے کسی کی تقلید کرے۔

اور طالب علموں کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ کسی مسئلے میں اہل اتباع کے درجے میں ہوں گے، چنانچہ اقوال علماء میں سے کسی راجح قول کو لیں گے، اور کسی مسئلے میں اہل تقلید کے درجے میں ہوں گے، اور کسی مشہور فقیہ عالم کی تقلید کریں گے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کے اس قول کا کیا معنیٰ ہے: ''مَن تَرَكَ صَلاةَ العَصرِ مُتعمِّداً فَقَد حَبِطَ عَمَلُه''، یعنی جس نے عصر کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیا اس کا عمل ضائع ہو گیا؟

جواب: بعض اہل علم حدیث کو اس کے ظاہری معنیٰ پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں: جو کسی ایک بھی نماز کو جان بوجھ کر اس طرح چھوڑ دے کہ اس کی قضاء کا ارادہ بھی نہ ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں نماز عصر کی کوئی خصوصیت نہیں، اس کا ذکر ہوا ہے کیونکہ اکثر اسی کے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔

اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اس سے وعید مراد ہے کفر نہیں۔ اور حبوط عمل سے مراد مغالبہ ہے ختم ہونا نہیں۔

*** اس کلام کا کیا مطلب ہے؟**

قاعدہ ہے کہ برائی نیکی کو ختم نہیں کرتی جبکہ برائی کو نیکی ختم کر دیتی ہے، لیکن جس کے پاس بہت سی نیکیاں ہوں

اور ایک برائی کر لے، تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہی برائی بہت بڑی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی نیکیوں پر غالب آجاتی ہے، پھر ایسا لگتا ہے کہ اس غلبہ کی وجہ سے اس کے پاس نیکیاں ہی نہیں ہیں، حالانکہ ہیں، اس طرح علماء نے اس حدیث پر اجتہاد کیا ہے۔

سوال: اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو کسی ایسے عہدے کے لئے خود کو پیش کرتا ہے جس کے لئے وہ اپنے سوا کسی کو اہل نہیں سمجھتا؟

جواب: پہلے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس عہدے کی ذمہ داری لینا کیا مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں، یعنی مسئلے میں پہلی شق یہی ہے کہ اس عہدے کا کیا حکم ہے؟ اس کی ذمہ داری لینا شرعی دلیلوں کی روشنی میں حلال ہے یا حرام؟

* اگر یہ واضح ہو جائے کہ اس عہدے کی ذمہ داری لینا حرام ہے تو ایسی صورت میں کسی کے لئے بھی مطلق طور پر اس کی ذمہ داری لینا جائز نہیں ہوگا۔

*لیکن اگر اس عہدے کی ذمہ داری لینا حلال ہو، تو اب ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ وہ شخص اس عہدے کے لئے اہل ہے یا نہیں؟

* اگر وہ اس منصب اور عہدے کے لئے اہلیت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں خود کو پیش کرنا جائز ہے جس طرح کہ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کے سامنے وزارت خزانہ کی ذمہ داری کے لئے پیش کیا تھا۔

* اور اگر اس عہدے کے لئے بہت سارے لوگ اہلیت رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں اس عہدے کا طلب کرنا منع ہے، جیسا کہ امارت اور ذمہ داری طلب کرنے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''نِعمَتِ المُرضِعَةُ ، وَبِئسَتِ الفَاطِمَةُ'' ترجمہ: ''کیا ہی بہتر ہے دودھ پلانے والی اور کیا ہی بری ہے دودھ چھڑانے والی۔'' یعنی حکومت ملتے وقت وہ بھلی لگتی ہے اور جاتے وقت بری لگتی ہے۔

علی الاقل (کم سے کم) اس بارے میں یہی کہا جائے گا کہ ایسے منصب کے لئے ناپسندیدگی کے ساتھ خود کو پیش کرے اور اسے مکروہ سمجھ کر چھوڑ دے۔ کیونکہ ذمہ داریوں میں بہت سے فتنوں اور برائیوں کا سامنا ہوتا جن کا سامنا کرنا ہر ایک کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ یہ تو اس عہدے تک پہنچنے کے لئے حلال طریقے کی صورت میں ہے۔

لیکن اگر اس عہدے تک پہنچنے کے لئے حرام طریقہ اپنانا پڑے جیسے انتخابات وغیرہ، تو ایسی صورت میں مکروہ نہیں بلکہ میرے نزدیک حرام ہے، اس طرح کے طریقوں سے بچنا چاہئے، الا یہ کہ یہ طریقہ ضرورت بن جائے کہ اگر

چھوڑ دے گا تو مسلمانوں کے لئے فتنہ ہوگا، تو ایسی صورت میں فتنہ وفساد کو روکنے اور ختم کرنے کی غرض سے اس کے مقابلے میں چھوٹے فتنے کو قبول کرے گا اور اس طریقے کے ذریعے اس عہدے اور منصب تک پہنچنے کی کوشش کرے گا، ایسی صورت میں جائز ہوگا۔

سوال: اگر کوئی بچہ مسجد کے قالین پر پیشاب کر دے تو کیا اس پر پانی بہادینا کافی ہوگا؟

جواب: اللہ کے رسول ﷺ نے دیہاتی کے پیشاب پر پانی بہانے کا حکم دیا تھا، اس لئے کہ وہ مٹی پر تھا، اگر اس پر پانی بہا دیا جائے تو زائل ہو جائے گا، لیکن قالین پر پانی بہانے سے وہ مزید پھیل جائے گا اور تعفن وگندگی کو مزید بڑھادے گا اور پیشاب بھی زائل نہیں ہوگا، تو ایسی صورت میں اس کا دھلنا واجب ہے، پانی بہانا نہیں:

* اگر ممکن ہو تو اس قالین کو نکال کر دھلا جائے اور سکھا کر واپس لایا جائے۔

* لیکن اگر اسے بڑا ہونے یا بھاری ہونے کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو تو اسے وہیں پر دھلا جائے گا اور اسی جگہ سکھایا جائے گا۔

یہ قالین کا حکم ہے، اسے زمین پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

سوال: سہولت وآسانی اور عدم تساہل میں تطبیق کیسے دی جائے؟

جواب: کتاب وسنت پر عمل کریں دونوں کے درمیان تطبیق ہو جائے گی، لیکن اگر اس میں خواہش کے مطابق عمل کیا جائے گا' تو کبھی نہیں ہو پائے گا، کیونکہ واجبات کو کرنا حتی الامکان واجب ہوتا ہے اور محرمات کو چھوڑنا ہمیشہ واجب ہوتا ہے الایہ کہ مجبوری ہو، اس لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ'' ترجمہ: ''جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں اس میں سے جتنا ہو سکے بجالاؤ اور جب کسی بات سے منع کروں اس کو چھوڑ دو۔''

منع کردہ چیزوں میں یہ نہیں کہا کہ جتنا ہو سکے، کیونکہ مجبوری کی حالت نادر ہوتی ہے۔

لیکن اگر معاملہ اختیار کا ہو تو ایسی صورت میں عبادات کے اندر افضل یہ ہے اسے کیا جائے، اور دوسری چیزوں کے اندر اصل یہ ہے کہ ان میں جو آسان ہو اسے اختیار کیا جائے، مثلاً قیام اللیل نفل ہے، انسان کو اس میں اختیار ہے کہ یا تو سو جائے تا قیام اللیل کرے، اب ایک شخص آ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبی کریم ﷺ کو جب دو چیزوں کے درمیان اختیار کرنے کو کہا جاتا تھا تو ان میں جو آسان ہوتا تھا اسی کو اختیار کرتے تھے، اور قیام اللیل کے مقابلے میں سونا زیادہ

آسان ہے اس لئے سونے کو اختیار کیا جائے گا، نہیں، یہاں پر افضل قیام اللیل ہے، گرچہ آسان سونا ہے۔

اسی طرح ہم نفلی روزوں کے بارے میں بھی کہیں گے، لیکن دوسرے معاملات میں آسان کو دیکھا جائے گا، چنانچہ جو آسان ہوگا اسی کو اختیار کیا جائے گا، جیسے اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ تعامل اور برتاؤ کے معاملات میں، اسکول کے اندر تلامذہ کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے معاملات میں۔

چنانچہ اگر آپ کو اختیار دیا گیا ہو دو چیزوں کے درمیان تو ایسی صورت میں جو آسان ہوگا اسی کو اختیار کریں گے جب تک کہ اس میں کوئی گناہ نہ ہو، معاملہ بہت آسان ہے، کتاب وسنت کی طرف رجوع ہی کا نام آسان اور سہولت ہے، اس کے برعکس تساہل اور کوتاہی ہے، اسی طرح آپ دونوں کے درمیان تطبیق دے سکتے ہیں۔

سوال: **کیا شیخ ربیع متشددین میں سے ہیں؟**

جواب: شیخ ربیع کو ہم بچپن ہی سے جانتے ہیں، میں آپ کو مسجد نبوی میں دیکھتا تھا، جامعہ میں دیکھتا تھا، کیونکہ جب میں گیارہ سال کا تھا اسی وقت سے میں جامعہ میں پڑھتا تھا جب میرا داخلہ جامعہ کے اندر معہد متوسط میں ہوا تھا، میں اسی وقت سے علماء ومشائخ کو دیکھتا تھا، اور شیخ ربیع کو میں عالم سمجھتا ہوں، آپ توحید وسنت کے لئے بڑے غیرت مند ہیں، آپ اپنا سارا وقت اسی میں صرف کرتے ہیں اور لوگوں کو اسی کے لئے نصیحت کرتے ہیں، آپ کے اندر رقت اور نرمی پائی جاتی ہے، آپ رقت سے رونے لگتے ہیں، مسلمانوں کی حالت پر روتے ہیں، آپ ہمیشہ اتحاد اور اتفاق کی دعوت دیتے ہیں، انتشار اور اختلاف سے روکتے ہیں، اہل سنت سلفیوں کے درمیان نرمی اور شفقت برتنے کی نصیحت کرتے ہیں، کبھی کبھار مخالفین پر شدت برتتے ہیں۔

ایسی صورت میں شیخ ربیع کو متشدد کہنا ظلم ہے، ممکن ہے کسی قول میں یا کسی موقف میں شدت اختیار کر جاتے ہوں، یہ انسانی تقاضے کے تحت ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں وہ متشدد ہو گئے، ہر انسان کا ہمیشہ صحیح ہونا ضروری بھی نہیں، اور نہ یہ صحیح ہے کہ سلفی عالم کبھی غلطی نہیں کرتا، غلطی ہر ایک سے ممکن ہے، لیکن ایسی صورت میں اس کی غلطی پر رد ہر کوئی نہیں کرے گا بلکہ ایک عالم کی غلطی پر رد ایک عالم ہی کرے گا۔

کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ علماء کا فروعی مسائل میں اختلاف ہو، مگر وہ اصول میں متفق ہوں، اس کی وجہ سے اسے متشدد یا غالی نہیں کہا جائے گا، چنانچہ اگر شیخ ابن باز، شیخ البانی اور شیخ وادعی کے بارے میں دیکھا جائے تو ان کے آپس میں بہت سارے مسائل میں اختلاف ہے، ان کے اسالیب میں اختلاف ہے، لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ شیخ

مقبل وادعی متشدد ہیں، اور شیخ ابن باز کے مقابلے شیخ البانی متشدد ہیں، حقیقت یہ ہے کہ کوئی متشدد نہیں ہے، یہ اسالیب میں اختلاف ہے اصولوں میں اتفاق کے ساتھ۔

اس لئے یہ جائز نہیں کہ کوئی آ کر یہ کہے کہ شیخ مقبل کا منہج ہی صحیح ہے، جبکہ شیخ البانی اور ابن باز کے منہج میں تساہل اور نرمی ہے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ کوئی کہے کہ شیخ مقبل کے منہج میں سختی اور پیچیدگی ہے، کیونکہ وہ پہاڑی علاقے کے ہیں، یہ درست نہیں، میں کہتا ہوں: یہ سب اسالیب کا اختلاف ہے، کبھی کبھی حالات ایسے اسالیب اختیار کرنے کا تقاضہ کرتے ہیں، اور انسان کے لئے مناسب ہے کہ وہ وہی طریقہ اختیار کرے جو اس حالت کا متقاضی ہو۔

اور ایک طریقہ جو رائج ہے اہل سنت علماء کے بارے میں کہ ہم جس سے محبت کرتے ہیں اس کی طرفداری کریں گے تو ایسا طریقہ صحیح نہیں ہے، بلکہ دلیلوں کی روشنی میں جو ہمارے موافق ہو اور جس کے پاس حق ہو اس کی طرفداری کریں گے اور اگر معلوم ہو کہ اس کے پاس حق نہیں ہے تو اس کا قول چھوڑ دیں گے اور اسے معذور سمجھیں گے، چنانچہ اہل سنت والجماعت حق کی طرفداری کرتے ہیں، اور اہل فضل کے فضل کو تسلیم کرتے اور انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، چنانچہ یہ حق کے ساتھ چلتے ہیں اور کسی فاضل کی فضیلت کی وجہ سے حق کو نہیں چھوڑتے، ساتھ ہی فاضل کی فضیلت کو ترک بھی نہیں کرتے۔

ساتھیو! میری نصیحت ہے کہ علماء اہل سنت کے بارے میں ہم بڑے محتاط رہیں، انہیں غلط القاب سے نہ پکاریں، ہم ہمیشہ حق کے ساتھ چلیں، اسی میں دلوں کی سلامتی ہے، اسی میں اتفاق و اتحاد ہے اور اسی میں سلفیوں کے تئیں مخالفین سلفیت کے مقصد برآری سے دوری ہے۔

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ علماء اہل سنت کے فضل ومقام کو پہچانو، ان کی کوششوں کی بنیاد پر ان سے محبت کرو، ان کی طرف سے دفاع کرو، اپنی زبان کو ان کے تعلق سے لگام دو، اور حق کے ارد گرد گھومو۔

سوال: ابن تیمیہ نے ہر صبح جو اوراد ووظائف اپنا رکھا تھا اس کے بارے میں آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب: کسی معین وقت کا لازم پکڑنا دو حال سے خالی نہیں:

پہلی حالت: اس کی فضیلت کا معتقد ہو، اور یہ کہ اس وقت میں ذکرو اذکار افضل ہے دوسرے اوقات کے مقابل میں، تو ایسی صورت میں اگر کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی تو یہ بدعت ہے، یعنی کوئی کہے کہ ہم چاشت کے وقت قرآن کا پارہ پڑھیں گے، ہم نے پوچھا: کیوں؟ کہا: اس لئے کہ اس وقت قرآن پڑھنا دوسرے اوقات کے مقابل میں زیادہ

افضل ہے، ہم نے پوچھا: اس کی کیا دلیل ہے؟ اب اگر وہ دلیل پیش کرتا ہے تو اچھی بات ہے، اور اگر دلیل پیش نہیں کرتا تو ہم کہیں گے: یہ بدعت ہے۔ اور اسی کو بدعت اضافیہ کہتے ہیں، کیونکہ قرآن کا پڑھنا حقیقت میں بدعت نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ ایسے وقت کا اضافہ کرنا جس میں پڑھنے کو افضل سمجھ جا رہا ہو، بدعت ہے۔

دوسری حالت: وہ اس وقت کو لازم پکڑ رہا ہو اپنی آسانی اور سہولت کی وجہ سے، اور یہ کہ اس وقت وہ نشیط اور چست رہتا ہو۔

مثلاً کوئی آ کر کہے: میں ہر روز فجر کے بعد قرآن سے ورد کرتا ہوں، ہم کہیں گے: ایسا کیوں؟ وہ کہتا ہے: کیونکہ یہی وقت میرے لئے مناسب ہے، میں دوسرے اوقات میں مشغول رہتا ہوں، میں کہوں گا: اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ خیر کے لئے معاون ہے، یا کوئی کہے کہ صبح کے وقت میرا ذہن چاک و چوبند رہتا ہے، اس لئے میں اس وقت زیادہ تدبر اور تفکر سے کام لے سکتا ہوں بنسبت دوسرے اوقات کے، کیونکہ ان اوقات میں میرا ذہن منتشر رہتا ہے، ہم کہیں گے: پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور بعض سلف سے جیسے ابن تیمیہ سے اسی تعلق سے وارد ہے، وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اس وقت میں ذکرو اذکار کرنا دوسرے وقت کے مقابل میں زیادہ افضل ہے، کیونکہ یہ بلا دلیل کہہ نہیں سکتے۔

اسی طرح کوئی شخص آ کر کہے: ہر ہفتے میں بدھ کے دن روزہ رکھوں گا، ہم کہیں گے: کیوں؟ کہے گا: کیونکہ بدھ کے دن روزہ رکھنا افضل ہے، ہم کہیں گے: اس پر کیا دلیل ہے؟ اب اگر وہ دلیل پیش کرتا ہے، تو قبول کریں گے حالانکہ اس تعلق سے کوئی دلیل نہیں، اور اگر دلیل نہیں پیش کرتا تو کہیں گے: یہ بدعت ہے۔ لیکن اگر وہ کہے: اس لئے کہ میں دوسرے ایام میں دن کے اندر کام کرتا ہوں اور بہت مشغول رہتا ہوں، بدھ کے دن میری چھٹی رہتی ہے، اور مجھے روزہ رکھنا پسند ہے، اس لئے ہر بدھ کو روزہ رکھتا ہوں، ایسی صورت میں ہم کہیں گے: اللہ برکت دے، بہتر ہے، اللہ قبول کرے، کیونکہ اس نے فضیلت کے اعتقاد کی وجہ سے ایسا نہیں کیا بلکہ آسانی کی وجہ سے کیا ہے۔

سوال: اگر کوئی میلاد کا ہدیہ کرے تو کیا کریں؟

جواب: میلاد کے دنوں میں اگر کوئی ہدیہ کرتا ہے تو کھانے کی شکل میں وہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا:

پہلی حالت: یہ ایسا کھانا ہو جسے صرف میلاد کے لئے بنایا جاتا ہو، اب اگر اسی کھانے کو ہدیہ کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں:

-اگر اس کا واپس کرنا ممکن ہو تو واجب ہے کہ اسے واپس کر دیں، کیونکہ یہ بدعت پر نکیر کرنا اور اس میں شامل نہ ہونا ہوگا۔

-اور اگر واپس کرنا ممکن نہ ہو، اور ایسی صورت میں فتنے کا اندیشہ ہو، تو آپ اسے استعمال نہیں کریں گے، بلکہ اسے کسی جانور وغیرہ کو دے دیں گے۔

دوسری حالت: وہ ایسا کھانا ہو جسے میلاد اور غیر میلاد ہر وقت بنایا جاتا ہو، جیسے چاول روٹی وغیرہ، اب اگر اسی کھانے کو ہدیہ کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں علماء اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ اس کا قبول کرنا اور رد کرنا دونوں جائز ہے، ابن تیمیہ وغیرہ جیسے علماء اہل سنت کے اقوال سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔

سوال: **کیا ہر وہ شخص جو بدعت کا ارتکاب کرے اسے بدعتی کہا جائے گا یا پھر اس کے لئے شروط اور موانع کو دیکھا جائے گا؟**

جواب: مشائخ اور علماء یہی کہتے ہیں کہ جو بھی بدعت کا ارتکاب کرے اسے بدعتی کہیں گے، جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ تبدیع تکفیر کی طرح ہے، چنانچہ شروط کا ہونا اور موانع کا منتفی ہونا ضروری ہے۔ یہ وصف کے اعتبار سے ہے۔

لیکن احکام کے مرتب ہونے کے اعتبار سے بلاشبہ شروط کا پایا جانا اور موانع کا منتفی ہونا ضروری ہے تا کہ اہل بدعت پر احکام مرتب کئے جاسکیں۔

یعنی اگر کسی معین شخص پر حکم لگانا ہوگا تو ایسی صورت میں شروط وموانع کو دیکھا جائے گا، لیکن اگر بطور وصف کے عام حکم لگانا ہوگا تو ایسی صورت میں شروط وموانع کو نہیں دیکھا جائے گا، آپ کہہ سکتے ہیں کہ جو اس طرح کرے وہ بدعتی ہے، جس طرح شرک کے بارے میں کہا جاتا ہے:

-ہم وصف عام کے طور پر کہیں گے: اگر شرک کا کوئی ارتکاب کرے تو وہ مشرک ہے، لیکن فلاں مشرک ہے، ایسا کہنے کے لئے شروط وموانع دیکھنا ضروری ہے۔

-اسی طرح بطور وصف عام ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کرنے والا بدعتی ہے، مگر فلاں بدعتی ہے، ایسا کہنے کے لئے شروط وموانع کو دیکھا جائے گا، تا کہ بدعتی پر احکام مرتب کیا جائے۔

اسی طرح اس شخص کے بارے میں جو عالم ہو اور کھلم کھلا بدعت کا ارتکاب کرتا ہو اور اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہو تو علماء اہل سنت نے اسے بدعتی کہا ہے اور اس سے لوگوں کو آگاہ بھی کیا ہے، یہاں شروط وموانع کو

نہیں دیکھا جائے گا کیونکہ بدعت کا مرتکب عالم ہے۔

سوال: شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کتاب "نواقض الاسلام" کی شروحات میں سب سے افضل کون سی شرح ہے؟

جواب: بلاشبہ شیخ کی کتاب "**نواقض الاسلام**" بہت ہی اہم اور نفع بخش کتاب ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اسے فہم صحیح کے ساتھ پڑھا جائے تاکہ علماء کے کلام کو سمجھنے میں انحراف کا شکار نہ ہوں، اس کی بہت سی شروحات ہیں، ایک شرح شیخ ابن باز کی ہے، ایک شرح شیخ عبدالرزاق البدر کی ہے، الحمدللہ ایک شرح میری بھی ہے جو مطبوع ہے، مارکیٹ میں میسر ہے، اور امید ہے کہ یہ نفع بخش شرحوں میں ہو، کیونکہ میں نے متقدمین کی شرحوں سے استفادہ کیا ہے، اور ضروری چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

سوال: جہالت کو عذر یا جاہل کو معذور سمجھنے کے مسئلے میں صحیح حکم کیا ہے؟

جواب: شخصیتوں سے متاثر ہوئے بغیر اس باب میں فیصلہ کیا جائے گا، چنانچہ جہالت اگر ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ معذور ہوگا، اور یہ تمام علماء کے نزدیک متحقق امر ہے، کیونکہ وہ علماء جو عقائد کے باب میں جہالت کو عذر نہیں مانتے وہ بھی یہ مستثنیٰ کرتے ہیں کہ جو کسی دور دیہات میں رہتا ہو، یا ابھی جلد ہی اسلام قبول کیا ہو اس کی جہالت عذر ہوگی۔ چنانچہ علماء کے درمیان اختلاف یہی ہے کہ جہالت عذر کب ہوگی؟

بعض علماء کہتے ہیں، عقائد کے مسائل میں یا وہ احکام جن پر متقدمین کا اجماع ہو ان میں جہالت عذر نہیں، الا یہ کہ اصلی جہالت کے وجود پر دلیل قائم ہو، یہ دلیل کب قائم ہوگی؟ کہتے ہیں: وہ ابھی نیا نیا مسلمان ہوا ہو، یا وہ دور کسی دیہات میں رہتا ہو اس تک وہ حکم نہ پہنچا ہو، اسی لئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب جہالت پائی جائے گی تو عذر مقبول ہوگا اگر نہیں پائی جائے گی تو مقبول نہیں ہوگا۔

اور میرے نزدیک علماء کے اقوال اور دلائل کا دراسہ کرنے کے بعد صحیح یہ ہے کہ عقائد کے مسائل اس باب میں دو طرح کے ہیں:

* **پہلی قسم:** توحید و شرک کے بڑے مسائل، ان میں اصل جانکاری ہے، جو اس میں جہالت کا دعویٰ کرے تو اس کی تحقیق کی جائے گی، اگر جہالت ثابت ہو جائے تو معذور رہوگا، بصورت دیگر معذور نہیں ہوگا۔

* **دوسری قسم:** جو اس سے کم تر مسائل ہیں، تو ان میں اصل جہالت ہے، چنانچہ جو جہالت کا عویٰ کرے تو اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔

اور یہ مسائل ایک ملک کے مقابل دوسرے ملک میں مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ سعودی عرب انڈونیشیا کی طرح نہیں ہے، اور انڈونیشیا مصر کی طرح نہیں ہے، یعنی ہر ملک میں وہاں کے علماء یہ فیصلہ کریں گے کہ اس کا تعلق کن مسائل سے ہے، اگر بڑے مسائل سے ہے تو کیا جہالت کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ کن مسائل میں جہالت کو عذر سمجھا جائے گا؟ بہر حال اگر کسی مسئلے میں جہالت کو عذر مان لیا گیا ہو تو ایسی صورت میں اگر جہالت ثابت ہو جائے تو اسے معذور مانا جائے گا۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مسلم ملکوں میں عقائد کے باب میں جہالت غالب ہے، اس لئے ہم ان ممالک میں عقائد کے باب میں مخالفت کرنے کی وجہ سے ان کی تکفیر نہیں کریں گے، چنانچہ جو لوگ قبروں سے استغاثہ کرتے ہیں، اولیاء سے طلب کرتے ہیں، ہم ان کی تکفیر نہیں کریں گے، ہاں یہ شرک ہے ہم اس کی مذمت کریں گے، لیکن مسلم عوام کی تکفیر نہیں کریں گے، کیونکہ یہ مسائل ان کے لئے مخفی ہیں، گرچہ اصل یہی ہے کہ یہ مسائل واضح اور ظاہر ہیں، اس لئے کہ حقیقت میں ان ممالک کے اندر علماء نے یہ بتا رکھا ہے کہ یہی سب کچھ دین ہے اور عوام علماء کے تابع ہوتے ہیں۔

اسی لئے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ بھی عام مسلمین کی تکفیر نہیں کرتے ہیں، یہاں تک کہ جو لوگ بدوی اور حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کا طواف کرتے ہیں ان کی بھی تکفیر نہیں کی ہے، گرچہ یہ کہتے تھے کہ یہ کفر ہے، اور میں ایک کتاب کی تالیف کر رہا ہوں جس میں اس مسئلے کے متعلق علماء کے کلام کو جمع کر رہا ہوں، اور نصوص کو اکٹھا کر رہا ہوں، چنانچہ اس باب میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے بہت سے اقوال کو اکٹھا کیا ہے، اور جہاں تک جہالت کو عذر ماننے کا مسئلہ ہے تو اس باب میں شیخ کی بعض عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جہالت عذر نہیں ہے تو ان تمام عبارتوں میں اور دیگر عبارتوں میں تطبیق کی صورت اپنائی ہے۔

خلاصۂ کلام: جہالت عذر ہے متفقہ طور پر، البتہ اختلاف جہالت کے ثبوت میں ہے، چنانچہ اگر جہالت ثابت ہو جائے تو اسے عذر مانا جائے گا۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ معلم اور عورتوں کے درمیان پردہ لگانا نبی ﷺ کے دور میں نہیں تھا، چنانچہ یہ بدعت ہوگی، اس پر آپ کی کیا رہنمائی ہے؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ بدعات کے سمجھنے میں بہت اشکال پیش آتے ہیں، دراصل شریعت جس پر خاموش ہو

اس تعلق سے دو صورت ہے:

* اس کا تعلق مصالح مرسلہ سے ہو۔

* اس کا تعلق بدعات سے ہو۔

کبھی کبھی دونوں کے درمیان معاملہ مشتبہ ہوجاتا ہے، بدعت کو اچھا سمجھ لیا جاتا ہے جبکہ اس کا تعلق مصالح مرسلہ سے ہوتا ہے، اور مصالح مرسلہ سے روک دیا جاتا ہے یہ گمان کر کے کہ یہ بدعت ہے، اس لئے اس مسئلے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

***مصالح مرسلہ کیا ہے؟**

جس کی اصل شریعت میں موجود ہو لیکن شریعت اس کے انواع سے خاموش ہو، اب ان انواع کو امت کے اجتہاد پر چھوڑ دیا جائے گا، جیسے کہ شریعت سے قرآن کریم کا محفوظ کرنا ثابت ہے، لیکن اسے کیسے محفوظ کیا جائے گا؟ یہ مصالح مرسلہ پر منحصر ہے، چنانچہ صحابہ نے اس باب میں اجتہاد کیا، قرآن کو جمع کیا جبکہ نبی ﷺ کے زمانے میں جمع نہیں تھا، لوگوں نے بعد میں مصحف کے اندر قرآن کو لکھا، حروف پر نقطے چڑھائے، جبکہ یہ نقطے موجود نہیں تھے۔

نبی ﷺ کے زمانے میں حروف پر نقطے نہیں ہوتے تھے، اب آپ تصور کریں کہ اگر معاملہ اسی طرح آج ہوتا تو لوگ کیسے پڑھتے؟ چنانچہ جب یہ دشواری آئی تو حروف پر نقطے لگائے گئے، یہی مصالح مرسلہ ہے۔

اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے، چنانچہ یہ بھی مصالح مرسلہ میں سے ہے، اس کا تعلق بدعت سے نہیں ہے، کیونکہ اس کی اصل شریعت میں موجود ہے، وہ یہ کہ شریعت میں مرد وخواتین کے درمیان جدائی پیدا کرنا حتی کہ مسجد میں آنا ہے دو طریقوں سے:

پہلا طریقہ: مساجد میں خواتین کے لئے الگ دروازہ بنادیا جائے، حدیث میں آیا ہے: عورتوں کی سب سے بہتر صف آخری صف ہے، کیونکہ اس میں وہ مردوں سے دور ہوتی ہیں، اس طرح مرد وخواتین میں جدائی اصل شریعت سے ثابت ہے، لیکن اس کی کیا شکل ہوگی؟ یہ مصالح مرسلہ پر منحصر ہے، جیسے جیسے فتنے بڑھیں گے اسی مقدار میں تحفظ ضروری ہوگا۔

مگر آج کل مرد وخواتین دونوں کے تعلق سے تساہل پایا جاتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نیک خواتین بھی شیوخ کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہیں، اور اکثر چہرہ نہیں ڈھکتیں، بسا اوقات وہ عورت شیخ کے سامنے آکر بات کرتی ہے۔

اسی طرح مرد حضرات پہلے کی طرح نہیں رہ گئے، ان کے یہاں بھی تساہل پایا جاتا ہے، اس لئے معلم اور طالبات کے مابین پردہ یا کسی بھی طرح کا آڑ لگانا مصالح مرسلہ میں شمار ہوگا، نہ کہ بدعت ہوگا، بلکہ بسا اوقات واجب بھی ہوسکتا ہے اگر فتنوں کا شبہ ہو۔

اسی طرح سوشل میڈیا پر مشائخ سے سوالات اور فتاویٰ پوچھنے میں احتیاط برتنا ضروری ہے، اس میں احوط یہی ہے کہ عورت اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے واسطے کو استعمال کرے مثلاً شوہر، بیٹا وغیرہ، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو کسی وجہ سے تو بہت ہی احتیاط برتے، ایسا نہیں کہ ہنس ہنس کر بات کرے، بار بار شکریہ ادا کرے اور آخر میں گلاب بھی پیش کرے، کیونکہ یہ چیزیں فتنے میں مبتلا کرنے والی ہیں۔

اس لئے عورتوں کے مسئلے میں احتیاط بہت ضروری ہے، یہ میں نہیں خود اللہ کے رسول ﷺ کہہ رہے ہیں: ”إنَّ الشَّيطانَ يَجري مِن ابنِ آدَمَ مَجرى الدَّمِ “ ترجمہ: ”یقیناً شیطان انسانوں کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے۔“ اس لئے شیطان سے کبھی بھی غافل نہ رہو اور نہ ہی اسے اپنے دل پر قبضہ کرنے کے لئے مہلت دو۔

اس لئے میں نصیحت کرتا ہوں کہ سوشل میڈیا پر بہت ہی شدید ضرورت کے وقت ہی کوئی طالب علم کسی خاتون معلمہ سے کوئی سوال کرے، اسی طرح کوئی عورت کسی شیخ سے بڑی سخت ضرورت کے وقت ہی سوال کرے، بلکہ اس وقت مناسب یہ ہے کہ فون پر سوال کرنے کی بجائے واٹسپ پر سوال بھیج دے۔ اسی طرح میں خواتین کو یہ نصیحت کروں گا کہ کسی شیخ کا نمبر بھی محفوظ نہ کریں، بلکہ ضرورت کے وقت پتہ لگا کر سوال کریں۔

سوال: **عقیدہ کی صحت اور منہج کی صحت میں کیا تعلق اور تلازم ہے؟**

جواب: اس سوال کو اس طرح سے کیا جاسکتا تھا: عقیدہ اور منہج میں کیا فرق ہے؟

منہج: منہج عام ہے عقیدہ سے، چنانچہ عقیدہ منہج کا جزء ہے، بلکہ یہ اصل منہج ہے، منہج ہر چیز کو شامل ہے، کیونکہ منہج ہی صراط مستقیم ہے، اور یہی اللہ کا راستہ ہے، اسی سے دین کا تحفظ ہوتا ہے، یعنی پورے دین کو شامل ہے، جیسے جرح وتعدیل کہ یہ بھی منہج کا حصہ ہے: کیونکہ اس سے دین کا تحفظ ہوتا ہے، اہل حق اور اہل باطل کی تمییز ہوتی ہے۔

عقیدہ: عقیدہ منہج کا جزء ہے، اور یہ منہج کا ایک اہم جزء ہے، اجمالی طور پر یہ ایمان باللہ، ملائکہ، رُسل، کُتب، آخرت، تقدیر کا نام ہے، اس کے علاوہ حق صحابہ، کرامات اولیاء وغیرہ بھی اس میں شامل ہے، یہی دونوں میں فرق ہے۔

سوال: **کیا اگر کوئی کفریہ عمل کردے اور اس کو کوئی کہے کہ تم کافر ہوگئے دوبارہ کلمۂ شہادت پڑھو، تو کیا یہ تکفیر مانی**

جائے گی؟

جواب: اگر اس نے کہا کہ تم نے کفر کیا، اور واقعی اس نے کفریہ عمل کیا ہو تو ایسا کہنا صحیح ہے (یعنی تم نے کفر کیا یہ کہنا)، بشرطیکہ اس نے کفر کیا ہو، البتہ اگر وہ کہے کہ: کلمۂ شہادت پڑھو تو یہ اس کی تکفیر ہوگی، آخر وہ کیوں کلمہ کا اعادہ کرے؟ اسی لئے نا کہ وہ اس کے نزدیک دین سے نکل گیا ہے، وہ اسے دوبارہ دین میں لانا چاہتا ہے، یہی تو اس کی تکفیر ہے، جو کہ جائز نہیں جب تک کہ اس کے شروط مکمل نہ ہوں۔ کچھ لوگوں کے یہاں وسوسہ پایا جاتا ہے، ایک تکفیری کہنے لگا: میں دن میں دس بیس مرتبہ غسل کرتا ہوں، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں کافر ہوگیا، تو میں غسل کر کے کلمۂ شہادت پڑھتا ہوں۔

ساتھیو! یہ دراصل صراط مستقیم سے انحراف کا نتیجہ ہے، اس سے انسان شر و فتنے کی طرف ہی جائے گا۔

سوال: **اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جو نیا نیا اسلام لایا ہو لیکن ہمیں اس کے اسلام کے بارے میں شک ہو، مثلاً وہ کسی مسلم عورت سے نکاح کی خاطر مسلمان ہوا ہو، اور اسلام لانے کے بعد کوئی عمل نہیں کرتا ہو؟**

جواب: اگر کوئی مسلمان ہوتا ہے کسی مسلم خاتون سے شادی کی خاطر، تو اسے مسلمان سمجھا جائے گا اگر اس نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کیا ہوگا لیکن اگر اسلام قبول کرنے کے بعد نواقض اسلام میں سے کسی کا ارتکاب کیا ہوگا تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، مثلاً اگر وہ نماز نہیں پڑھتا ہے، اسے نماز سکھائی گئی اور کہا گیا کہ یہ ارکان اسلام میں سے ہے، لیکن نماز پڑھنے سے انکار کر رہا ہے، اور مدت بیت جانے کے بعد بھی نماز نہیں پڑھ رہا ہے، تو گویا اس نے نواقض اسلام کا ارتکاب کیا، اس کی تکفیر کی جا سکتی ہے، لیکن شروع ہی میں بغیر کسی ناقض کے اس کی تکفیر کرنا صحیح نہیں ہے۔

سوال: **مرنے کے بعد لاش جلا دینے کی وصیت والی حدیث اور اس حدیث میں کیا تطبیق ہوگی: ''مَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ'' ترجمہ: ''جو اللہ سے ملنا نہیں چاہتا تو اللہ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا۔''؟**

جواب: لاش جلانے کی وصیت کرنا کوئی اچھی بات نہیں، لیکن جس نے ایسا کیا تھا اس نے خوف اور ڈر کی وجہ سے کیا تھا، ''**مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ**'' ترجمہ: ''جو اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ سے ملنا نہیں چاہتا اللہ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا۔''

حدیث کا مقصود یہ ہے کہ موت کے آنے کے وقت اللہ سے ملاقات کی تمنا کی جائے، ورنہ عام حالات میں کوئی بھی انسان موت کو پسند نہیں کرتا، ہر کوئی موت سے نفرت کرتا ہے، لیکن اس حدیث سے کیا مقصود ہے: ''**مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ**

اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ''؟

* جب مومن کی موت آتی ہے تو اسے خوشخبری دی جاتی ہے: ''**يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ، كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ، اخْرُجِي حَمِيدَةً، وَأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ**'' ترجمہ: ''نکل اے پاک جان! جو کہ ایک پاک جسم میں تھی، نکل، تو لائق تعریف ہے، اور خوش ہو جا، اللہ کی رحمت و ریحان (خوشبو) سے اور ایسے رب سے جو تجھ سے ناراض نہیں ہے۔'' چنانچہ اس طرح خوش خبری دی جاتی ہے تو وہ خوش ہو جاتی ہے اور اللہ سے ملنے کو پسند کرتی ہے، تو اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے۔

* اور جب دوسرے کی موت آتی ہے تو اس سے کہا جاتا ہے: ''**أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ، كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيثِ، اخْرُجِي ذَمِيمَةً، وَأَبْشِرِي بِحَمِيمٍ وَغَسَّاقٍ وَآخَرَ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ**'' ترجمہ: ''نکل اے ناپاک نفس! جو ایک ناپاک بدن میں تھی، نکل تو بری حالت میں ہے، خوش ہو جا گرم پانی اور پیپ سے، اور اس جیسی دوسری چیزوں سے۔'' چنانچہ جب اسے موت کی خبر دی جاتی ہے تو وہ اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتی ہے تو اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔

* چنانچہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں خوشخبری دی جاتی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات چاہنے لگتے ہیں، تو اللہ بھی ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

* اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں جب موت کی خبر دی جاتی ہے تو وہ اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتے ہیں تو اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، ہم ایسے لوگوں کی حالت سے پناہ مانگتے ہیں۔

سوال: **کیا یہ صحیح ہے کہ اخوان المسلمین کی جماعت اُس ردعمل میں پیدا ہوئی کہ جب حکومت کے اندر الحادی اور غیر دینی افکار پیدا ہونے لگے؟**

جواب: حقیقت یہ ہے کہ اخوان المسلمون کی جماعت دوسری جماعتوں اور فرقوں سے مختلف نہیں ہے، بلکہ یہ جماعت تو سیاسی میدان میں بالکل انہیں افکار کو مانتی ہے جن کا ذکر سوال میں ہوا ہے، دراصل یہ جماعت خروج، سیاست اور حکام سے لڑائی کرنے پر قائم ہوئی ہے۔

سوال: **دار الاسلام اور دار الکفر کے لئے کیا شرعی ضوابط ہیں؟**

جواب: فقہاء سرزمین کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

- دار اسلام اور دار کفر۔

- اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت ۔

صحیح بات یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا اعتبار قوم اور حاکم سے ہو گا۔

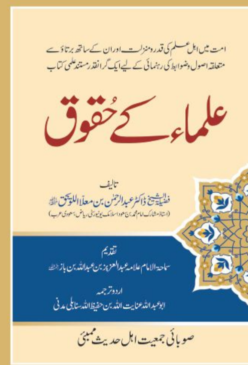
* اگر اس ملک میں مسلمان رہتے ہوں اور اس کا حاکم مسلمان ہو تو ایسی صورت میں اسے اسلامی حکومت کہیں گے۔

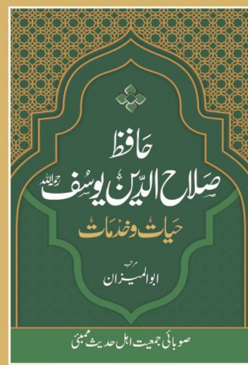
*لیکن اگر اس ملک میں رہنے والے اکثر کافر ہوں، تو وہ دار کفر ہو گا، اور کوئی ضروری نہیں کہ وہ دار حرب ہو، کیونکہ وہ ملک مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ میں ہوسکتا ہے، دار حرب اس وقت کہیں گے جب وہ ملک مسلمانوں کے لئے حالت جنگ میں ہو، لیکن اگر مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کی حالت میں ہوں تو ایسی صورت میں اسے دار حرب نہیں بلکہ دار کفر کہیں گے۔

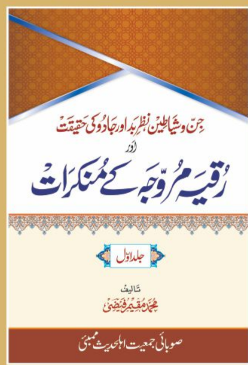
* اور اگر اس ملک کے رہنے والے مسلمان ہوں لیکن حاکم کافر ہو، تو میرے نزدیک اسے بھی اسلامی حکومت کہیں گے، لیکن ایسی صورت میں وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہو گا کہ اسے ہٹا کر کسی دوسرے لائق مسلمان کو حاکم بنائیں بشرطیکہ اس کے ہٹانے میں، باقی رکھنے کے مقابل زیادہ فساد اور فتنہ کا خوف نہ ہو۔ چنانچہ اگر اس کو ہٹانے کی طاقت نہ ہو تو ایسی صورت میں صبر کریں گے اور رعایا کے اعتبار سے اسے اسلامی حکومت ہی کہیں گے۔ میرے نزدیک یہی صحیح لگتا ہے۔

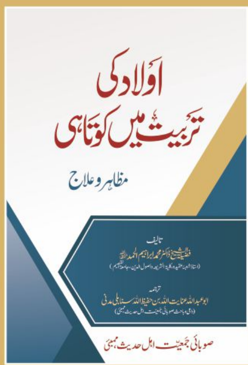
والله أعلم وصلى الله على بنينا وسلم۔

ہماری اہم مطبوعات

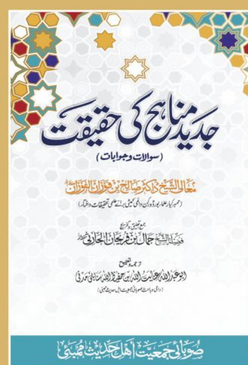


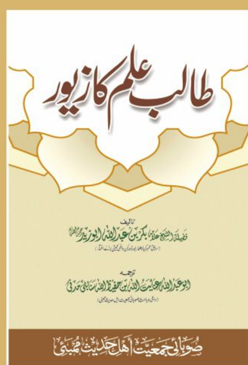


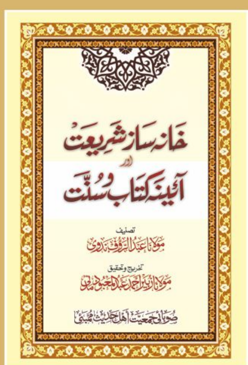


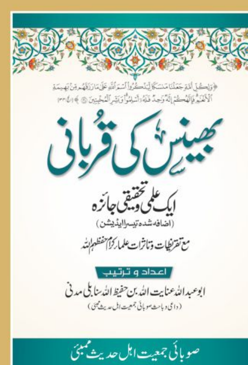


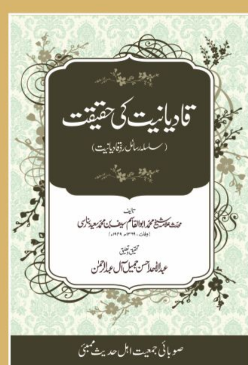


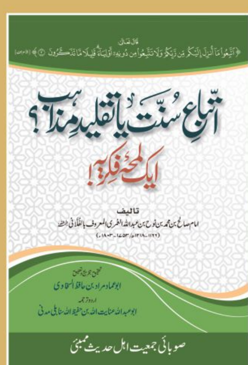


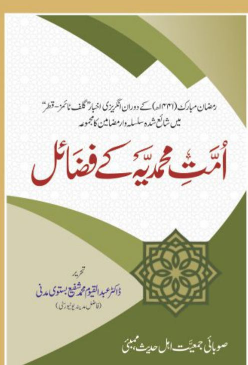


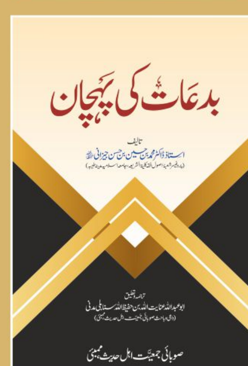


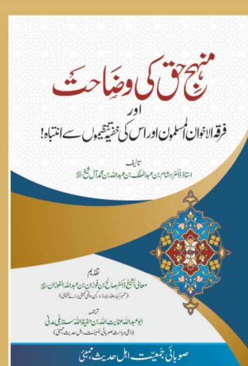




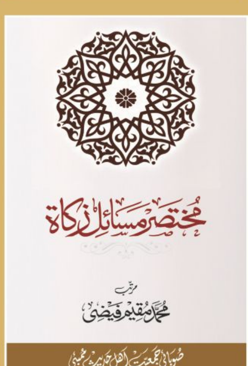












SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai-70.
Phone : 022-26520077 +91 9892555244 ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.com